انسانی معاشرہ اور توہم پرستی

(اسباب، اثرات اور تدارک)

مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

عمران بابر

نگران مقالہ

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ

نمل یونیورسٹی، اسلام آباد

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن 2012-2020

انسانی معاشرہ اور توہم پرستی

(اسباب، اثرات اور تدارک)

مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

عمران بابر

نگران مقالہ

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ

نمل یونیورسٹی، اسلام آباد

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن ۲۰۱۲ء-۲۰۲۰ء

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہے اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: انسانی معاشرہ اور توہم پرستی

(اسباب، اثرات اور تدارک)

"Human Society and Superstitions"

(Causes, Effects and Remedies)

" Insāni Maāsharah ōr Tawāhum Parasti "

(Asbāb, Athrāt ōr Tadāruk)

نام مقالہ نگار: عمران بابر

رجسٹریشن نمبر: 434-PhD/IS/F12

ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری ____________________

(نگران مقالہ) دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی ____________________

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

میجر جنرل (ر) محمد جعفر ____________________

(ریکٹر نمل) دستخط ریکٹر نمل

تاریخ: ____________________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں(مقالہ نگار) عمران بابر ولد محمد رمضان

رجسٹریشن نمبر: 434-PhD/IS/F12

طالب علم: پی ایچ-ڈی(شعبہ علوم اسلامیہ) نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز(نمل)اسلام آباد، اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ

بعنوان: **انسانی معاشرہ اور توہم پرستی**

(اسباب، اثرات اور تدارک)

پی ایچ-ڈی (علوم اسلامیہ) کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری کی نگرانی میں مکمل کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کا اصل کام ہے اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی آئندہ کسی بھی ڈگری کے حصول کے لیے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: عمران بابر

دستخط مقالہ نگار:____________________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

انتساب

میں اس تحقیقی کاوش کو پیارے والدین نور اللہ مرقدھما کے نام کرتا ہوں

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا

اور اپنی بیٹیوں کے نام
جن کی تربیت صالحہ حصول جنت کا سبب ہے۔

اظہارِ تشکر

سب سے پہلے میں اپنے خالق حقیقی، رب دو جہاں کا شکر گزار ہوں جس نے مجھے اس موضوع پر لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اور اسی کی توفیق و مدد سے یہ مشکل کام پایا تکمیل تک پہنچا اور پھر لا متناہی درود و سلام ہو نبی کریم ﷺ پر جو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد میں ہر اس شخص کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جس نے کسی بھی طرح سے مقالہ نگاری میں مدد کی، بالخصوص نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کے ریکٹر میجر جنرل (ر) جناب محمد جعفر صاحب، ڈاکٹر شاہد صدیقی صاحب ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز، اور دیگر اساتذہ کرام کا بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ جنہوں نے میرے ساتھ یونیورسٹی میں داخلے سے لیکر مقالے کی تکمیل تک ہر ممکن مدد کی۔

بے حد مشکور ہوں اپنے محترم استاد ڈاکٹر ضیاء الحق صاحب سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ نمل، جو اس مقالہ کے سابق نگران تھے جنہوں نے مقالہ کے آغاز اور امورِ تحقیق کے معاملے میں ہمہ جہت رہنمائی کی اور میں خاص طور پر مشکور و احسان مند ہوں محترم استاد نگرانِ مقالہ جناب ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری صاحب شعبہ علوم اسلامیہ نمل، جن کی شفقت، رہنمائی اور نگرانی سے یہ مقالہ پایہ تکمیل کو پہنچا اور اس کو مستحسن کرنے میں تعاون فرمایا۔ موضوع کے انتخاب، خاکہ تحقیق اور مقالہ لکھنے کے دوران جب بھی استادِ گرامی کی رہنمائی کی ضرورت ہوئی تو انہوں نے خندہ پیشانی اور نہایت محبت اور انتہائی شفقت سے رہنمائی فرمائی۔

میں اپنے والدین کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میری تعلیم و تربیت کو اوّلین ترجیح دی۔ اہلیہ و بچوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اپنے الفاظ کو ناکافی سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہر پریشانی سے بچائے رکھے اور دنیا آخرت کی تمام بھلائیوں سے نوازے۔ خصوصاً اپنے ان تمام دوستوں و احباب کا مشکور ہوں جنہوں نے اپنے ذاتی کام چھوڑ کر میرے تحقیقی کام میں فنی معاونت فراہم کی، اور دورانِ تحقیق میرے مقالہ کو گاہے بگاہے دیکھتے رہے اور غلطیوں سے آگاہ کرتے رہے۔ میرے تمام ہم جماعت جو کہ وقتاً فوقتاً مجھے تجاویز دینے اور مواد کے مہیا کرنے میں معاون رہے میں ان سب کا تہہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے ہر طرح سے میری معاونت کی۔

اللہ پاک تمام احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اور تاحیات صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اللہ پاک ہمیں ہر قسم کی علمی، عملی اور فکری لغزشوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین، والحمد للہ رب العالمین۔

Abstract

The thesis comprises four chapters, tables of contents and bibliography. The preface includes introduction of the subject, its importance, the fundamental questions, targets and objectives of the research, hypotheses, literature review and research methodology.

The subject matter is divided into four chapters:

The first chapter tells what society and its evolution are, meaning of superstition and its kinds. Also, it discusses the ruling of shariah on superstition. It is indicated that both the ancient and the modern societies have some common values and concepts. A society is known by its ethical, cultural and social values. These values influence each other. Islamic society was established on the foundation of faith, ethics and the natural principles which are necessary to create balance in life. Superstition is a human and social problem. Bad omen is forbidden but good omen is taken but without adopting the traits of superstition and the behavior which goes against the behavior of trust in Allah.

The second chapter gives a brief description on the world religions and discusses the practices and beliefs based on superstitions in Judaism, Christianity from Semitic religions and Hinduism and Buddhism from non- Semitic religions. It has been highlighted that religion either a revealed one or not, a big portion of it is consisted of social practices and rituals in addition to belief and worship. When society gets corrupted its first cracks appeared at first in the superstitious practices and then in beliefs, ethics and religious deeds.

In the third chapter an overview is made to learn about religious and psychological factors of superstitions. It is concluded that fault in the understanding of the belief in monotheism, predestination, trust in Allah and His fear, lack of remembrance of Allah, ignorance and blind following lead to superstition and mental problems. To explain these factors, quotes from Quran and Hadith are given. Moreover, psychological imbalance which is effected by internal and external factors and also, family and financial issues give birth to the immoderate behavior is human begins which ultimately lead to superstitions.

The fourth chapter opens with the strategy to get rid of superstitions in the light of Islamic thoughts so as to make the remedial measures viable in the light of Islamic principles to remove superstitions. It is suggested that through Islamic teachings and training, thinking positive, ethical cooperation, ethical purification of media and maintaining of law and order to ensure the sense of safety and positive changes in the environment can help get rid of superstitions from society.

فہرستِ ابواب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱.	مقالہ کی منظوری کا فارم	I
۲.	حلف نامہ کا فارم	II
۳.	انتساب	III
۴.	اظہار تشکر	IV
۵.	Abstract	V
۶.	فہرست ابواب	VI
۷.	مقدمہ	IX
۸.	**باب اول: معاشرہ اور توہمات**	۱
۹.	فصل اول: معاشریات	۲
۱۰.	مبحث اول: معاشرہ کی تعریف اور عمرانیات کی ابتدا	۳
۱۱.	مبحث ثانی: مذہبی معاشریات اور معاشرتی ادوار	۲۱
۱۲.	فصل دوم: اسلامی معاشرہ کی اساسیات	۲۹
۱۳.	مبحث اول: عقائد و اخلاقیات	۳۰
۱۴.	مبحث ثانی: جدید سماجی اقدار	۳۸
۱۵.	فصل سوم: توہمات کا مفہوم	۴۶
۱۶.	مبحث اول: وہم، تطیر اور فال کا مفہوم	۴۶
۱۷.	مبحث ثانی: تطیّر کا حکم	۶۷
۱۸.	**باب دوم: مذاہبِ عالم اور توہم پرستی**	۷۶
۱۹.	فصل اول: ہندومت اور بدھ مت میں توہم پرستی	۸۰

۲۰.	مبحث اول: ہندو مت میں توہم پرستی	۸۰
۲۱.	مبحث ثانی: بدھ مت میں توہم پرستی	۹۷
۲۲.	فصل دوم: یہودیت اور عیسائیت میں توہم پرستی	۱۰۹
۲۳.	مبحث اول: یہودیت میں توہم پرستی	۱۰۹
۲۴.	مبحث ثانی: عیسائیت میں توہم پرستی	۱۲۷
۲۵.	فصل سوم: عہد جاہلیت اور عصر حاضر میں توہم پرستی	۱۴۴
۲۶.	مبحث اول: عہد جاہلیت میں توہم پرستی	۱۴۴
۲۷.	مبحث ثانی: عصر حاضر میں توہم پرستی	۱۷۰
۲۸.	**باب سوم: توہم پرستی کے اسباب واثرات**	۱۸۸
۲۹.	فصل اول: توہم پرستی کے مذہبی اسباب واثرات	۱۹۰
۳۰.	مبحث اول: اعتقادی اسباب واثرات	۱۹۰
۳۱.	مبحث ثانی: تربیتی اسباب واثرات	۲۱۶
۳۲.	فصل دوم: توہم پرستی کے نفسیاتی اسباب واثرات	۲۲۷
۳۳.	مبحث اول: دینِ اسلام اور نفسیاتی امراض	۲۳۰
۳۴.	مبحث ثانی: نفسیاتی عوامل اور توہم پرستی	۲۳۲
۳۵.	فصل سوم: توہم پرستی کے معاشرتی اسباب واثرات	۲۴۲
۳۶.	مبحث اول: خاندانی اسباب واثرات	۲۴۲
۳۷.	مبحث ثانی: اقتصادی اسباب واثرات	۲۴۸
۳۸.	**باب چہارم: توہم پرستی کا علاج و تدارک**	۲۵۵
۳۹.	فصل اول: مذہبی علاج و تدارک	۲۵۸
۴۰.	مبحث اول: اسلامی تعلیم کی ترویج	۲۵۹
۴۱.	مبحث ثانی: اسلامی تربیت کی فراہمی	۲۶۴
۴۲.	فصل دوم: نفسیاتی علاج و تدارک	۲۷۶

۴۳.	مبحث اول: ذاتی طریقہ علاج	۲۷۶
۴۴.	مبحث ثانی: تربیتی طریقہ علاج	۲۸۵
۴۵.	فصل سوم: معاشرتی علاج و تدارک	۲۹۵
۴۶.	مبحث اول: تعلیمی شعور و آگاہی	۲۹۵
۴۷.	مبحث ثانی: قانون سازی اور ماحول کی فراہمی	۲۹۸
۴۸.	خلاصہ بحث	۳۰۵
۴۹.	نتائج	۳۰۶
۵۰.	سفارشات	۳۰۷
۵۱.	فہرست آیات	۳۰۹
۵۲.	فہرست احادیث	۳۱۶
۵۳.	فہرست اشعار	۳۲۱
۵۴.	فہرست شخصیات	۳۲۲
۵۵.	فہرست مصادر و مراجع	۳۲۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمدللہ الذی نور قلوب العارفین بنور الإیمان، وشرح صدور الصادقین بالتوحید والإیقان وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد وعلیٰ اٰله وصحبه اجمعین.

موضوع کا تعارف

اللہ تعالی نے انسان کو اپنی عبودیت کا اقرار کرنے کے لیے دنیا میں اپنا نائب بنایا، دنیا کی معلوم تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ انسان اپنے ماحول و معاشرہ اور فلسفہ و مذہب کی خصوصیات سے متاثر ہوتا ہے۔ آپس کے میل جول سے کئی سماجی رویے جنم لیتے ہیں۔ انسانی معاشرہ بے شمار سماجی رویوں کی خصوصیات سے مرکب ہوتا ہے ان میں سے کچھ رویے مثبت پہلو رکھتے ہیں اور کچھ منفی، انہی منفی سماجی رویوں میں سے ایک پہلو توہم پرستی ہے۔

علم و عقل کی صلاحیت کا غلط استعمال کی طرح، انسان نے غیب پر ایمان کی صلاحیت کا بھی غلط استعمال کیا لہذا مظاہر پرستی کی طرف مائل ہوتے ہوئے اپنے لیے توہمات کا دروازہ کھول لیا۔ انسانی معاشرے کی ترقی کے ہر موڑ پر، مذہب کو انسانی ہدایت میں مرکزی کردار کی حیثیت رہی ھے۔ قرآن مجید کتاب ہدایت ھے جس سے انسانی معاشرے کی اصلاح اور اس کی تنظیم سازی میں سیرتِ انبیاء اور اقوام کے حالات سے مثبت اور منفی سماجی رویوں کو سمجھا جا سکتا ہے۔

انسانی فکر، سماجی تہذیب و ثقافت کے زیر اثر کبھی توہم پرستی کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں انسانی نفسیات بھی بہت حد تک اپنا اثر و نفوذ رکھتی ہے۔ یوں تو انسان دنیا کے جس کونے میں بھی ہو کسی نہ کسی حد تک وہمی ضرور ہوتا ہے۔ انسان کا وہمی ہونا سماجی رویوں سے ماخوذ ہوتا ہے۔ دین حنیف اور شریعت نقیہ توہم پرستی سے انسان کو محفوظ بنانے کا لائحہ عمل فراہم کرتی ہے۔ اور اللہ تعالی کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

﴿إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلۡإِسۡلَٰمُۗ ...﴾[1] ترجمہ: بے شک اللہ تعالی کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں زندگی کے ہر پہلو سے متعلق تمام احکامات بیان کئے گئے ہیں اور یہ اسلامی اصول زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں پر حاوی ہیں اس میں ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کی رہنمائی موجود

---

(۱) آل عمران ۳:۱۹

ہے اور اس میں زندگی کے ہر پہلو کی عکاسی کی گئی ہے۔ ان اصولوں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں فطرت کا خیال رکھتے ہوئے ان انسانی جذبوں کو مکمل ختم کرنے کی بجائے اس کا جائز اور متبادل حل پیش کیا جاتا ہے۔

موضوع کی اہمیت

غیب پر ایمان انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ اسی بنا پر وہ ایمان لانے کا مکلف ہے۔ ارادہ و اختیار بھی اسے حاصل ہے جس کی بنا پر وہ اپنی صلاحیتوں کے درست اور غلط استعمال پر قادر ہے۔ عقل، علم وغیرہ کی دیگر خصوصیات کے غلط استعمال کی طرح، انسان نے غیب پر ایمان کی صلاحیت کا بھی غلط استعمال کیا اور غیب یعنی اَن دیکھی چیزوں سے مظاہر پرستی کی طرف مائل ہوتے ہوئے اپنے لیے توہمات کا دروازہ کھول لیا۔

عقائد و نظریات کی مکمل رہنمائی وحی الٰہی کے بغیر ممکن نہیں اسی سلسے کی مکمل رہنمائی اور اصلاح کے لیے اللہ تعالی نے ہر دور میں انبیاو رُسل بھیجے، جن کا اولین مقصد معاشرے کی درست سمت رہنمائی اور خوف وہراس سے پیدا شدہ باطل افکار کو انسانی عقائد و نظریات کا حصہ بننے سے روکنا ہے۔ لیکن بعض اقوام نے تو غیب وایمان کی خبر دینے والے نبیوں کو بھی بدشگونی کو سے وابستہ کر دیا۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ فَإِذَا جَآءَتۡهُمُ ٱلۡحَسَنَةُ قَالُواْ لَنَا هَٰذِهِۦۖ وَإِن تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٞ يَطَّيَّرُواْ بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُۥٓۗ أَلَآ إِنَّمَا طَٰٓئِرُهُمۡ عِندَ ٱللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُونَ ﴾[1]

ترجمہ: نتیجہ یہ ہوا کہ اگر ان پر خوش حالی آتی تو وہ کہتے: "یہ تو ہمارا حق تھا" اور اگر ان پر کوئی مصیبت پڑ جاتی تو اس کو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔ ارے یہ تو خود ان کی نحوست تھی جو اللہ کے علم میں تھی، لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں تھے۔

عہد حاضر میں توہم پرستی اور بدشگونی کے مسئلہ کی وضاحت اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیان کرنا بہت ضروری ہے نیز یہ معلوم کرنا کہ کون سی توہمات سے بچنا ضروری ہے اور اس کا حکم کیا ہے، توہم پرستی کے وہ کون سے اسباب ہیں جو انسانی نفسیات کے تحت جنم لیتے ہیں۔ معاشرے میں موجود توہم پرستی محض شک و ظن کی حد تک نہیں رہتی، بلکہ بعض اوقات یہ شرک کے ناقابل معافی جرم تک جا پہنچ جاتی ہے۔ حدیث مبارکہ ہے: «الطِّيَرَةُ مِنَ الشِّرْكِ».[2] بدشگونی شرک ہے۔

اور شرک کے ناقابل معافی ہونے کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

---

(۱) الأعراف۷:۱۳۱

(۲) الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، سنن الترمذی، المحقق: بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامي بيروت، طبعة ۱۹۹۸ء، كتاب الطب، وباب فی الطيرة، حديث نمبر: ۱۶۱۴، ۲۱۲/۳، [حكم الألباني]: صحيح

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا ﴾[1]

ترجمہ: بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر گناہ کی جس کے لیے چاہتا ہے بخشش کر دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھراتا ہے، وہ راہ راست سے بھٹک کر دور جا گرتا ہے۔

بیانِ مسئلہ

توہم پرستی انسانی، معاشرتی اور نفسیاتی مسئلہ ہے۔ اسلامی عقائد میں خیر و شر من جانب اللہ ہے۔ خیر کا حصول اور شر سے بچنے کا ذریعہ صرف رجوع الی اللہ سے ہی ممکن ہے۔ انسان اپنی ضعیف الاعتقادی اور معاشرتی، سماجی رویوں سے متاثر ہو کر اَن دیکھے خوف، گھبراہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ جانوروں کو متصرف سمجھنے لگتا ہے تو کبھی شجر و حجر پر یقین قائم کر لیتا ہے۔ توہم پرستی کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ انسان بنیادی طور پر اَن دیکھی اور اَنجانی چیزوں سے خوف کھاتا ہے اور مظاہر پرستی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان کے مستقبل کے وہ معاملات جو ہماری ناقص سمجھ میں نہیں آتے اور جن کی تلاش اور حل کے لیے ہم مشکلات میں گھر جاتے ہیں ان سے نکلنے کے لیے مختلف اقسام کی توہمات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

مقالہ کا دائرہ کار

مقالہ ہذا میں معاشرتی توہمات کی اقسام و نظیر کو جمع کرنا مقصود نہیں بلکہ تحقیق کا دائرہ کار اس حد تک محدود رکھا گیا ہے جس میں توہم پرستی کے تعارف وارتقاء کو پیش کرنے کے ساتھ مشہور مذاہب میں رائج توہم پرستی و شرکیہ عقائد مبنی بر توہم پرستی کو بطور تمثیل کے اس طرح پیش کیا جائے گا جس سے معلوم ہو سکے کہ شرکیہ عقائد و نظریات کی ابتدا میں توہم پرستی کس حد تک کارفرما رہی ہے۔ اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ توہم پرستی انسانی مسئلہ ہے اس لیے مذہب کا کردار اس میں بہت اہم رہا ہے۔ اور انسانی معاشرے میں توہم پرستی کے اسباب واثرات کو زیرِ بحث لاتے ہوئے قرآن وسنت سے اس کا علاج و تدارک تجویز کیا گیا ہے تاکہ انسان معاشرتی طور پر ایسے رسوم ورواج سے بچ سکے جو انسانی فطرت کو متاثر کرتے ہوئے توہم پرستی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

تحقیق کے بنیادی سوالات

تحقیق کے متعلق سوالات کو درج ذیل نکات میں دیکھا جا سکتا ہے:

---

(۱) النساء۴:۱۱۶

۱. توہمات کی حقیقت کیا ہے؟ نیز سابقہ مذاہب میں توہم پرستی کی کونسی شکلیں اور صورتیں رہی ہیں؟
۲. توہم پرستی میں کونسے مذہبی، نفسیاتی، معاشرتی عوامل اور اسباب کارفرما رہے ہیں؟ نیز توہم پرستی نے مذاہب کے ماننے والوں پر کیا اثرات مرتب کیے ہیں؟
۳. قرآن وحدیث کی روشنی میں مذہبی، نفسیاتی، اور معاشرتی سطح پر توہم پرستی کے بارے میں کیا ہدایات اور تعلیمات فراہم کی گئی ہیں؟

اہداف و مقاصدِ تحقیق

زیر نظر تحقیق کے اہداف و مقاصد درج ذیل ہوں گے۔ نیز نئے مفروضات کو قائم کرتے ہوئے ان پر بحث کی جائے گی۔

۱. اسلامی تعلیمات کی روشنی میں توہم پرستی کے مکمل مفہوم کو واضح کرنا اور تمام جہات کو زیر بحث لاتے ہوئے، توہم پرستی کے بارے میں افراط و تفریط ختم کر کے اسلامی منہج اعتدال کو واضح کرنا۔
۲. انسانی معاشرہ کی تاریخ اور اس کا جائزہ لینے کے لیے بنیادی طور پر ہمارے پاس دو ذرائع موجود ہیں۔ اول عصر حاضر کے مذاہب اور بشریات کا علم (Anthropology)۔ لہذا بشریات اور مشہور مذاہب کا تعارف و تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ مذہب کی بنیادی تاریخ کے ساتھ ساتھ ان کے مذہبی رجحانات اور شعور کی تبدیلی کے مقاصد کو معلوم کیا جاسکے۔
۳. معاشروں کی اقسام اور ان کے مختلف ادوار کا جائزہ لیتے ہوئے، سامی اور غیر سامی مذاہب، نیز عہد جاہلیت اور عصر حاضر کے معاشروں میں رائج توہمات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ ان توہمات کے رائج ہونے کی وجوہات پر بھی روشنی ڈالی جائے۔
۴. معاشرتی رسوم ورواج مروجہ عقائد کے زیر اثر پنپتے ہیں، لہذا معاشرے پر اس کے اثرات سب سے پہلے توہمانہ رسومات کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور یہی توہمانہ رسومات آہستہ آہستہ عقائد، اخلاق اور اعمال کو متاثر کرتے ہیں۔ لہذا توہمانہ رسوم ورواج کا جامع جائزہ پیش کرنا۔
۵. خطر و اوہام کا تعلق براہ راست انسانی نفسیات سے ہے، انسانی نفسیات کی روشنی میں توہم پرستی کے عوامل و اسباب کا جائزہ پیش کرنا۔

۶. مذہبی، سماجی اور انسانی نفسیاتی سطح پر توہم پرستی کے علاج و تدارک کا جائزہ پیش کرنا۔

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ

توہم پرستی کے حوالے سے انسانی معاشرہ کو بنیاد بنا کر بہت کم تحقیق کی گئی ہے۔ تفسیر کی کتابوں اور احادیث کی شروحات میں موضوع ہذا پر مختلف مواقع پر نہایت مختصر کلام کیا ہے اور اسی طرح عقائد و علم کلام کی کتابوں میں علماء نے ضمناً اس امر کی طرف نشاندہی کی ہے۔ اور مختلف انسائیکلوپیڈیا میں مذہب کو بیان کرتے ہوئے توہمات کا تعارف تو موجود ہے۔ لیکن مستقلاً اس موضوع پر مذہبی سماجی پہلوؤں کو زیر بحث بناتے ہوئے کوئی ایسا کام نہیں کیا گیا جو انسانی معاشرے میں توہم پرستی کے اسباب، اثرات اور تدارک کا علمی و تحقیقی جائزہ پیش کر سکے۔

البتہ جامعہ پنجاب، لاہور کے شعبہ علوم اسلامیہ کی ایک طالبہ نے ماسٹر ڈگری کے لیے لکھا گیا مقالہ "پاکستانی معاشرے میں مروج توہمات اور اسلام" میں صرف پاکستانی معاشرے کے حوالے سے توہمات کو جمع کرتے ہوئے پاکستانی معاشرے میں موجود توہمات کا اسلام سے موازنہ کیا ہے۔

اس موضوع پر اہل علم نے جو مختصر آرٹیکل لکھے وہ درج ذیل ہیں۔

التطیرمفهومه وآثاره و سبل علاجه، أ د. جابر زاید عیدالسمیری و أ. عبیر سلیمان محسن، .pdf

خطر التطير والتشاؤم محمد بن عبد العزيز الخضيري،pdf

ان آرٹیکلز میں تطیر تشاؤم اور فال کے مفہوم پر مختصر بحث کرتے ہوئے صرف ان کا حکم بیان کیا گیا ہے اس میں بھی نہایت اختصار سے کام کیا گیا ہے۔

توہم پرستی کے انسانی مسئلہ کی ضرورت واہمیت کے پیش سابقہ تحقیقی مقالہ جات میں انسانی معاشرہ کے زیر اثر سامی مذاہب، یہودیت وعیسائیت اور غیر سامی مذاہب، ہندومت اور بدھ مت پر اس حوالے سے تحقیق نہیں کی گئی۔ اور سامی اور غیر سامی مذاہب میں موجود توہم پرستی اور کے اسباب واثرات پر موضوع بحث نہیں بنایا گیا اور نہ ہی توہم پرستی کے طریقہ علاج و تدارک پر روشنی ڈالی گئی ہے لہذا توہم پرستی کے معاشرتی مسئلہ کی ضرورت و اہمیت اس بات کی متقاضی ہے کہ موضوع ہذا پر فکری و سماجی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے جامع علمی و تحقیقی بحث کی جائے۔

اسلوبِ تحقیق

- مقالہ ہذا کا اسلوبِ تحقیق، بیانیہ اور تجزیاتی ہے جس کے لیے درج ذیل ٹولز کو اختیار کیا گیا ہے:
- مقالہ کو چار ابواب میں پیش کیا گیا ہے اور ہر باب کی تین ذیلی فصول بھی بنائی گئی ہیں اور ہر فصل کے تحت دو مباحث مذکور ہیں۔

- موضوع کے متعلق مطبوعہ و غیر مطبوعہ مواد سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- دورِ جدید کی سہولیات (مثلاً انٹرنیٹ) اور انسائیکلوپیڈیا، آڈیو ویڈیو مواد سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
- اہل علم، ماہرین مذاہب ادیان سے بالمشافہ ملاقات یا بذریعہ سوال وجواب استفادہ کیا گیا ہے۔
- اس کے علاوہ انٹرویوز، فوکس گروپ ڈسکشن سے بھی استفادہ کیا ہے۔
- قرآنی آیات کو اعراب اور ترجمے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے نیز حوالہ دیتے وقت سورت کا نام، نمبر اور آیت کا نمبر ذکر کیا گیا ہے۔ اور قرآنی آیات کو مطلوبہ ﴿﴾ قوسین دے کر نمایاں کیا گیا ہے۔
- احادیث نبویہ کو اعراب اور ترجمے کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے مخصوص « » قوسین دی گئی ہیں۔
- صحیحین کی احادیث کو ذکر کرتے ہوئے، حدیث پر حکم کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔
- حدیث اگر صحیحین کے علاوہ کسی اور کتاب سے لی گئی ہے تو اس پر حکم حاشیہ میں ذکر کیا گیا ہے۔
- مصطلحات کے تعین و تشریح کے لیئے متداول کتب اللغات کی سند کو استعمال کیا گیا ہے۔
- تحقیقی موضوع میں پوری کوشش کے ساتھ اصل ماخذ و مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے اور انہی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جہاں ضروری ہوا، وہاں تشریح و توضیح کے لیے ثانوی مصادر و مراجع سے بھی استفادہ کیا گیا۔
- جب کسی کتاب یا مصدر سے بعنیہ الفاظ لیے گئے ہیں تو اسے " " میں لکھا گیا ہے۔ اور اگر کتاب یا مصدر سے لی گئی عبارت میں ترمیم واضافہ یا پھر خلاصہ بیان کیا گیا ہے تو اس کا حوالہ بغیر " " کے ذکر کیا گیا ہے۔
- ایک ہی صفحہ same حوالہ آنے پر وہاں حوالہ ایضاً لکھا گیا ہے۔
- صحابہ کرام کی شخصیات کے تعارف میں غیر ضروری طوالت سے بچتے ہوئے صرف غیر معروف صحابہ کا ذکر کیا گیا ہے۔
- تمام ضروری معلومات حوالہ جات کے طور پر حواشی میں دی گئی ہیں۔
- مقالہ کی عبارت آسان فہم، بامحاورہ اُردو میں ہے جبکہ عناوین اور اصطلاحات کی بریکٹس میں انگریزی بھی لکھی گئی ہے۔
- مقالہ کے آخر میں نتائج تحقیق وسفارشات، فہرست آیات واحادیث، فہرست کتابیات، فہرست شخصیات درج کی گئی ہیں۔

مشکلات

موضوع کے انتخاب اور جمع مواد سے لیکر تکمیل کے مراحل تک مجھے کئی قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

ا. موضوع ہذا پر براہ راست قرآن و حدیث اور اس کی تفاسیر و شروحات وغیرہ میں توہم پرستی کے عنوان پر یکجا معلومات موجود نہیں کی گئی ہیں۔ اس لیے آیات واحادیث میں براہ راست غور وفکر کے بعد اسباب واثرات کو اخذ کیا گیا جس میں کافی غور وخوض اور وقت درکار تھا۔

۲. اسی طرح موضوع ہذا پر کتابی یا تحقیقی شکل میں مستقلا علمی مواد موجود نہیں تھا۔ مختلف موضوعات میں غور وفکر سے ہی مطلوبہ نتائج کو اخذ کیا گیا۔

۳. سامی مذاہب اور غیر سامی مذاہب کے عقائد کا مطالعہ پھر ان میں سے توہمات پر مبنی رسومات وعقائد کو اخذ کرنا، تحقیق کے لیے بالکل نیا امر تھا۔

۴. مذاہب کے سلسلے میں خاص طور پر عیسائیت اور بدھ مت جو مذہبی فلسفہ کی پیچیدگی کے باعث موضوع ہذا کو ان کی کتب اصلیہ سے سمجھنا انتہائی کٹھن مرحلہ تھا۔

۵. اسی طرح نفسیات اور خاص طور پر قرآنی اور احادیث سے ماخوذ نفسیات کے تحت اسباب، اثرات اور علاج کو معلوم کرنا نیز اس کے حصول کے لیے ان مسائل میں فنی ماہرین سے بھی رابطہ کرنا پڑا۔

۶. موجودہ لائبریریوں میں مذاہب کی کتابوں کی عدم دستیابی، کچھ کتابوں کے صرف انگریزی تراجم دستیاب تھے اس کے لیے انٹرنیٹ پر موجود لائبریری سے استفادہ بھی مشکل امر تھا۔

انسان ناقص علم و تحقیق کا حامل ہے بحث میں حتی المقدور کوشش کی گئی ہے کہ تحقیق کے بنیادی مسئلہ کو سامنے رکھتے ہوئے اہداف و مقاصد حاصل کئے جائے تاکہ ایسے نتائج و سفارشات تک رسائی ممکن ہو جو انسانی معاشرے کی اصلاح و تربیت کے لیے رہنمائی فراہم کرسکیں۔ انسانی کاوش نقص سے خالی نہیں ہوتی، تحقیق ہذا میں جو مثبت نتائج اور کامیابی حاصل ہوئی ہو اسے اللہ تعالیٰ کی کامل ذات کی طرف منسوب کرتا ہوں اور جو نقائص وعیوب ہوں اسے اپنی طرف۔

ما كان فيه من صواب فمن الله وحده وما كان فيه من خطأ فمني ومن الشيطان الرجيم.

باب اول

معاشرہ اور توہمات

(Society and Superstitions)

فصل اول: معاشرہ (Society)

مبحث اول: معاشرہ کی تعریف اور عمرانیات کی ابتدا

مبحث ثانی: مذہبی معاشرہ اور معاشرتی ادوار

فصل اول: معاشرہ (Society)

توہم پرستی انسانی اور معاشرتی قَضِیّہ ہے تقریباً ہر معاشرہ توہم پرستی کے امکان سے خالی نہیں۔ چنانچہ توہم پرستی سے قبل معاشرہ کو سمجھنا نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ وہ کون سے معاشرتی عوامل و محرکات ہیں جو حیاتِ انسانی و نفسیات پر مؤثر ہوتے ہیں، ہر قوم وعلاقے کے اپنے مسائل و مقاصد ہوتے ہیں لیکن اس کے ساتھ کچھ افکار و نظریات انسانی زندگی میں مشترکہ سطح پر پائے جاتے ہیں جو معاشرے کے اساسی عناصر تسلیم کیے جاتے ہیں۔

معاشریات اور بشریات (Society) کے باحثین کو عموماً اس علم کی جامع ومانع (Inclusive + Exclusive) تعریف کرنے میں مشکل پیش آتی ہے، یہ تمام رسمی تعریف (Superfluous Definition) سے اس لیے مختلف ہے کہ جامع مانع، تعریف جنس (Genera) اور فصل (Deferritic) سے بنتی ہے اور دونوں چیزیں معرّف (one defined) کی ماہیت پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اس مشکل کا بنیادی سبب ان علوم کا دیگر انسانی علوم کے ساتھ تعلق ہے۔

معاشرے (Society) کی وہ تعریف جو قانون دان کے نزدیک معتبر ہوتی ہے وہ نفسیات کے ماہرین کے لیے قابل اعتماد نہیں، اسی طرح علم معاشیات میں معاشرے کا مفہوم مختلف اساسیات پر قائم ہے جبکہ ادیان کے شعبے میں معاشرے کی تعریف ان سب سے الگ ہے اور اب عصر حاضر میں مذہبی معاشریات (Sociology of Religion) باقاعدہ ایک مستقل پہچان بنا چکا ہے اور تحقیق کا موضوع ہے حالانکہ اس سے پہلے معاشریات (Sociology) کو صرف نفسیاتی، قانونی، ثقافتی اور اقتصادی زاویوں سے پڑھا جاتا تھا اور مذہب کو اس میں بنیادی کردار نہ دینے پر اصرار کیا جاتا تھا، لیکن یہ تصور چونکہ غیر واقعی تھا اس لیے زیادہ دیر مذہب کو علم معاشریات سے دور نہ رکھا جاسکا۔[۱]

یورپ کا ترقی یافتہ معاشرہ ہو یا پھر افریقہ کا پسماندہ ان تمام میں کچھ قدریں مشترک ہوتی ہیں۔ بعینہ ایک معاشرہ دوسرے پر اثر انداز ہوتا ہے یا تصادم کے نتیجے میں مختلف افکار کی تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔ فلسفہ، نفسیات، سیاسیات اور اقتصادی نظام علم معاشریات پر گہرا اثر ورسوخ رکھتے ہیں۔ یہی تمام عوامل معاشرتی توہمات میں بھی موثر ہوتے ہیں۔ مذہب، شریعت اور قانون کسی بھی سیاسی معاشرے کی اساس ہیں۔ انہی اساسیات کو سمجھ لینے سے توہمات جیسے امراض کی روک تھام ممکن بنائی جاسکتی ہے۔

---

(۱) الصیاغة الاسلامیه لعلم الإجتماع، د/منصور زوید المطیری، طبعة ۱٤۱۳ھ، سلسلة کتاب الأمة، ص:٤۳

مبحث اول: معاشرہ کی تعریف اور عمرانیات کی ابتدا

(Defination of Society & Origin of Sociology)

علامہ فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ[۱] کہتے ہیں: معاشرہ عربی لغت میں (ع ش ر) سے ماخوذ ہے۔

"عاشَرَہ مُعَاشَرَةً، وتَعَاشَرُوا ... تَخالَطُوا"[۲] جس کا معنی باہم مل جل کر رہنا ہے۔

اصطلاحاً سہل ترین معاشرہ کی تعریف یہ ہے:

"بنی نوع انسان کی ایک بڑی تعداد جس کے افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ رہنے سہنے، فلاح وبقا اور حصول ترقی کے لیے ایک ماحول کے اندر سابقہ پڑتا ہے معاشرہ کہلاتا ہے۔"[۳]

دور جدید میں معاشرہ کے علم کو سوشیالوجی سے موسوم کیا جاتا ہے، سوشیالوجی کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔

"Sociology is the systematic study of human behavior occurring in a social context. Two major influences are acknowledged to affect human social behavior: cultural factors such as values and norms and structural factors such as the economic and political structures of society. Sociologists generally study human behavior in complex rather than small-scale societies."[۴]

ترجمہ: سوشیالوجی انسانی رویوں کا معاشرتی تناظر میں منظم مطالعہ کا نام ہے انسانی معاشرتی زندگی پر دو اہم اثرات مسلمہ ہیں۔ پہلا: ثقافتی عوامل، جیسے اقدار اور معیار۔ دوسرا: ترکیبی عوامل، جیسے معاشرے کے معاشی، سیاسی ڈھانچے۔ سوشیالوجی میں عام طور پر چھوٹے معاشروں کی بجائے پیچیدہ انسانی طرز عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

---

(۱) الفیروز آبادی، محمد بن یعقوب بن محمد، أبو طاهر، مجد الدین الشیرازي (۷۲۹ھ-۸۱۷ھ) عربی ادب، لغت، تفسیر اور حدیث میں بلند مقام رکھتے تھے آپ کثیر التصانیف ہیں اور لغت میں امام کا درجہ حاصل ہے۔ حصول علم کے لیے عراق، مصر، شام، ہند اور روم کا سفر کیا۔ (ترجمۃ المؤلف، مقدمہ: القاموس المحیط)

(۲) القاموس المحیط، أبو طاهر مجد الدین الفیروز آبادی، مکتب تحقیق التراث في مؤسسة الرسالة، بیروت لبنان، طبعة ١٤٢٦هـ، ١/٤٤٠

(۳) اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۶۲ء، ص: ۱۲۰۹

(۴) SOCIOLOGY: ENCYCLOPEDIA OF ANTHROPOLOGY, Sage Publications Ltd. London, pg# ۲۱۱۳

معاشرے کا قدیم تخیل

معاشرے کی قدیم تعریف جو یونانی فلسفہ (Greek Philosophy) میں دستیاب ہے یہ تعریف ارسطو[۱] (Aristotle) کی ہے۔ اس کے نزدیک معاشرہ ایک ایسے سیاسی اجتماع کا نام ہے جو قوانین کے تابع ہوتا ہے۔ "مجموعة سياسية تخضع للقوانين".[۲]

ترجمہ: سیاسی بنیاد پر بنا ہوا مجموعۃ (اجتماع) جو قوانین کے تابع ہو۔

اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ارسطو نے ریاست اور معاشرے کے درمیان فرق نہیں کیا، کیونکہ ارسطو کے ہاں ریاست ایسے شہری سیاسی اجتماع سے عبارت ہے جس کے ارکان تمام افراد ہوتے ہیں نیز وہ ریاست کے قوانین پر عمل کرتے اور اس کے اصول و قواعد کی پابندی کرتے۔ ارسطو شہری معاشرے میں یکسانی مرتبے (Equality) اور حریتِ فکر ورائے (Freedom of opinion) کا داعی ہے سیاسی مشارکت واستحقاق صرف مخصوص گروہ کو حاصل ہوتا ہے۔

"معاشرہ افراد کے ایسے گروہ کو کہتے ہیں جو مشترکہ روابط کی بنا پر باہم بنیادی ضروریاتِ زندگی کے ساتھ وابستہ ہوں۔"[۳]

ارسطو کے نزدیک انسان سوشل جانور کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ انسان کو اجتماعی خلقت کی وجہ سے معاشرے کا پابند کرتا ہے۔ انسان نہ صرف اپنے معاشرتی تقاضوں کی آسودگی کی خاطر بلکہ اس کے طبعی تقاضوں کی آسودگی بھی دوسروں کے اشتراک عمل اور اشتراک تعاون کی مرہون منت ہے انسان سماج سے ہٹ کر اپنی زندگی نہیں گزار سکتا۔ سماج کی ابتدائی شکل ایک گروہ کی سی تھی جیسے جیسے گروہ میں افراد کی تعداد زیادہ ہوتی گئی وہ قبیلے خاندان، گاؤں اور شہر کی شکلوں میں اپنے سماج کو متعارف کراتے گئے۔ افکار ارسطو کے مطابق انسانی معاشرہ پہلے پہل خاندان کی شکل میں نظر آیا اور جب کئی کُنبے اکھٹے ہو گئے تو بستی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں حاصل یہ ہوا کہ معاشرہ ایسا گروہی تصور رکھتا ہے جو اپنی خواہشات وضروریات میں خود کفیل ہو اور باہمی میل ملاپ کے ساتھ رہتا ہو اور اتفاق واتحاد اور باہمی اشتراک کے قوانین ان ہاں تشکیل پاتے ہوں۔

---

(۱) ارسطو ۳۸۴ق م میں تھریس کی ریاست سنگیر کے مقام پر پیدا ہوا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ارسطو ایتھنز آیا اور افلاطون کی شاگردی اختیار کر لی۔ مابعد الطبیعات، اخلاقیات، سیاست پر کتابیں لکھیں، ارسطو کا اہم کارنامہ نظریہ قیاس ہے۔ دیگر کتابوں میں "روح کے بارے میں" (DE Anima) سیاسیات، مقولات (The Catagories) شامل ہیں۔ (فلسفہ مغرب کی تاریخ، برٹرینڈ رسل، مترجم: پروفیسر محمد بشیر، پورب اکادمی ۲۰۱۰ء اسلام آباد، ص: ۲۱۲-۲۵۶)

(۲) المفاهيم الأساسية فى علم الإجتماع، د/خليل احمد خليل، دارالحمامة بيروت، طبعة ۱۹۸۴ء، ص:۱۶۷

(۳) المدخل إلى علم الاجتماع، د/محمد الجوهرى، دارالعلم للملايين بيروت، طبعة ۲۰۰۷ء، ص:۷۸

معاشرہ کا جدید تخیل:

معاہدہ عمرانی کے مفکرین کا کہنا ہے کہ معاشرہ دراصل ایک سماجی معاہدہ کی پیداوار ہے۔ مشہور برطانوی فلاسفر اور جدید سیاسی فلسفہ کا بانی تھامس ھابز[۱] (Thomas Hobbes) نے ۱۶۸۱ء میں اپنی کتاب میں انسانیت کی آفرینش وتمدن پر تحقیق کی ہے جس کا خلاصہ یہاں ذکر کیا ہے:

انسانیت کی ابتدائی زندگی کو وحشیانہ زندگی کہا جاسکتا ہے کیونکہ وہ جانوروں کی سی زندگی بسر کرتا تھا صرف اپنے بارے میں سوچتا معاشرہ انسانیت اور خاندان کے بارے میں اس کا تصور خودغرضانہ تھا۔ محض خلقی خواہشات کی تکمیل کی خاطر آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے زندگی گزارنے کا کوئی اصول و قانون نہیں تھا۔ کمزوروں کے لیے طاقتور ہمیشہ خطرہ کی لیاقت رکھتا تھا۔ نظمِ اجتماعیت کا فقدان تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ انسان نے اجتماعی زندگی اور پرسکون معاشرہ کے وجود کے لیے لوگوں نے آپس میں معاہدہ کرنا شروع کیے اور آہستہ آہستہ ان معاہدات کے نتیجے میں معاشرہ اور ریاستیں وجود میں آتی چلی گئی۔[۲]

معاشرہ کا واضح تخیل(Clear Concept of Society)

معاشرہ در اصل انسان کے آپسی تعلقات اور اعمال کے ایک دوسرے پر مرتب ہونے کا نتیجہ ہے انسانی فطرت معاشرے کی اساس ہے جس پر معاشرہ استوار ہوتا ہے۔ انسان تنِ تنہارہ کر بغیر کسی شخصی سہارے کے زندگی کو متصور نہیں کرسکتا تھا یوں اپنے معاشرتی جذبات، احساسات اور انسانی خِلقت کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے مل جل کر رہنا پڑتا۔ چنانچہ انسان نے ضروری سمجھا کہ اس کی خواہشات وضروریات باہمی تعاون سے ہی پوری ہوسکتی ہیں۔ اس اشتراکِ عمل سے جو طبقہ وجود میں آیا جس میں مکمل ضابطہ حیات کی تشکیل کی صلاحیت موجود رہی وہ معاشرہ کہلایا۔

امریکی ماہر عمرانیات مارین لیوی (Marion J. Levy) جو اپنی ماڈرنائزیشن تھیوری کے باعث مشہور ہے۔ اس نے معاشرے کی تشکیل میں چار خصوصیات کو اہم سمجھا ہے اور ان خصوصیات سے مزین ماحول کو معاشرہ کہا جاتا ہے۔ پہلی خصوصیت: معاشرہ ایک ایسا گروہ ہے جو فرد کی زندگی کے احاطہ سے زیادہ طویل تک برقرار رہنے کے لیے ضرور اہلیت رکھتا

---

(۱) تھامس Hobbes (۱۵۸۸ء-۱۶۷۹ء) انگلینڈ میں اہم سیاسی فلسفیوں میں سے ایک تھا، اپنی کتاب Leviathan جو کہ جدید سیاسی فلسفہ کے موضوع پر مشتمل تھی۔ یہ کتاب ۱۶۵۱ میں لکھی گئی اور اس نے سیاسی فلسفہ میں سماجی معاہدے کے نظریات کی بنیاد بنائی. Hobbes کے نقطہ نظریہ کے مطابق، ہمارا دماغ ایک جسمانی مشین ہے، جو انسانوں کے نفسیاتی طول وعرض جسمانی قوانین کی طرح عمل کرتا ہے۔(Thomas Hobbes : Encyclopedia Britannica Concise,۲۰۰۶ pg# ۸۸۱)

(۲) Leviathan by Thomas Hobbes, England, ۱۹۶۸, pg# ۱۳۶-۱۳۸

ہو۔ دوسری خصوصیت: یہ کہ معاشرہ جنسی تعلق کے ذریعے ایک گروہ اپنے نئے ممبران کو ضرور بھرتی کرتا تیسری خصوصیت: یہ ہے کہ ایسا گروہ جو عموی مقاصد واشتراک عمل میں ضرور ہو۔ اور چوتھی خصوصیت: یہ ہے کہ ایک ایسا گروہ جو عمل کے نظام میں خود کفیل ہے۔[1]

رابرٹ میکسور [2] Robert MacIver(۱۸۸۲-۱۹۷۰) امریکی ماہر سماجیات سوسائٹی کے عناصر (The Structure of Society) کی خصوصیات کا ذکر یوں کرتا ہے۔

معاشرہ مخصوص امتیازات، قوانین اور اصولوں سے عبارت ہوتا ہے۔ اس میں نظم حکومت اور باہمی تعاون کا عنصر بھی موجود ہوتا ہے اور متنوع انسانوں سے نسلی وثقافتی اختلافات کا مظہر اور آزادی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔[3]

یعنی معاشرہ انسانوں کے آپس کے تعلقات کے نتیجے وضع ہونے والے قوانین واصول کا نام ہے چاہے وہ تعلقات براہ راست ہوں یا بالواسطہ، منظم ہوں یا غیر منظم، شعوری ہوں یا غیر شعوری۔

جمال مجدی حسنین [4] نے معاشرہ کی رائج تعریف یوں ذکر کی ہے:

معاشرہ کی اساس تین ستونوں پر قائم ہوتی ہے۔ جغرافیائی وحدت، اقتصادی پہیہ اور ثقافتی کردار، انہی تصور پر مبنی معاشرہ کی توضیح یوں بیان کرتے ہیں:

"المجتمع ما هو إلاّ بناء نشأ من تفاعل مجموعة معينة من الأفراد والجماعات فی مکان جغرافی محدد يستخدمون موارده لسدّ احتياجاتهم المادية والروحية".[5]

---

(۱) Levy, Marion J. The Structure of Society. New Haven, Conn Yale University Press,۱۹۵۲, pg#۱۲-۱۴

(۲) Robert Maciver/ MacIver رابرٹ میکسور (۱۸۸۲ء-۱۹۷۰ء) امریکی ماہر سیاسیات، سوشیالوجسٹ، اور جدید دور کا مشہور فلسفی، کتابوں میں شامل ہیں: A Sociological Study, The Modern State

Robert MacIver : Encyclopedia Britannica Concise,۲۰۰۶ pg#۱۱۶۰

(۳) The elements of social science, by Robert MacIver, London, Methuen & co.ltd, pg # ۸۰-۱۰۱

(۴) جمال مجدی حسنین، دورِ جدید کے مشہور مصری عالم ہیں ان کے علم الاجتماع اور علم البشریات پر کئی مقالے شائع ہو چکے ہیں۔[مقالہ نگار]

(۵) دراسات اجتماعية، جمال مجدی حسنين، دارالمعرفة، طبعة ۱۹۸۶ء، ص:۱۸۷

ترجمہ: معاشرہ ایک ایسا ڈھانچہ ہوتا ہے جو ایک مخصوص جغرافیے کے اندر ہونے والے افراد اور گروہوں کے آپسی میل جول سے جنم لیتا ہے اس میں مادی، روحانی ضروریات کی تکمیل کا سامان میّسر ہوتا ہے۔

معاشرے کی تعریفی وضاحت کا ماحاصل ہے کہ:

معاشرہ لوگوں کے ایک ساتھ رہنے کا نام ہے جو اتنے عرصے تک ساتھ رہے ہوں اور ان میں ایک قومی کیمونٹی وغیرہ کے اعتبار سے نظم پیدا ہو جائے اور وہ خود کو ایک خاص اجتماعی وحدت گردانتے لگیں، ایسی وحدت کہ جس کی الگ پہچان ہو اور اس میں کسی حد تک مستقل بالذات ہونے کا احساس پایا جائے۔

معاشرے کی تعریفات میں تنوع کا سبب علم معاشریات (Sociology) کا دیگر معاشرتی علوم (Social Sciences) کے ساتھ تعلق ہے۔اس نکتہ کو سمجھانے کے لیے تمثیل سے مدد لینا کارگر ہو گا۔ علم معاشریات کی مثال ادب (Literature) کی ہے جس طرح آج ادب میں سیاست، نفسیات، تاریخ، ثقافت اور اقتصادیات وغیرہ تک کے شعبے داخل ہو گئے ہیں اور ادب کو ان علوم و شعبوں سے دور نہیں رکھا جا سکتا علاوہ ازیں ہر ادبی کام ان علوم کے ساتھ بیک وقت ایک جیسا تعامل بھی نہیں کرتا۔ یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی ادبی فن پارہ سیاست، نفسیات اور ثقافت وغیرہ کو برابر مقام عطا کرتے ہوئے سب کو اپنے دائرے میں جگہ دے بلکہ یوں کبھی ادب میں سیاست کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے اور کبھی تاریخ کا اور بعض اوقات ثقافت یا اقتصادیات وغیرہ کو زیادہ زیر بحث لایا جاتا ہے، یہی حال علم معاشریات کا بھی ہے کہ یہ علم دیگر انسانی علوم (Social Sciences) کی مدد سے معاشرے کے مسائل پر کلام کرتا ہے، چونکہ علم معاشریات کے دیگر Social Sciences کے ساتھ تعلق کی نوعیت بھی وہی ہے جو ادب کی دیگر علوم و فنون کے ساتھ۔ جس طرح ادب کی مخصوص متفق علیہ تعریف ممکن نہیں بعنیہ معاشرے اور علم معاشریات کی مخصوص اور لگی بندھی تعریف ممکن نہیں ہاں ایسی صورت حال میں مختلف تعریفوں کا لب لُباب ایک ہوتا ہے۔ کیا خوب کہا ایک شاعر نے۔

عباراتنا شتی و حسنك واحد　　　　و كل إلىٰ ذاك الجمال يشير

ہماری باتیں متنوع و متعدد ہیں جبکہ آپ کا حسن ممدوح ایک ہی ہے، یہ سب اس جمال کی حد کو بیان کرتا ہے۔

اگر علم معاشریات بذاتہ ایک مستقل علم کی حیثیت رکھتا تو اس کی تعریف میں اختلاف نہ ہوتا، یہ اپنی حیثیت میں دیگر علوم کا محتاج ہوتا ہے اس لیے ہر شعبے کا ماہر اپنی زاویہ نظر سے اس کی تشریح کرتا ہے۔

تعریف کے اختلاف کو بطرز دیگر بھی واضح کیا جا سکتا ہے کہ قانون دان اور ماہر نفسیات اگر صالح انسانی معاشرے کو اجاگر کرے تو ایک قانون دان کی نظر میں معاشرہ کی تعریف یہ ہے:

"المجتمع هو كل تألف بين شخصين أو اكثر يربط بينهما اتفاق أو عقد شفوى أو كتابى وقد يكون مضمراً أو معلناً وتترتب عليه مسؤوليات متبادلة بين الأطراف المشتركة".[1]

ترجمہ: ہر وہ تعلق اور اجتماع جو دو شخصوں کے مابین ہو یا دو سے زیادہ کے مابین، اس تعلق میں زبانی یا مکتوب عقد شامل حال ہوتا ہے جو کہ کبھی اعلانیہ ہوتا ہے اور کبھی غیر اعلانیہ اور اس کی بنیاد پر ہر دو اطراف پر مشترکہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اس طرح کے اجتماع و تعلق کو معاشرہ کا نام دیا جاتا ہے۔

جبکہ ایک ماہر نفسیات صالح انسانی معاشرے کو اپنے نکتہ نظر یوں پیش کرے گا:

"المجتمع مجموعة من العادات والتقاليد والعتيم المؤثرة فى السلوك الإنسانى و تعدّ عنصراً أساسياً من عناصر البيئة المحيطة بالفرد، و تحفزه إلى ممارسة استجابات سلوكية تختلف باختلاف خصائص الأفراد وسماتهم و طبائعهم".[2]

ترجمہ: معاشرہ سلوک انسانی میں موجود ان عادات و اطوار اور اعلیٰ اقدار کا مجموعہ ہوتا ہے جو اس ماحول میں بنیادی عناصر کی اہمیت رکھتے ہیں اور لوگوں کو ایسے کردار ادا کرنے پر ابھارتے ہیں جو ہر شخص کے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے الگ ہوتے ہیں۔

یورپ میں قانونی ریاست کے لیے راہ ہموار کرنے والا شخص جان لاک (john locke)[3] سمجھا جاتا ہے اس نے یہ خیال پیش کیا تھا کہ انسان میں اپنی جان، آزادی اور مال کی حفاظت کرنے کے صلاحیت موجود ہوتی ہے اور ساتھ ہی وہ دوسروں کو تکلیف دینے پر بھی قدرت رکھتا ہے اس لیے ایک ایسے سیاسی معاشرے کے قیام کی ضرورت ہے جو طاقت اور تنقیدی صلاحیت کا حامل ہو تاکہ بدامنی سے بچا جا سکے اور کسی بھی نزاع کے وقوع کی صورت میں اسے حل کیا جا سکے۔[4]

---

(١) المفاهيم الأساسية فى علم الإجتماع، ص:١٩

(٢) ایضا، ص:٢٢

(٣) Locke,John (١٦٣٢-١٧٠٤) ماہر فزکس اور فلسفی تھا اور اپنے جدید نظریات کے سبب رومن کیتھولک کی بالادستی کی بجائے آئین و قانون کا حامی تھا ان نظریات کے سبب انگلستان سے جلاوطن بھی ہوا پھر پروٹسٹنٹ کے انقلاب کے بعد دوبارہ وطن واپس آیا۔ Locke,John: Encyclopedia Britannica Concise,٢٠٠٦ pg#١١٢٨

(٤) الوطن العربى والمجتمع المدنى، حامد خليل، مركز الدراسات و البحوث الاستراتيجية،جامعة دمشق، العددالأول، طبعة ٢٠٠٠ء، ص:١٢

انتزاعی نتائج:(Derived results)

ماہرین سماجیات کی ان تعریفی خصوصیات سے درج ذیل نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں جو معاشرے کے فطری عمل کے زمرے میں آتے ہیں۔

اشتراک(Participation)

معاشرہ صرف افراد کے چھوٹے سے گروہ یا ان کے (اجتماعی) اکٹھے رہنے سے نہیں تشکیل پاتا بلکہ اس کا مفہوم نہایت وسیع ہے، قواعد و قوانین کے آپس کے تعلقات اور بعض امور کی انجام دہی میں افراد کا اشتراک بھی اجتماع میں موجود ہونا ناگزیر ہے۔

التزام(Commitment)

معاشرے میں جو قوانین وضع کئے جاتے ہیں ان کی پاسداری کرنا معاشرہ کے ہر فرد کے لیے لازم ہے تاکہ ترقی کو ممکن بنایا جاسکے۔

تغیر(Continuous change)

معاشرہ کبھی جامد نہیں ہوتا، اس میں تغیر اور تبدیلی کے علاوہ کوئی شے حتمی نہیں ہوتی، انسانی تاریخ بھی اس پر گواہ ہے کہ معاشرے ایک مقام پر جامد نہیں رہتے۔ رسم و رواج سے لے کر قوانین اور اداروں کی تشکیل تک ہر شعبہ تبدیلی کا شکار ہوا ہے۔ تبدیلی اگرچہ سست رفتاری سے ہو، تغیر کا تسلسل معاشروں کو نئے ادوار سے روشناس کراتا ہے۔ تبدیلی کا عمل اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ اس سے ادیان بھی متاثر ہوتے ہیں اسی وجہ سے یہودیت اور عیسائیت وقت کے ساتھ ساتھ اپنی حقیقی شکل سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ان میں اصلی حالت اور جزئیت محرف ہو چکی ہے۔ مذہب اسلام کے مصادر اگرچہ اپنی اصل حالت میں محفوظ ہیں کیونکہ اس کا سرچشمہ قرآن ہے جس کے محفوظ ہونے کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ لیکن عملاً مسلمانوں میں بھی دین اسلام کی تعبیر و تشریح میں تبدیلیاں ضرور رونما ہوئی ہیں۔

ارتباط(coordination)

معاشرے کے تمام اجزاء و عناصر کا باہمی مضبوط ربط ہوتا ہے جو باہم اثر انداز ہوتے ہیں۔

ٹکراؤ(Conflict)

ٹکراؤ معاشرے کا لازمی عنصر ہے کہ جس سے انکار ممکن نہیں۔ ٹکراؤ صرف اقتصادی نوعیت کا نہیں ہوتا اور نہ ہی صرف مادی وسائل میں ارتقاء اس کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ کارل مارکس یا ہیگل کا نظریہ ہے۔ ٹکراؤ معاشرے کے تمام عناصر واجزاء میں ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ بطور معاشرہ اپنے اندر مختلف الجہات عناصر کے ساتھ مختلف الطبائع افراد کو بھی شامل ہے یوں ٹکراؤ اور تصادم معاشرے کا لازمی جزو بن جاتا ہے۔ ایک شہری سیاسی ریاست اسی لیے قوانین وضع کرتی ہے تاکہ ان

اختلافات کو سود مند بنایا نیز ان کے منفی اثرات سے بچا جاسکے۔ علم معاشریات میں ٹکراؤ، نامناسب نہیں ہے یہ ایک فطری عمل ہے۔

ان تمام امور کو مد نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

۱. ضروری نہیں کہ معاشرے کی تعریف کرنے والا ماہر معاشریات تمام دیگر انسانی علوم کے کردار کو مکمل تسلیم کرتے ہوئے سب کی رعایت رکھے، دراصل ہر علاقے میں ایک خاص علم اور شعبے کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے جو زمانہ کے ساتھ ساتھ مبدل ہوتی ہے۔ مثلاً اشتراکیت میں معاشرہ صرف اقتصادی اصولوں پر قائم ہوا تھالہذا ان کے ہاں معاشرے بلکہ پوری انسانی تاریخ کے ارتقاء کے پیچھے اصل محرک معیشت اور مادی وسائل میں تغیر رہا ہے۔

۲. ہر قوم وعلاقے کے اہداف ومسائل الگ ہوتے ہیں، مغرب میں معاشرے کی تعریف وہ نہیں ہوسکتی جو افریقہ کے پسماندہ ممالک میں سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ مغرب کے اہداف وہ نہیں ہیں جو کسی ترقی پذیر یا پسماندہ ممالک کے ہو سکتے بسبب اس کے پوری دنیا کے انسانوں کے اجتماع کو ایک معاشرہ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے بلکہ ایک خطے میں بسنے والے لوگ جن کی سرحدیں قریب ہوتی ہیں ان پر بھی ایک معاشرے کا اطلاق ممکن نہیں کیونکہ ہر ملک دوسرے سے مختلف اہداف اور مسائل رکھتا ہے۔

۳. معاشرے مختلف ہوتے ہیں، جن کی تفہیم کی خاطر الگ تعریف وضع ہوسکتی ہے کیونکہ معاشرے کے عناصر سیاست، اقتصاد، ثقافت اور دین وغیرہ میں سے کسی کے وجود یا عدم وجود کا مسئلہ ہوتا ہے بلکہ اس اختلاف تعریف کی وجہ ان عناصر کے موجود ہوتے ہوئے ان کی حیثیت اور ان پر عمل درآمد کا طریقہ ایک علاقے کی نسبت دوسرے علاقے سے مختلف ہوتا ہے۔ دین ایک ہوتے ہوئے بھی دو ممالک اس کی حیثیت اور عمل درآمد کے معاملے میں اختلاف رکھ سکتے ہیں، جس ملک میں دین کو ایک بنیادی اور اساسی عنصر مانا جاتا ہے وہاں سیاست میں بھی ریاست کا حق موجود ہوتا ہے۔ ایسے ممالک میں معاشرے کی تعریف کرتے وقت دین کو خاص اہمیت دی جائیگی البتہ وہ ریاستیں جہاں دین کا تصور تو موجود ہے لیکن دین کسی فرد کا نجی قضیہ قرار دیا جاتا ہے وہاں سیاست میں اس کا کوئی دخل نہیں مانا جاتا اور معاشرے کی تعریف میں دین کو مرکزی حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔

۴. یورپ میں لبرل معاشرہ آباد ہے اس لیے معاشرے کا مفہوم ان کے نزدیک قانون فطرت کے اصول پر استوار ہے۔ توضیح یوں ہے کہ معاشرے کی اجتماعی فلاح و بہبود اس امر میں مضمر ہے کہ معاشرہ کا ہر فرد آزاد ہونے کی بنا پر مصلحت ذاتیہ کے لیے عمل سرانجام دے، لبرل معاشرہ دین میں سیکولر، معیشت میں سرمایہ دارانہ نظام اور سیاست میں جمہوریت پر یقین رکھتا ہے۔ لبرل ازم کے قانون فطرت کی وجہ سے ریاست کو فرد کے ذاتی معاملات میں دخل اندازی کا حق حاصل نہیں ہوتا بلکہ مملکت کا فریضہ ہے وہ شہریوں کی خود مختاری کو نہ صرف متیقن بنائے

اوراس کے تحفظ کے لیے سنجیدہ اقدامات بھی کرے، اسی قانون فطرت کے تناظر میں ریاست لوگوں کو دین کے کسی بھی قضیے میں کسی بھی شے کی پابند بنانے کی مجاز نہیں ہوتی، چونکہ جو معاملہ ذاتی نوعیت کا ہے اسے ریاستی بنانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی تو اس لیے دین کے نام پر کوئی سیاسی ادارہ اور تنظیم بنانا بھی غیر قانونی ہوتا ہے بسبب اس کہ ان کے ہاں دین کا سیاست میں عمل دخل قانون فطرت کے متضاد ہے۔

علم معاشریات کی ابتدا(Origin of Sociology)

انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے خاندان اور معاشرہ کے دیگر افراد کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے۔انسانی معاشرتی زندگی کا آغاز انسان کے مل جل کر رہنے سے ہی ہو گیا تھا اگرچہ بطور علم اور مستقل فن،اس کی تاریخ زیادہ قدیم نہیں ہے جبکہ معاشرت اور اجتماعیت کے متعلق انسان کی سوچ اتنی ہی قدیم ہے جتنا انسان کی اپنی تاریخ۔

علم معاشریات کا بانی ابن خلدون ؒ[۱] کو قرار دیا جاتا ہے جو کہ ایک مشہور فلسفی تھا جس کا تعلق شمالی افریقہ کے ملک تیونس سے تھا، ابن خلدون وہ پہلے شخص ہیں جس نے علم بشریات / عمرانیات کا تعارف کرایا، اپنے مقدمہ میں اس نے اس کا اعتراف یوں کیا۔

"ولعمری لم أقف على الكلام فی منحاه لأحد من الخليقة، ماأدری؛ ألغفلتهم عن ذالک وليس الظن بهم، أو لعلهم كتبوا فی هذا لغرض و استوفوه ولم يصل إلينا".[۲]

ترجمہ: میں نے اس موضوع پر پہلے کبھی کسی کا کلام نہیں دیکھا۔ نہیں معلوم اس کی وجہ علماء کی اس سے غفلت تھی حالانکہ ان سے ایسا گمان نہیں یا پھر انہوں نے اس پر سیر حاصل گفتگو کی ہو لیکن ہم تک نہیں پہنچی۔

ابن خلدون نے اگرچہ اپنے مقدمہ میں علم معاشریات پر تفصیلی مباحث پیش کیے ہیں لیکن مزید یہ کہتے ہیں کہ اس موضوع پر بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔

"ولعلّ من يأتی بعدنا يؤيده الله بفكر صحيح و علم مبين يغوص من مسائله على أكثر ممّا كتبناه".[۳]

---

(۱) ابن خلدون، ابوزید عبدالرحمن بن محمد ابن خلدون (۱۳۳۲ء-۱۴۰۶ء) مشہور مؤرخ، فقیہ اور فلسفی ہیں۔ (كشف الظنون عن أسامی الكتب والفنون، مصطفى بن عبد الله المشهور باسم حاجی خليفة (المتوفي:۱۰٦٧ھ)، مكتبة المثنى، بغداد، ١٩٤١ء، ١/٢٧٨)

(۲) مقدمة، ابن خلدون، دارالفكر العربی، طبع ١٩٩٦ء، ص:٣٨

(۳) ایضا، ص:۳۸

ترجمہ: ہو سکتا ہے ہمارے بعد کوئی ایسا عالم آئے جسے اللہ تعالیٰ نے فکر سلیم اور علم مبین سے نوازا ہو وہ اس موضوع کے مباحث میں غور کر کے اس پر اضافہ کرے جو ہم نے لکھا ہے۔

مشہور ماہر معاشریات[۱]Ludwig Gumplowicz اعتراف کرتے ہیں کہ اس علم کا بانی ابن خلدون ہے۔

"لقد أردنا أن ندلّل على أنه قبل أوجست كونت، بل قبل فيكون الذى أراد إلايطاليون أن يجعلوا منه أول اجتماعى أوربى، جاء مسلم تقى فدرس الظواهر الاجتماعية بعقل متزن وأتى فى هذا الموضوع باراء عميقة، وإن ماكتبه هو نسميه اليوم علم الاجتماع".[۲]

ترجمہ: ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ Auguste Comte سے پہلے بلکہ Giambattista Vico جسے اٹلی والوں نے سب سے پہلا یورپی ماہر معاشریات قرار دینا چاہا ایک مسلمان آیا جس نے معاشرتی مجالات پر دانشمندی کے ساتھ تحقیق کی اور اس موضوع پر بہت پختہ اور گہری آراء پیش کیں، اس نے جو جو لکھا اس کو ہم آج علم معاشریات کا نام دیتے ہیں۔

مقدمہ ابن خلدون چھ فصلوں پر منقسم ہے۔ ابن خلدون کے مقدمہ میں علم بشریات کے بنیادی خدوخال، نیز معاشرہ کا بنیادی ڈھانچہ اور انسانی معاشرے کے ارتقاء اور قوانینِ ارتقاء پر مفصل مباحث ہیں۔ وہ چھ فصلیں درج ذیل ہیں:

(۱) **العمران البشرى:** عام علم معاشریات

(۲) **العمران البدوى:** جدید زبان میں Rural Society اور یہ Urban Society سے مقدم اور اس کی اصل ہے۔

(۳) **الدولة والخلافة والملك:** سیاسی علم معاشریات

(۴) **العمران الحضرى:** جدید اصطلاح میں شہری سوشیالوجی

(۵) **الصنائع و المعاش والكسب:** اقتصادی علم معاشریات

(۶) **العلوم و اكتسابها:** عصر حاضر کی زبان میں Educational Sociology تعلیمی علم معاشریات

---

(۱) Ludwig Gumplowicz لودویک گومپلاویچ (۱۸۳۸ء-۱۹۰۹ء) پولش فلسفی، یورپ کے ماہرین سوشولیوجسٹ میں سے ایک ہے، اسے Founders of European sociology بھی کہا جاتا ہے۔ آخری عمر میں کینسر ہوا اور زہر کھا کر مر گیا۔
Ludwig Gumplowicz : Encyclopedia Britannica Concise,۲۰۰۶ pg#۱۱۴۷

(۲) الأسس الإسلامية فى فكر ابن خلدون، مصطفى الشكعته، الدار لامعرية، القاهرة، طبعة ١٤٠٦هـ، ص:١٦٥

ابن خلدون کے بعد اس فن میں مسلمانوں میں سے کسی نے کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں کیا۔ لہذا یہ تاثر قائم کیا جاسکتا ہے کہ ابن خلدون کا اس فن پر مرتب کردہ کام وقت سے بہت پہلے تھا۔ ۱۸۳۰ء میں جدید دنیا کے سامنے معاشریات کا علم سامنے آیا۔ یہ زمانہ یورپ کی صنعتی ترقی کا آغاز تھا۔ لوگ آزادی کا مطلب جان رہے تھے اور عملی کاوشیں کی جارہی تھیں۔ یہ انقلاب فرانس کے بعد کا زمانہ تھا۔ یورپ نو آبادیاتی نظام کی بنیاد رکھ چکا تھا۔ ایک عہد سے دوسرے عہد میں انتقال کا وقت اضطراب اور علم کے نئے گوشوں کے کھلنے کا وقت ہوتا ہے۔ صنعتی میدان میں کامیابی اور اس میں نئے نئے راستوں کے انکشاف نے ایک ایسے علم کے وجود کی ضرورت پیدا کردی تھی جو اجتماعیت، انسانی تعلقات، رہن سہن، تعمیر و ترقی کے دائرہ کار اور مجالات کو از سر نو پڑھے اور جدید معاشرے کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرے۔

جوں جوں مغربی معاشرہ اپنے ہر شعبے میں ترقی کرتا گیا مغربی علم معاشریات بھی غالب آتا گیا کیونکہ اس کے سُوتے ایک طاقتور تہذیب و معاشرت سے پھوٹ رہے تھے اس لیے اس کا دنیا کو اپنی لپیٹ میں لینا عجیب نہ تھا۔

(۱) اگسٹ کومٹ کا نظریہ Auguste Comteis view point (۱۸۵۷ء تا ۱۷۸۹ء)

اگسٹ کومٹ [۱] پہلا فرانسیسی مفکر ہے جس نے علم معاشریات (Sociology) کی اصطلاح استعمال کی اور یورپی دنیا میں اسے متعارف کرایا۔ اسی لیے جدید معاشریات کا بانی اگسٹ کومٹ کو کہا جاتا ہے۔ اگسٹ کومٹ کا خیال ہے کہ معاشرہ کو بالکل اسی روح اور تکنیک کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت ہے جس طرح ہم فلکیات کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں۔ کیونکہ جس طرح علم فلکیات ثابت اور طے شدہ اصولوں (Laws of nature) پر قائم ہوتا ہے اور انہی کی اساس پر حرکت اور تغیر کو پرکھا جاتا ہے بالکل اسی طرح معاشرہ بھی خاص عناصر کا مرکب ہوتا ہے اور اس کا ارتقاء بھی ثابت اور طے شدہ اصولوں پر مبنی ہوتا ہے جن کا علم رکھنا اور ان کی رعایت رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ [۲]

اگسٹ کومٹ کے نزدیک عمرانیات سماجی اور سائنسی مظاہر کا علم ہے جو کہ قدرت کے فطری قوانین کے تابع ہے جس کو دریافت کرنا ہی انسانیت کا مقصد ہے۔

---

(۱) اگسٹ کومٹ (Auguste Comte) (۱۷۹۸ء-۱۸۵۷ء) فرانسیسی فلسفی، یورپ کا پہلا مفکر جس نے عمرانیات کو سوشولیاجی (sociology) کا نام دے کر بحیثیت مضون متعارف کروایا۔ مشہور کتابیں: The Course in Positive Philosophy,
A General View of Positivism,
Auguste Comte, by Gould, Frederick James, London : Watts, ۱۹۲۰

(۲) انظر: علم الاجتماع، مفهومات موضوعات دراسات، غريب عبدالسميع غريب، مؤسسة شباب الجامعة، طبعة ۲۰۱۲ء، ص: ۲۹

"Sociology is the science of social phenomena "subject to natural and invariable laws, the discovery of which is the object of investigation[۱].

اگسٹ کومٹ کہتا ہے کہ اور انسانیت کا سفر ترقی کی جانب گامزن ہے اور یہ انسانی زندگی کا علم ہے جو صرف انسانی حواس کے ذریعے سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اگسٹ کومٹ اس نظریہ کو positivism کا نام دیتا ہے اس نظریہ نے یورپ کے اذہان کو خاصہ متاثر کیا اس اثر پذیری کے باعث مذہبیت اور پاپائیت کی حوصلہ شکنی ہوئی۔ دراصل سماجی علوم کو سائنس کا درجہ دینے سے یورپ میں ماڈرن ازم کو آغاز ہوا۔ اگسٹ کومٹ نے معاشرے سے متعلق مروج قصے کہانیاں کی بجائے تمام سماجی علوم کو دلیل اور عقل کی بنیاد فراہم کی۔

Auguste Comte دین اور دینی رسومات کو معاشرے کا ایک اہم عنصر مانتے ہیں۔ اگسٹ کومٹ کے ہاں غیبی امور اور سائنسی علوم کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے۔ معاشرے کے عناصر اپنی حقیقت میں مختلف ہو سکتے ہیں مگر کسی ایک کی اہمیت کو کلیتہ مسترد نہیں کرسکتے۔ جس طرح ایک گاڑی مختلف چھوٹے بڑے پرزوں سے تیار ہوتی ہے۔ لیکن ہر ایک دوسرے پرزہ سے صورۃً مختلف ہونے اور قیمتوں میں فرق کے باوجود، گاڑی کے لیے تمام پرزوں کی ضرورت و اہمیت اپنی جگہ پر مسلّم ہے۔

(۲) کارل مارکس کا نظریہ (Karl Marx view point) ۱۸۸۳ء تا ۱۸۱۸ء

مشہور فلسفی و جرمن دانشور کارل مارکس (Karl Marx)[۲] نے اپنے رفیق کار اینگلس کی معاونت سے دنیا کو ایک نئے نظام پر فکر و عمل سے متعارف کرایا جسے مارکس ازم کہا جاتا ہے۔ کارل مارکس نے اگسٹ کومٹ کے نظریہ سے اختلاف کرتے ہوئے اس نظام فکر کی اساس و بنیاد مادیت کے جدلیاتی فلسفے پر استوار کی۔ جدلیت سے مراد یہ ہے کہ فطرت کے حوادث برابر متحرک رہتے ہیں۔ وہ برابر بدلتے رہتے ہیں اور فطرت کی متصادم طاقتوں کے باہم جدل و پیکار سے فطرت کا ارتقاء ہوتا ہے۔ جدلیت یہ قانون محض فطری حادثات کے ارتقاء میں کارفرما نہیں بلکہ انسانی معیشت اور تاریخ کے ارتقاء میں بھی موجود ہے۔ گویا جدلیاتی فلسفہ میں فطرت اور سماج کو بالکل دوسری طرح سمجھنے کا ایک طریق کار ہے۔

---

(۱) Auguste Comte And Positivism, by Mill, john Stuart, second edition, London ۱۸۶۶, pg: ۱۳-۱۴

(۲) کارل مارکس، Karl Marx (۱۸۱۸ء - ۱۸۸۳ء) جرمن فلسفی، انقلابی سوشولسٹ، مشہور کتابیں: The Communist Manifesto (فلسفہ مغرب کی تاریخ، ص:۸۸۷)

مارکس ازم وضاحت کرتا ہے کہ ہر سماج کی ترقی کا راز پیداواری قوتوں کے ارتقاء پر ہے۔ قوت، محنت، صنعت، زراعت، ٹیکنیک اور سائنس ہر نیا سماجی نظام غلام داری جاگیرداری اور سرمایہ داری اپنی پیداواری قوتوں کے ارتقاء کے ذریعے انسانی سماج کو آگے کی طرف لے گیا ہے۔[(۱)]

مارکسزم کی یہ کوشش ہے کہ وہ معاشروں کی قدرتی مخفی توانائی کے مراحل کو سمجھے اور ان کا تعارف کرائے اور معاشروں کو ایک دور سے دوسرے دور میں بدلنے کے جبری قوانین دریافت کرے۔ اس نظریے کے مطابق معاشروں کو چار مراحل سے گزر کر سوشلزم تک پہنچنا پڑتا ہے۔

[(i)] ابتدائی اشتراکی دور، [(ii)] عہد غلامی، [(iii)] دور سرمایہ داری اور [(iv)] دور سوشلزم

ان کے نزدیک ہر تاریخی دور دوسرے دور سے باعتبار ماہیت و نوعیت مختلف ہے۔ جس طرح بیالوجی کے اعتبار سے جانور ایک نوع سے دوسری نوع میں بدل جاتے ہیں اور ان کی ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ ادوار تاریخی بھی یہی کیفیت لیے ہوئے ہیں۔ اس رُو سے ہر تاریخی دور اپنے سے متعلق مخصوص قوانین کا حامل ہے۔ کسی دور کے لیے اس سے قبل کے دور یا اس کے بعد کے دور کے قوانین کو اس کے مناسب حال نہیں جاننا چاہیئے۔ جیسے پانی جب تک پانی ہے مائعات سے متعلق خاص قوانین کے تابع ہے لیکن جوں ہی وہ بھاپ میں تبدیل ہوا وہ گزشتہ قوانین کے تابع نہیں رہتا بلکہ اب وہ گیسوں کے سے متعلق مخصوص قوانین کے تابع ہو جاتا ہے۔[(۲)]

بر سر مطلب یہ ہے کہ معاشرہ ایک طرح کے ابدی اور جاودانی قوانین کا حامل نہیں ہو سکتا تاریخی میٹرلزم اور معاشرے کی بنیاد اقتصادی ہونے کی بنیاد پر جاودانیت کا دعویٰ کرنے والا ہر قانون ناقابل قبول سمجھا جائیگا۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں مادیت اور مذہب کی آپس میں نہیں بنتی، خاص طور پر اسلام سے جو بعض جاودانی قوانین کا حامل ہے۔

(۳) ایمیل ڈرکہم کا نظریہ Emile Durkheim view point (۱۹۱۷ء تا ۱۸۵۸ء)

فرانس کے سماجی علوم کے ماہر ایمیل ڈرکہم (Emile Durkheim)[(۳)] نے جس مسئلے کو خاص اہمیت دی وہ سماج کے مقابل فرد کے جبر یا اختیارات کا مسئلہ ہے۔ وہ فرد کے مقابلے میں اجتماعی اصلیت کا قائل تھا۔

---

(۱) دیکھیے: روس انقلاب سے رد انقلاب تک، ٹیڈ گرانٹ، ترجمہ ابو فراز، جدوجہد پبلیکیشنز، طبع:۱۹۹۹ء، ص:۱۹

(۲) دیکھیے: سماج اور تاریخ، مرتضی مطہری، ترجمہ سید موسی رضوری، شفاء پبلیکشنز، طبع ۲۰۰۱ء، ص:۱۱۳

(۳) ڈیوڈ ایمیل ڈرکہم (۱۷۹۱ء-۱۸۵۸ء) ایک فرانسیسی سماجی ماہر تھا. عہد جدید میں ڈرکہم سوشیالوجی کو بطور مضمون پڑھانے والے پہلے پروفیسر تھے۔ اس نے اپنے ملک میں اخلاقی اور سوشل ریفارمز کیں۔ مشہور کتابیں:

The Division of Labour in Society ,The Rules of Sociological Method

Emile Durkheim: Encyclopedia Britannica Concise,۲۰۰۶ pg# ۵۸۲

ایمیل ڈر کہم نے اس علم کو سماجی اداروں کی سائنس کا نام دیا ہے "Science of social institutions"

ایمیل ڈر کہم کے مطابق: معاشرتی امور (انسانی جبلت سے متعلق امور جیسے کھانا پینا وغیرہ حیوانی رشتہ سے منسک نہیں ہے) کسی فرد کے سوچ وارادہ سے وجود میں نہیں آتے درحقیقت معاشرہ ان کو وجود میں لانے کا سبب ہے اور یہ تین خصائل پر مشتمل ہیں، خارجی عوامل ہونا، جبری قوانین کے تابع ہونا اور عمومیت کا حامل ہونا۔ اور یہ بیرونی اعتبار سے وجود فرد سے باہر یعنی معاشرے کے افراد پر لاگو ہوتے ہیں اور معاشرہ انہیں فرد کے حوالے کرتا ہے اور فرد معاشرے کے زیر اثر اسے قبول کرتا ہے آداب، اخلاقیات اور معاشرتی رسمیں، مذہب اور ان جیسی چیزیں اسے معاشرے سے ملتی ہیں۔ اور اس اعتبار سے جبری ہیں خود بخود یہ فرد پر آن پڑتی ہیں اور ضمیر کے احساسات اور اس کے اندیشہ وافکار کو اپنے رنگ اور اپنے قابو میں لاتی ہیں۔ اور جبری ہونا عمومیت کی دلیل بھی ہے۔[١]

نیم وحشی اور بدوی معاشرہ(Semi Bedouin Society)

بدوی معاشرہ اپنے وجود کے اعتبار سے تو قدیم ترین معاشرہ ہے اور جدید و تاریخی معاشروں کی اصل بھی یہی معاشرہ ہے لیکن بطور علم اس پر تحقیق عصر حاضر میں امریکہ کے اندر شروع ہوئی۔ علم معاشریات کے کئی ماہرین دیہاتی معاشرہ اور بدوی معاشرہ کے مابین فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے اور ان دونوں کو ایک گردان کر شہری معاشرہ کے مقابل رکھ دیتے ہیں۔ ایسا ہی ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں بھی کیا۔ اس نے معاشرے کی دو اقسام "بدوی اور شہری" بیان کی ہیں اور بدوی و دیہاتی کے درمیان فرق نہیں ذکر کیا۔ جبکہ جدید علم معاشریات کے بعض ماہرین دیہاتی معاشرے اور شہری معاشرے کی تقسیم میں بدوی معاشرہ کو دیہاتی معاشرے کا حصہ بنا دیتے ہیں حالانکہ بدوی اور دیہاتی معاشروں کے درمیان خصائص کا اختلاف موجود ہوتا ہے۔

ابن خلدون نے بدوی اور شہری معاشرہ کے درمیان تقسیم کی بجائے بدوی معاشرے کی تین اقسام بیان کیں ہیں۔

١. البدوالعاملون فی الزراعة والقیام بالفلح: وہ بدو جو زراعت سے اور کھیتی باڑی سے وابستہ ہوتے ہیں۔

٢. البدو القریبون من القری والمدن أو من أهل الحضر: وہ بدو جو شہری آبادیوں کے قریب رہائش پذیر ہوتے ہیں اور ان کے معاش کا زیادہ تر گزر بسر مویشیوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ "القائمون علی الشاة والبقر ولا یبعدون فی القفر"۔ ترجمہ: یہ لوگ بکریاں اور گائے وغیرہ پالتے ہیں اور انہیں چرانے کے لیے زیادہ دور صحراؤں میں نہیں جاتے۔

---

(١) دیکھیے: سماج اور تاریخ، ص:١٢٨

۳. **هم البدوالمتوغلون فی الصحراء:** وہ بدو جو صحراؤں میں رہائش پذیر ہوتے ہیں اور ان کا ذریعہ معاش اونٹ ہوتے ہیں اور ہر وہ قوم جس کا گزر بسر اونٹوں کے ذریعے ہو وہ صحراؤں میں رہتے ہیں۔ زیادہ غریب ہوتے ہیں اور طبیعت کے لحاظ سے نیم وحشی ہوتے ہیں۔[۱]

ابن خلدون نے اس تقسیم میں دیہاتی معاشرہ کو ذکر نہیں کیا مگر اس کی صفات اور خصائص مختلف زاویوں سے واضح کی ہیں۔ یعنی بدو اور شہری معاشروں کے مابین فرق مادی ہے۔ کھانے پینے، رہن سہن اور ذریعہ معاش کی بنیاد پر دونوں میں فرق ہوتا ہے۔

بدووں اور شہری معاشرے کے متعلق ابن خلدون کہتے ہیں:

"أهل البدو هم المنتحلون للمعاش الطبيعی من الفلح والقيام على الأنعام... أما أهل المدن فهم يتخذون القصور والمنازل... ويختلفون فی استجادة مايتخذونه لمعاشهم من ملبوس أو فراش أو آنية أو ماعون".[۲]

ترجمہ: بدو وہ ہوتے ہیں جو فطری ذریعہ معاش اختیار کرتے ہیں جیسا کہ کھیتی باڑی اور مویشی پالنا یہ لوگ کھانے پینے، لباس رہن سہن اور دیگر امور میں بقدر ضرورت پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ بہتر کی جستجو نہیں رکھتے۔

اور شہری معاشروں کے بارے میں کہا ہے:

شہری لوگ محلات اور پختہ گھروں میں قیام پذیر ہوتے ہیں اور انکے اندر ہی پانی کا انتظام بھی رکھتے ہیں۔ یہ لوگ بلند و بالا اور عالیشان عمارتیں بنواتے ہیں اور اپنے استعمال کے لیے لباس، فراش، برتنوں اور دیگر چھوٹی چھوٹی ضرورت کی چیزوں میں تفنن اور تجدید پسند کرتے ہیں۔

دیہی معاشرہ

بدوی معاشرے کی طرح دیہی معاشرے کا وجود بھی صدیوں پرانا ہے مگر علم معاشریات کا حصہ عصر حاضر میں ہی بنا۔ معاشریات کی دیگر انواع کے برعکس دیہی معاشرے پر تحقیق کی ابتدا ایک عملی ضروریات کے تحت پیش آئی۔ انیسویں صدی کے شروع میں امریکہ میں دیہی علاقوں میں کچھ مشکلات سامنے آئیں۔ امریکی حکومت کے لیے ان سے نمٹنا خاصا دشوار ہو گیا تو ۱۹۰۷ء میں ماہرین معاشریات کی باقاعدہ کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا کام یہ تھا کہ وہ دیہی علاقوں کی نفسیات،

---

(۱) انظر:مقدمة، ابن خلدون، ص:۱۲۰-۱۲۱

(۲) ایضا،ص:۱۲۱

مزاج، عادات اور دیگر امور پر تحقیق کرے تاکہ اس کی مدد سے ان مشکلات سے نبرد آزما ہوا جاسکے۔ اس کمیٹی کے قیام سے دیہی معاشرے کو علم معاشریات میں شامل کیا گیا۔ یوں یہ علم یورپ منتقل ہوا، جہاں دوسری جنگ عظیم کے بعد اس پر مزید تحقیق ہوئی اور نئے زاویے سامنے آئے۔ یورپ کے بعد تیسری دنیا اور باقی ممالک میں بھی دیہی معاشریات کو تحقیق کا حصہ بننے کا موقع ملا۔[۱]

دیہی معاشرے کی تعریف

دیہی معاشرے کی متعدد تعریفات کی جاتی ہیں۔ امریکہ میں ۱۹۵۰ء سے قبل کے علم معاشریات کے مطابق دیہی معاشرہ وہ ہوتا ہے جس کے باشندوں کی تعداد ڈھائی ہزار سے زائد نہ ہو، جبکہ ۱۹۵۰ء کے بعد تحقیق کے مطابق جس کی تعداد پانچ ہزار سے زائد نہ ہو۔

ہر وہ معاشرہ جس کے باسیوں کی تعداد پانچ ہزار سے زائد ہو اسے دیہی معاشرہ نہیں کہا جائے گا اگرچہ افراد زراعت کے پیشہ سے وابستہ ہوں۔ یوں معاشرے کی مزید اقسام سامنے آجاتی ہیں۔ جیسے دیہی غیر زرعی معاشرہ، غیر دیہی زرعی معاشرہ وغیرہ۔ اس تعریف کی رُو سے تعداد اہم ہے نہ کہ پیشہ۔[۲]

کچھ علمائے معاشریات کے خیال میں یورپ اور ایشیا میں دیہی معاشروں کی تعریف میں باشندوں کی تعداد سے اہم پیشوں اور صنعتوں کو مانا جاتا ہے۔[۳]

اس تناظر میں درج ذیل صفات / علامات کی دیہی علاقوں میں نشاندہی کی ہے۔

- شہری معاشروں کی نسبت دیہی معاشروں کی تعداد کم ہوتی ہے۔
- شہری معاشروں میں اجتماعی روابط اتنے زیادہ گہرے نہیں ہوتے، اس کا سبب دیہی معاشروں میں لوگوں کی تعداد کا کم ہونا اور محدود پیشوں کے تعلق سے جڑے رہنا ہے۔
- اپنے ماحول میں رائج رسم و رواج پر سختی سے عمل پیرا رہتے ہیں بنسبت ریاست کے وضع کردہ قوانین کے۔
- دیہی معاشرہ طبقاتی کشمکش سے بے نیاز ہوتا ہے۔
- دیہی معاشروں کا ذریعہ معاش زراعت، مویشی اور دست کاری ہوتا ہے۔

---

(۱) انظر:المفاهيم الأساسية فى علم الإجتماع، ص:۱٦۹

(۲) انظر:علم الاجتماع، فراس عباس البياتى، دار غيراء للنشر، طبعة ۲۰۰۱ء، ص:۷۹

(۳) علم الاجتماع الريفى على احمد فؤاد، دارالنهضة العربية، طبعة ۱۹۸۱ء، ص:۳۹

لیکن میرے خیال میں مذکورہ بالا خصائص ایشیا اور افریقہ کے دیہی معاشروں کی ہیں، یورپ اور امریکہ کے دیہی معاشروں میں شہری اور دیہی معاشروں کے درمیان فرق اتنا نہیں ہے جتنا تیسری دنیا میں پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ مغرب میں آلات زراعت میں ٹیکنالوجی کی ترقی اور ملک کے تمام شہریوں کو بنیادی سہولتوں کی فراہمی کا عمل ہے ہاں تیسری دنیا میں شہری اور دیہی معاشروں کا فرق بہت زیادہ ہے۔

اقتصادی معاشرہ

معاشیات / اقتصادیات سماجی سائنسز کا اہم شعبہ تصور ہوتا ہے جس میں محدود مادی وسائل، پیداوار کی تقسیم اور ان کی طلب و رسد سے بحث کی جاتی ہے۔ دور جدید کے ماہر معاشیات[۱] Lionel Robbins، لیونیل روبنز نے معاشیات کی تعریف میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"Economics is the science which studies human behaviour as a relationship between ends and scarce means which have alternative uses."[۲]

لیونیل روبنز کے نزدیک معاشیات میں ہم ان انسانی رویوں کا مطالعہ کرتے ہیں جہاں لامحدود خواہشات کے مقابل محدود ذرائع میسر ہیں۔

معاشیات کو بنیادی طور پر جزوی معاشیات (Micro Economics) اور کلّی معاشیات (Macro Economics) میں تقسیم کیا گیا ہے۔[۳]

تفصیل اس کی یوں ہے کہ معاشیات اس امر سے بحث کرتی ہے کہ ایک فرد اپنے محدود ذرائع کا کس طرح استعمال کرے اور تمام افراد کے عمل کا بحثیت مجموعی معیشت کی مجموعی آمدنی اور روزگار پر کیا اثر پڑتا ہے۔ معاشرے میں وسائل کی تقسیم کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ مجموعی سطح پر آمدنی کی سطح اور روزگار کا تعین کس طرح ہوتا ہے اور معاشی حالات کے اتار چڑھاؤ کے اسباب معلوم کیے جاتے ہیں تاکہ خاص معاشی پالیسی اختیار کرنے سے معاشی استحکام برقرار رہے۔ علم معاشیات یہ دیکھا جاتا ہے کہ افراد اپنے محدود ذرائع کا تعیّن کس طرح کرتے ہیں اور دوسرے یہ کہ افراد کے اس طرز عمل کا مجموعی حیثیت سے معیشت کی مجموعی آمدنی اور روزگار پر کیا اثر پڑتا ہے۔

---

(۱) لیونیل روبنز (۱۸۹۸-۱۹۸۴) برطانوی ماہر معیشت ہے۔ لندن سکول آف اکنامکس کا بانی ہے۔ The Economic Causes of War شامل ہیں۔ {Oxford Dictionary of National Biography}

(۲) An Essay On The Nature And Significance Of Economic Science, by Lionel Robbins, Macmillan and co, limited, London, ۱۹۳۷, pg# ۱۶

(۳) اصول معاشیات، رضیہ نظامی، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، طبع ۱۹۸۰ء، ص:۱۱

معاشرہ کی ترقی و فلاح میں معیشت کا کردار

ماہر معاشیات (Adam Smith) آدم سمتھ[1] معاشیات کو دولت کا علم قرار دینے پر مُصر ہے اور فطرت انسانی ہے کہ وہ دولت میں اضافے کا خواہش مند رہتا ہے۔ یہ بات ان لوگوں کو ناگوار گزری جو دولت کی بجائے مذہبی اور اخلاقی معیار کو فوقیت دیتے تھے، ان کے نزدیک معاشیات دولت پرستی اور خود غرضی سکھاتا ہے ان کی اس غلط فہمی کو انیسویں صدی کے ایک ماہر معاشیات پروفیسر مارشل نے دور کرتے ہوئے کہا کہ دولت کی پیدائش صرف دولت کا ڈھیر لگانے کے لیے نہیں، بلکہ انسانی ضرورتیں پورا کرنے اور انسانی معیار زندگی کو بہترین کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ تاکہ انسان خوشحال اور پُر آسائش زندگی سے لطف اندوز ہو۔ مارشل کے خیال میں انسان کی فلاح و بہبود کو بڑھانے والے عناصر ہی معاشیات کا اصل موضوع ہیں اور یہی علم انسان کو ایک خوشحال زندگی گزارنے کا راستہ بتاتا ہے۔[2]

علم معاشیات میں معاشرہ کے مسائل کے حل تلاش کئے جاتے ہیں۔ مثلاً بے روزگاری، معاشی بحران، قیمتوں میں اضافے کا مسائل، بیرونی ادائیگیوں کے توازن میں خرابی، زر مبادلہ کی قوت، صنعتی مزدوروں کے مسائل وغیرہ۔[3]

انسانی فلاح کا انحصار زیادہ سے زیادہ وسائل کی پیداوار سے ہے۔ معاشرہ کے لیے معاشی وسائل کا بہترین طریقے سے استعمال ناگزیر ہے۔ سوچ سمجھ کر منصوبے بنائے جائیں اور انہیں کامیاب کیا جائے۔ چنانچہ معاشیات میں منصوبہ بندی کے بنیادی اصول و قواعد کا یقین کیا جاتا ہے اور یہی منصوبہ بندی معاشیات کا اہم جزو ہے۔

معاشرہ کے پیدائشی وسائل محدود ہیں انہیں بے پروائی سے استعمال نہیں کیا جانا چاہیے۔ بلکہ کم از کم ذرائع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیے اور معاشی ترقی کی رفتار تیز کرنی چاہیے۔

اس طرح معاشرہ میں فلاح کا دارومدار صرف پیدائشِ دولت یا اضافہ آمدنی پر نہیں بلکہ دولت کی مناسب تقسیم پر ہے۔ کیونکہ اگر ملک کی آمدنی کے بیشتر حصے پر صرف چند صنعت کار اور تاجر قابض ہوں تو اس سے عوامی فلاح میں اضافہ نہیں ہوگا۔ علم معاشیات کے اصول کے مطابق ٹیکس لگاتے وقت قیمتوں پر کنٹرول کرنے اور منصوبے کے مقاصد طے کرتے وقت یہ کوشش کی جانی چاہیے کہ غریبوں اور امیروں کے درمیان فرق کم ہو۔

---

(۱) آدم سمتھ (Adam Smith) ایک برطانوی ماہر معاشیات اور فلسفی تھا۔ ۱۷۲۳ء سکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ گلاسگو یونیورسٹی میں فلسفے کا استاد رہا۔ اس کی وجہ شہرت اس کی کتاب The Wealth of Nations ہے۔

Adam Smith : Encyclopedia Britannica Concise,۲۰۰۶ pg#۱۷۶۹

(۲) دیکھیے: اصول معاشیات، ص: ۲۰

(۳) انظر: نظريات علم الاجتماع، جميل حمداوي، مكتبة المثقف، طبعة ٢٠١٥ء، ص: ١٤٤

مبحث ثانی: مذہبی معاشریات اور معاشرتی ادوار

مذہبی معاشریات (Sociology and Religion)

عصر حاضر میں تمام مسلم ممالک، مغربی نظم حکومت یعنی مغربی قانون اور شہری ریاست کے بارے میں تذبذب کا شکار ہیں۔ جہاں تک اسلامی ممالک کے نافذ شدہ نظام ہیں تو تقریباً تمام اسلامی ملکوں کا نظام حکومت، مغربی قانونی اور شہری نظم کا مرہونِ منت ہے۔ لیکن مسلم معاشروں میں اس مغربی نظام کی بابت خدشات موجود ہیں۔ ان میں ایک بڑی تعداد ان مفکرین کی ہے جو دینی سیاسی تحریکوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ مغربی نظم حکومت پر تنقید کی ابتدا خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد شروع ہوئی تھی جب بہت سارے مسلم ممالک نو آبادیاتی نظام کے تابع تھے اور اس سے گلو خلاصی کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ مغربی نظم حکومت جسے قانونی یا شہری حکومت کہا جاتا ہے کے بارے میں مسلم مفکرین کے تین طرح کے رد عمل موجود ہیں۔

۱) **کلی رد:** ایک طبقہ وہ ہے جس کا خیال کہ قانونی ریاست ایک غیر اسلامی حکومت ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ شہری حکومت لبرل ازم اور سیکولرازم کا راستہ ہے اس راستے سے مذہب کو ریاست سے بے دخل کر دیا جاتا ہے۔ لہذا یہ نظام ہمیں قبول نہیں۔

۲) **کلی قبول:** دوسرا گروہ جن کا خیال ہے کہ نظم حکومت سے متعلق مذہب ہماری کوئی راہنمائی نہیں کرتا۔ اگر عصر حاضر میں ہمیں ترقی کرنی ہے اور تہذیب یافتہ اقوام کے ساتھ قدم ملانا ہے تو مغربی نظام کو اختیار کرنا ضروری ہو گا۔

۳) **درمیانہ موقف:** مغربی نظام حکومت میں سے سب کو قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔ جو چیزیں مذہب کے ساتھ متصادم نہیں ہیں انہیں اپنانے میں کوئی حرج نہیں اور جو امور ہمارے مذہب میں ممنوع ہیں ان کو رد کرنے میں عافیت ہے۔

معاشرتی ادوار

دور وحشت وبربریت

ماہرین معاشریات قدیم ترین معاشرے کے مذہب کو مظاہر پرستی کا نام دیتے ہیں۔ جس کا بنیادی نظریہ تھا کہ تمام مظاہر فطرت روح رکھتے ہیں اور یہ ارواح انسانی معاملات میں دخل رکھتے ہیں۔

صدیوں سے انسانی سماج کے ارتقاء پر جو بھی کام ہوا ہے اس سے قطعی طور پر انسان کے ابتدائی سماج کی حالت معلوم نہیں ہو سکی، انسانی سماج جب دور حیوانیت سے نکل کر دور انسانیت میں داخل ہوا تو انسانوں کے باہمی رشتے کیا تھے اور وہ اپنے اطراف و اکناف کی قدرت کی طاقتوں کا مقابلہ کس طرح کرتا تھا۔ اس ابتدائی دور کا انسان آج دنیا کے کسی حصے میں نہیں ملتا اس لیے حتمی نتیجہ تک پہنچنا دشوار ہے۔ البتہ حیاتی سائنس اور ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی مدد سے سائنسدان کی فکر اس پر منتج ہوئی ہے کہ اس ابتدائی دور میں یعنی دور وحشت میں انسان انسانیت کے ابتدائی مدارج سے گزر رہا تھا۔ گرم و نیم گرم علاقوں میں رہتا تھا۔ اپنے لیے جگہ زیادہ تر درختوں پر بناتا تھا اس کے علاوہ وحشی درندوں سے حفاظت کا اور راستہ نہیں تھا۔ غذا کے لیے وہ پھلوں اور درختوں کی جڑوں سے کام لیتا تھا۔ اندازہ ہے کہ یہ دور تقریباً دو ہزار برس تک رہا۔ (۱)

دور بربریت کی اہم خصوصیت قبیلہ بندی ہے۔ یہاں ہر قبیلہ کئی چھوٹے چھوٹے گروہوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ ان میں محنت یا کام کی تقسیم صرف اصناف کے درمیان ہوتی تھی۔ عورتوں کے ذمہ گھر کی دیکھ بھال اور کھانے اور کپڑے وغیرہ کی تیاری ہوتی تھی۔ مرد لڑائیوں پر جاتے اور جانوروں و مچھلیوں کا شکار کرتے تھے۔ عورت کی حکمرانی گھر پر ہوتی تھی اور مرد کا درجہ گھر میں دوسرا ہوتا تھا۔ مرد اور عورتیں دونوں اپنی ضرورت کے ہتھیار اور اوزار بناتے تھے اور دنوں اس کے مالک ہوتے تھے۔ گھریلو کام اکثر کئی خاندان مل کر کرتے تھے۔ جو چیزیں مل کر تیار کی جاتیں وہ سب کی مشترکہ ہوتی تھیں جیسے مکان، باغ اور کشتیاں وغیرہ۔

بربریت کے دور کی صنعتی ترقی میں دو چیزیں خاص طور پر اہم ہیں۔ ایک تو دھاتوں کا حصول اور ان سے مختلف چیزیں بنانا، جبکہ دوسرا موتی اور دھاگہ کی کاریگری، ان صنعتوں کے علاوہ مویشیوں کی پرورش اور زراعت کی دریافت نے اس زمانے کے انسان میں اتنی صلاحیت پیدا کر دی تھی کہ اب وہ تمام چیزیں نہ صرف اپنی ضرورت کی تکمیل کے لیے تیار کرتے بلکہ اپنی ضروریات سے بھی زیادہ تیار کرنے لگے۔ اس طرح ہر شخص اور ہر قبیلہ کا کام بڑھ گیا۔ اس کے بعد ضرورت محسوس ہونے لگی کہ کام میں ہاتھ بٹانے کے لیے زیادہ آدمی مہیا کئے جائیں۔ جنگوں نے اس ضرورت کو پورا کرنا شروع کر دیا۔ اب قیدی قتل کرنے کی بجائے غلام بنائے جانے لگے اور ان سے کام لیا جانے لگا۔ یعنی لوگوں کی کارکردگی میں اضافہ سے دولت بڑھی۔ دولت کے اضافے سے پیدائش دولت کا میدان وسیع ہو گیا۔ اور محنت و محنت کرنے والوں کی جماعت کی سب سے پہلی تقسیم عمل میں آئی۔ (۲)

لیکن مذہب اور روح سے متعلق مختلف تصورات ابتدائی معاشرے سے ہی پائے جاتے ہیں۔ اور جیسے جیسے انسانوں کا غلبہ نیچر اور اس کی قوتوں پر بڑھتا ہے ان تصورات میں بھی نمایاں تبدیلی ہوتی جاتی ہے۔ انسان کے بالکل ابتدائی معاشرے

---

(۱) دیکھیے: سماج کا ارتقاء کلیم اللہ، سنگم پبلیشرز لاہور، ۱۹۹۵ء، ص: ۱۴

(۲) دیکھیے: انسانی سماج، خالدہ ناہید، اردو اکاڈمی دہلی رجسٹرڈ، راج کمل پرکاشن لمیٹڈ، ۱۹۸۴ء، ص: ۲۱

میں جب کہ وہ ابھی تک نہ صرف نیچر پر ہی کسی قسم کا قابو حاصل کر سکا تھا بلکہ ہر چیز میں نیچر کا محتاج تھا۔ اسے غذا اس وقت ملتی جب موسم ساز گار ہوتا اور باغات میں پھل ہوتے۔ نتیجۃً وہ سمجھنے لگا کہ زندگی کا سارا دارومدار انہی درختوں پر ہے۔ اگر درخت پھل دینا بند کر دیں تو وہ بھوکا مر جائے۔ اسی طرح درخت کے علاوہ باقی تمام چیزیں جن کا وہ محتاج تھا۔ خوف انسانی کی پیش رفت یہ ہوئی کہ آہستہ آہستہ ان سے ڈرنے اور ان کا احترام کرنے لگا اور نیچر کی مختلف صورتوں کی پرستش شروع کر دی۔ دور بربریت کے آخری دور تک مورتیوں کی پوجا داخل نہیں ہوئی تھی کیونکہ ان کا مذہب نیچر کی پرستش تھا۔[۱]

دور جدید اور سیاسی معاشریات (Modern Era and Political Sociology)

سیاسی علوم (Political Sciences) پر باقاعدہ تحقیق و تدریس کا سلسلہ اُنیسویں صدی کے اَواخر میں شروع ہوا جب برطانیہ میں لندن سکول آف اکنامکس اینڈ پولیٹیکل سائنسز کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کے بعد یورپ اور امریکہ کی دیگر جامعات میں اس کو مستقل مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جانے لگا۔

"جہاں تک سیاسی معاشریات (Political Sociolgy) کا تعلق ہے تو اسے بیسیوں صدی کے وسط میں تحقیق کا موضوع بنایا گیا۔"[۲]

اگرچہ سیاسی معاشریات کو باقاعدہ فن اور مضمون کا رتبہ تو عصر حاضر میں حاصل ہوا لیکن غیر مرتب طور پر اس پر کسی نہ کسی حوالے سے کام ماضی میں بھی ہوتا چلا آیا ہے۔ اس کا اندازہ افلاطون[۳] (Plato) کی کتاب "جمھوریہ" (**Republic**) اور ارسطو (Aristotle) کی کتاب "سیاست" (Politics) سے کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں مسلم مفکرین نے بھی اس فن

---

(۱) دیکھیے: سماج کا ارتقاء، ص:۴۳

(۲) نظریات علم الاجتماع، ص:۱۳۱

(۳) افلاطون ۴۲۸ ق م میں پیلوپونیسی جنگ کے شروع سالوں میں پیدا ہوا۔ وہ سقراط کا شاگرد تھا۔ افلاطون کے فلسفے میں سب سے زیادہ اہم مسائل یہ ہیں: مثالی ریاست، نظریہ اعیان (Theory of ideas) حیات ابدی (Immortality) نظریہ تخلق (Cosmogony) نظریہ علم (Epistemology) افلاطون کی اہم ترین کتاب ریاست (Republic) ہے۔ (فلسفہ مغرب کی تاریخ، ص:۱۴۹)

پر علمی کام کو آگے بڑھایا ہے، ابن خلدون نے مقدمہ میں سیاسی معاشریات کے بعض پہلوؤں پر تسلی بخش کام کیا ہے۔ اس کے علاوہ ماوردی(۱)، جوینی(۲)، غزالی، اور فارابی(۳) کی کتب میں اس علم کے آثار ملتے ہیں۔(۴)

مغربی مفکرین میں سے سینٹ اگسٹائن St. Augustines(۵)، میکاویلی (Niecalo d Bermardo Machivelli)(۶) اور جان لاک (John Locke)(۷) کے ہاں بھی سیاست و معاشرہ کے تعلق پر کلام کیا گیا ہے۔

---

(۱) الماوردي، علي بن محمد حبيب، أبو الحسن الماوردي (۳۶۴-۴۵۰ھ) بصرہ میں ولادت اور ابتدائی تعلیم کے بعد بغداد منتقل ہو گئے اور قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز ہوئے، شافعی فقہاء میں شمار ہوتے تھے، اعتزال کے مسلک کی طرف میلان رکھتے تھے لیکن ان کے شاگرد خطیب بغدادی نے آپ سے اعتزال کی نفی کی اور اس کا دفاع بھی کیا۔ کتابوں میں "كتاب الحاوي الكبير، كتاب نصيحة الملوك، كتاب التفسير واسمه كتاب النكت والعيون، كتاب أعلام النبوة" شامل ہیں۔ (تاريخ الإسلام وَوَفيات المشاهير وَالأعلام، للذهبي، دار الغرب الإسلامي، الأولى، ۲۰۰۳ء، ۹/۷۵۱)

(۲) امام الحرمین، عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجويني، أبو المعالي، (۴۱۹ھ-۴۷۸ھ) مکہ مکرمہ میں کثرت تدریس کے سبب سے امام الحرمین کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ فقہ، اصول فقہ، عقائد، علم الکلام اور سیاست پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مثلاً نهاية المطلب في دراية المذهب، البرهان، الكافية في الجدل، الشامل في أصول الدين۔ (تاريخ الإسلام للذهبي ص:۱۰/۴۲۴- معجم المؤلفين، ص:۶/۱۸۴)

(۳) الفارابي، محمد بن محمد بن طرخان بن أوزلغ، أبو نصر الفارابي، (۲۶۰-۳۳۹ھ) فارابی نے ارسطو کی کئی کتب پر شروحات لکھیں، اسی سبب سے معلّم ثانی یا ارسطو ثانی کہا گیا۔ مشہور شروحات میں "شرح ایساغوجی اور بطلیموس کی المجسطی" قابل ذکر ہیں۔ (تاريخ الإسلام للذهبي ص:۷/۷۳۱)

(۴) فی الفقه السیاسی، محمد أمزيان، مطبع النجاح الجديدة، المغرب، طبعة ۲۰۰۱ء، ص: ۴۰

(۵) سینٹ اگسٹائن St. Augustines (۳۵۴ء-۴۳۰ء) علم نجوم کو ناپاک اور جھوٹا علم کہتا تھا، خدا کی بستی The City of God شہرہ آفاق کتاب کا مصنف تھا۔ (فلسفہ مغرب کی تاریخ، ص:۴۲۱)

(۶) میکاویلی (۱۴۶۷-۱۵۲۷م) فلورنس کا باشندہ تھا۔ شہرہ آفاق کتاب "شہزادہ" (The Prince) نے یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں اہم کردار ادا کیا اس کے افکار نے یورپ کی مذہبی ریاستوں میں ہل چل برپا کر دی تھی۔ اس کا سیاسی فلسفہ سائنسی اور تجرباتی ہے جس کی بنیاد اس کے اپنے تجربات تھے۔ کتاب "مباحث" (Discourses) نے بھی خاصی شہرت حاصل کی۔ (فلسفہ مغرب کی تاریخ، ص:۵۸۴)

(۷) جان لاک John Locke (۱۶۳۲ء-۱۷۰۴ء) ڈیکارٹ کے فلسفے سے بہت متاثر تھا۔ ۱۶۸۸م کے انقلاب کا علمبردار تھا۔ An Essay on Human Understanding, First Letter on Toleration. کتابوں کا مصنف تھا۔ (فلسفہ مغرب کی تاریخ، ص:۶۹۴)

سیاسی معاشریات اور سیاسی علوم کا یوں ہے کہ بحث کے دائرہ کار تقریباً ایک جیسے ہی ہیں جیسے ریاست، دستور، پارلیمان، عوامی رائے اور سیاسی و اجتماعی ادارے، اسی موضوع پر ڈاکٹر موریس ڈوورجر (Maurice Duverger) نے مزید وضاحت کی:

" إِنَّ مفردات علم السياسية و علم الاجتماع السياسى مترادفة تقريباً ففى الكثير من الجامعات الأمريكية يتحدثون عن القضايا نفسها فى علم السياسية عند ما تعالج فى اطار قسم علم السياسية و فى علم الإجتماع السياسى عند ما تعالج فى إطار قسم علم الاجتماع، أماّ فى فرنسا فإن تعبير علم الاجتماع السياسى يسجل غالباً قطيعة مع المناهج القانونية أو الفلسفية التى هيمنت طويلاً على علم السياسة، وارادة تحليل بواسطة مناهج أكثر علمية، هذا الفوارق ليس لها أهمية علمية".[۱]

ترجمہ: علم سیاست اور سیاسی معاشریات کی اصطلاحات تقریباً ایک جیسی ہیں۔ امریکی جامعات میں علم سیاست پر بات چیت کرتے وقت انہی اصطلاحات کا استعمال ہوتا ہے اور جب سیاسی معاشریات زیر بحث ہوں تب بھی انہی پر کلام کیا جاتا ہے۔ جبکہ فرانس میں سیاسی معاشریات کو قانونی اور فلسفی مناہج کا جزو گردانا گیا جو عرصہ طویل سے علم سیاست کے دائرے میں داخل رہے۔ ان دونوں کے درمیان فرق کی عملاً کوئی اہمیت نہیں۔

پولیٹیکل سائنسز ایک وسیع علم ہے یہ متعدد شعبوں کو شامل ہے۔ تاریخ، قانون، جغرافیہ، اقتصاد اور دیگر ظواہر جو سیاسی معاشریات کے ضمن میں بھی داخل ہوتے ہیں۔ سیاسی معاشریات میں ریاست اور شہریوں کی نجی حیثیت کے ہم راہ دیکھا جاتا ہے کہ معاشرہ جو بھی افعال واعمال سرانجام دیتا ہے اس کے سیاسی اداروں پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔[۲]

سیاسی معاشریات میں درج ذیل امور زیر بحث آتے ہیں:

(۱) جدید ریاست کے مبادی

(۲) معاشرے میں طبقوں، نسلوں اور نظریوں کے درمیان کشمکش اور عدم مساوات کے اسباب اور قانون کا نفاذ

(۳) معاشرے میں موجود فرد اور اداروں کے کردار اور دائرہ کار کی تحدید

(۴) معاشرے میں طاقت اور کمزوری کی نفسیات کا مطالعہ

---

(۱) علم الاجتماع السياسى، د/موريس، ترجمة سليم حداد المؤسسة الجامعية للدراسات والنشر، طبعة ۲۰۰۱ء، ص:۵

(۲) انظر:فى الفقه السياسى، ص:٤٦

(۵) دنیامیں منصہ شہود پر آنے والے مختلف سیاسی نظاموں کا مطالعہ جیسے جمہوریت، آمریت، بادشاہت، خلافت، سرمایہ دارانہ نظام، اشتراکیت، لبرل ازم، قبائلی نظام وغیرہ

ابن خلدون ریاست کے نظم کو بیان کرنے میں بھی متقدم رہیں ہیں لہذا ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں ریاست کے نظم کو تین انواع میں منقسم کرتے ہوئے ان کی خصوصیات کو بھی ذکر کیا ہے۔ وہ تین انواع یہ ہیں:

(۱) **ملک طبیعی:** وہ حکومت مراد ہے جو اجتماعی عقل شعور سے وابستہ ہو اور نہ ہی شریعت سے، یہ ایک استبدادی نظم حکومت ہوتا ہے جس میں فرد واحد اپنی مرضی اورارادے سے جو چاہے کرتا ہے۔ یعنی ملک میں نہ وضعی قانون کی اجارہ داری ہوتی ہے اور نہ ہی شریعت کے احکامات کی۔

(۲) **ملک سیاسی:** یہ قانونی ریاست ہوتی ہے۔ اس میں اصحاب علم و دانائی قوانین وضع کرتے ہیں۔ جس کا مقصد معاشرے کی فلاح اور ریاست کی ترقی ہوتا ہے۔

(۳) **الخلافۃ:** یہ نظم حکومت شرعی احکامات پر استوار ہوتے ہوئے اپنے مقاصد یعنی حراست دین اور سیاست دنیا کے ساتھ وابستہ ہے۔ (۱)

ابن خلدون نے مقدمہ میں ریاست کے سیاسی ظواہر اور معاشرے کے ساتھ تعلق پر مفصل کلام کیا ہے۔ یہی وجہ ہوئی جہاں انہیں عام علم معاشریات کا بانی کہا جاتا ہے وہاں سیاسی معاشریات میں ان کی خدمات کو تسلیم بھی کیا جاتا ہے۔ ان سے پہلے کی مسلم سیاسی فکر میں سیاست و ریاست کے باب میں سلطانی آداب پر توجہ مرکوز رکھی جاتی تھی۔ اموی دور کے مشہور ادیب ابن المقفع نے سلطانی آداب کی بنیاد رکھی اور اپنی کتاب الأدب الکبیر اور الأدب الصغیر میں بادشاہ کو عوام کے ساتھ معاملات کرنے کے طریقے بیان کئے۔ چونکہ ابن المقفع فارسی النسل تھا اس نے عباسی خلافت کے لیے کتب تصنیف کیں جس طرح ساسانی بادشاہوں کے لیے فارسی ریاست کے حکماء اور دانا تصنیف کیا کرتے تھے۔ اس کا عکس الادب الکبیر اور الادب الصغیر میں واضح ہے۔ مصنف نے ان میں ریاست کا نظم چلانے کے لیے حکماء کے اقوال کثرت کے نقل کئے ہیں۔ ابن المقفع کے بعد بھی سلطانی آداب کا سلسلہ جاری رہا۔ متکلمین اور فقہاء نے بھی اس میں خوب طبع آزمائی کی۔ اس پورے عرصے کے دوران کسی نے بھی سیاست کی مبادیات، طاقت کی تعریف، اقتدار کا دائرہ کار، عوام کی نمائندگی، حکومت کی اقسام، ریاست کی عمر، عروج وزوال کے اسباب اور اس جیسے دوسرے بہت سے موضوعات تشنہ رہے۔ شیعہ متکلمین نے

---

(۱) انظر: مقدمة، ابن خلدون، ص: ۵۱۳

سیاسی معاشریات پر قطعاً کوئی گفتگو نہیں کی، حالانکہ علم کلام میں سیاست پر لمبی لمبی بحثیں ہوئیں۔ مگر اہل تشیع کے نزدیک حکومت چونکہ ائمہ کا حق ہے اور خدا کے نمائندے تصور کیے جاتے ہیں اس لیے نظم حکومت پر انسانی اور وضعی قوانین کا خیال اپنی جگہ نہ بنا سکا۔ اہل تشیع کے ہاں حکومت کا نظم بادشاہی وراثتی اور خالص الوہی ہے۔ اس لیے ان کا لٹریچر سیاسی معاشریات کی مباحث سے خالی رہا۔ البتہ عصر حاضر میں سنی اور شیعہ مفکرین بھی اس موضوع پر کتب تصنیف کر رہے ہیں، لیکن یہ تبدیلی مغربی جمہوریت کے زیر اثر ہے لہٰذا اس باب میں معاصر مسلم مفکرین کا منہج اور طرز فکر وہی ہے۔ جو مغرب کی غالب تہذیب کا ہے۔ (۱)

حاصل کلام: انسانیت کے نقطہ آغاز سے جب انسان وحشیانہ زندگی بسر کرتا تھا وہ تہذیب و تمدن کی زندگی سے دور تھا سائنس کے نظریہ ارتقائی نظریہ سے انسانیت کے آغاز کے مدارج کو سمجھنے میں اعانت ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز میں نیچر کا محتاج تھا۔ اس کی زندگی کا دارومدار نیچر کے رحم و کرم پر تھا۔ اس دور میں بھی انسان کا آپس مل کر رہنے کے لیے مختلف معاہدے اور طبقاتی زندگی کا ثبوت ملتا ہے اور اس نے اپنی معیشت، خواہشات و ضروریات کی آسودگی کے لیے یا پھر قدرتی حالت سے مقابلہ کرنے کے لیے اور مذہبی تسلی کا سامان مظہر فطرت سے تلاش لیا تھا۔

معاشرے کا قدیم تخیل ہو یا جدید تصور یا پھر یورپ کا دورِ سیاہ سے ترقی یافتہ معاشرہ تک کا سفر ان تمام میں کچھ قدریں مشترک رہیں ہیں۔ اسی طرح ایک معاشرہ دوسرے پر اثر انداز ہوتا ہے یا ٹکراؤ کے نتیجے میں مختلف افکار کی تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔ فلسفہ، نفسیات، سیاسیات اور اقتصادی نظام علم معاشریات پر گہرا اثر ورسوخ رکھتے ہیں۔ یہی تمام عوامل معاشرتی توہمات میں بھی موثر ہوتے ہیں۔ مذہب، شریعت اور قانون کسی بھی سیاسی معاشرے کی اساس ہیں۔ انہی اساسیات کو سمجھ لینے سے توہمات جیسے امراض کی روک تھام ممکن بنائی جاسکتی ہے۔

مدعا یہ واضح ہو جاتا ہے کہ توہم پرستی ایک انسانی و معاشرتی مسئلہ ہے تقریباً تمام معاشروں میں توہم پرستی کی بنیادیں موجود رہیں ہیں۔ مذہبی اور اخلاقی معیار ہوں یا قدیم دور کی معاشیات جو دولت پرستی اور خود غرضی پر مبنی تھی ان جیسے تمام معاشروں میں انسانی ضرورت، آسائش زندگی، اور انسانی فلاح و بہبود کے عوامل معاشرے کی نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں، ہر قوم و علاقے کے اپنے مسائل و مقاصد کے ساتھ کچھ افکار و نظریات مشترکہ بھی ہوتے ہیں وہ معاشرے کے بنیادی و اساسی عناصر تسلیم کیے جاتے ہیں۔

---

(۱) انظر: علم الاجتماع الخلدونی، حسن الساعاتی، دارالنهضة العربیة، بیروت، طبعة ١٩٧٤ء، ص:٦٣

فصل دوم: اسلامی معاشرہ کی اساسیات

مبحث اول: عقائد و اخلاقیات

مبحث ثانی: جدید سماجی اقدار

فصل دوم: اسلامی معاشرہ کی اساسیات

(Basics of the Islamic Society)

اسلامی معاشرے کی بنیاد عقائد اور اعلیٰ اخلاق پر ہے اسلامی معاشرے کی اساسیات کی عملی تشریح آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ ہیں جو درحقیقت صفات الٰہی کا پرتو ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا ادنی ترین مظہر ہے وہی اخلاق اچھے ہیں جو صفات ربانی کا عکس ہو اور جو اس کی صفات کے برعکس ہوں انہیں سرے سے اخلاق حسنہ میں شمار نہیں کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے انسانی معاشروں کی دو قسمیں تھیں ایک وہ جن کی بنیاد کسی دین پر رکھی گئی جیسے کہ انبیا علیہم السلام کی تعلیمات اور دوسرے وہ وجود مختلف زمانے کے مصلحین کی عقل و دانائی کا ثمر تھے۔ ان دونوں معاشروں کی خصوصیات الگ الگ تھیں دینی بنیادوں پر قائم ہونے والے معاشروں کا ماخذ من جانب اللہ بھیجی گئی تعلیمات اور عقائد تھے اور ان معاشروں کو قائم کرنے والوں نے اپنے تیئں احکام خداوندی کے آگے جھکا دیا۔ دوسرے قسم کے معاشروں میں اخلاق کی غرض و غایت متعین کرنے کے لیے انسانی کاوش کی گئی نتیجۃً اخلاق کی اقدار کو متعین کرنے میں اختلاف ہوا اور بہت کم لوگوں کو ان اخلاقی اقدار پر عمل کی توفیق ہوئی۔ اس لیے ایسے معاشرے ہر دور میں ناقص رہے۔

اسلامی معاشرہ کی اساس میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے تکمیل دین تک کا تمام زمانہ شامل ہے، ایمانیات و اخلاقیات اس کا جزو لازم رہا۔ آپ ﷺ نے اخلاق کو ایمانیات کا لازمی عضو مقرر کیا اور ایسی ایمانیات کو ناقص قرار دیا جو اخلاقی صفات سے عاری ہوں۔ یہ وہ اصول ہے جس نے اسلامی معاشرے کو دوسرے دنیاوی معاشروں سے ممتاز کر دیا۔ دنیا میں کئی مصلح ایسے تھے جنہوں نے انسانیت کی رہنمائی کا دعویٰ کیا۔ لیکن خود ان کی اپنی زندگیاں ان کے دعوؤں کے خلاف تھیں۔ یہ لوگ سچائی اور راست بازی کی حقیقت پر لمبے لمبے خطبے تو دے سکتے تھے لیکن خود ان صفات سے عاری تھے۔ اس کے مقابلے میں انبیا عَلَیۡہِ ٱلسَّلَامُ نے جو معاشرے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل پر قائم کیے وہ سچائی اور راست بازی کے کامل نمونے تھے کیونکہ انبیا عَلَیۡہِ ٱلسَّلَامُ لوگوں کو جس چیز کی دعوت دیتے تھے وہ خود ان پر پہلے عمل کر کے اس کا بہترین نمونہ اپنی امتوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اسلامی معاشرہ ایک بامقصد اور فطری معاشرہ ہوتا ہے جو اپنی اساسیات میں ہدایاتِ ربانی پر مبنی ہوتا ہے۔ مثالی معاشرہ ثبات و تغیر کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اجتماعیت و انفرادیت میں توازن کا حسین امتزاج ہوتا ہے۔

اسی امتزاج کے پیش نظر اسلامی معاشرہ کے نمایاں خدوخال اور خصوصیات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

مبحث اول: عقائد واخلاقیات

فکری وحدت

انسانی زندگی کا وجود معاشرے کے بغیر ممکن نہیں آپ ﷺ نے معاشرے کی تشکیل میں ایمان یعنی بنیادی عقائد کو ذکر کر کے تمام انسانیت کو ایک فکری وحدت میں پرو دیا ہے۔ اسلام میں ایمان کے بغیر اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ[۱] تحریر کرتے ہیں:

"دنیا کی تمام قوتیں صرف جسم پر حکمران ہیں مگر ایک قدرت والا ہے جو دل پر حکمران ہے چنانچہ یہ عقائد ضروری ہے کہ ہم کو اس ہستی کے آگے اپنے تمام کاموں کا جواب دہ ہونا ہے اور ایک دن کہ ہم کو اس ہستی کے آگے اپنے تمام کاموں کا جواب دہ ہونا ہے۔ جب تک یہ دو خیال دل و دماغ میں جاگزیں نہ ہوں گے۔ اچھے اعمال کا اچھے ارادے سے وجود قطعی محال ہے اسی لیے وحی الٰہی نے خدا اور قیامت پر ایمان لانا، ہر نیک کام کی بنیاد تسلیم شدہ ہے بغیر اس کے ہر کام محض ریا اور نمائش رہ جاتا ہے"[۲]

ارشاد الٰہی ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُبْطِلُوا۟ صَدَقَـٰتِكُم بِٱلْمَنِّ وَٱلْأَذَىٰ كَٱلَّذِى يُنفِقُ مَالَهُۥ رِئَآءَ ٱلنَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ...﴾[۳]

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی خیراتوں کو جتا کر یا ستا کر برباد نہ کرو جس طرح وہ برباد کرتا ہے جو اپنے مال کو ریاکاری کے لیے خرچ کرتا ہے اور خدا اور آخری دن پر یقین نہیں رکھتا۔

دینِ اسلام میں اگر ایمان نہ ہو محض اعمال کی قبولیت نہیں، اعمال اسی وقت قابلِ قدر ہیں جب ایمان کی بنیاد بنا کر انہیں کیا جائے۔ اسی فکری وحدت کے نتیجے میں اعمال کی یگانگت مضمر و پوشیدہ ہے۔ تمام مسلمان میں اسلامی اخوت کا جذبہ بیدار ہونا اسی فکری وحدت کا پیش خیمہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

---

(۱) ندوی، مولانا سید سلیمان (۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء — ۲۳ نومبر ۱۹۵۳ء) اردو ادب کے نامور سیرت نگار، عالم، مؤرخ اور قابل قدر کتابوں کے مصنف رہے، سیرت النبی ﷺ کا شمار شاہکار کتب میں ہوتا ہے۔ ۱۹۴۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی سند عطا کی۔ تقسیم ہند کے بعد ۱۹۵۰ء میں پاکستان آ گئے اور مقیم کراچی میں ہوئے، اور وہیں مدفون ہوئے۔ (پرانے چراغ، ابوالحسن علی ندوی، مکتبہ فردوس لکھنو، ص:۱۵)

(۲) سیرت النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، مکتبہ اسلامیہ لاہور ۲۰۱۲ء، ۶/۳۴۵

(۳) البقرۃ۲:۲۶۴

﴿وَٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتَ ٱللَّهِ عَلَيۡكُمۡ إِذۡ كُنتُمۡ أَعۡدَآءً فَأَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوبِكُمۡ فَأَصۡبَحۡتُم بِنِعۡمَتِهِۦٓ إِخۡوَٰنًا...﴾ (۱)

ترجمہ: اور اللہ کا جو انعام تم پر ہوا اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب باہمی حریف تھے، پھر اللہ نے تمہارے قلوب کو موہ لیا اور تم اللہ کے فضل سے باہم بھائی بھائی ہو گئے۔

اسی طرح تمام عقائد اور فکری وحدت کی غرض وغایت رضائے الٰہی کو قرار دیا ہے۔

اسلام میں تمام نیک کاموں کی غرض وغایت ایک ہی قرار دی گئی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی ہے ایک سچے مسلمان کو صرف اسی کی خاطر کام کرنا چاہیے اور اس کے سوا کسی دوسری غرض کو اپنی کام کی بنیاد نہیں بنانا چاہیے پس اگر فلسفہء اخلاق اور اسلامی اخلاق کے اصول کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔ حکمائے اخلاق یہ ڈھونڈتے ہیں کہ انسانی اخلاق کی غرض و غایت کیا ہوتی ہے اور معلمِ حکمت صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ کی تعلیم میں انسان کو اپنے اخلاق کی غرض و غایت کی پہچان ملتی ہے کہ انسان کے پاس دو ہی دولتیں ہیں: جان ومال، اور انہی دونوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا ایثار اور حُسن عمل ہے۔ (۲)

قرآن مجید میں اللہ اپنے بندوں کو خوشخبری دیتا ہے:

﴿وَمَن يَفۡعَلۡ ذَٰلِكَ ٱبۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ ٱللَّهِ فَسَوۡفَ نُؤۡتِيهِ أَجۡرًا عَظِيمًا﴾ (۳)

ترجمہ: اور جو یہ تمام کام خدا کی منشا و مرضی کو حاصل کرنے کے لیے کرے گا، تو ہم اس کو عظیم بدلہ عنایت کریں گے۔

احساسِ ذمّہ داری

مسلمانوں میں اجتماعی شعور کے سلسلے میں معاشرتی ذمہ داری کا احساس نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ معاشرے کے تمام افراد کو احساس دلایا گیا جو غلط کام کرے گا اس کا نتیجہ صرف اسے بھگتنا ہو گا۔ کوئی بھی دوسرا اس کے گناہوں کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گا اگر کوئی دوسرا فرد غلط کام کرے گا تو اپنے غلط کام کا وہ خود ذمہ دار ہو گا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزۡرَ أُخۡرَىٰ... ﴾ (۴)

---

(۱) آل عمران ۳:۱۰۳

(۲) دیکھیے: سیرت النبی ﷺ، ۳۵۱/۶

(۳) النساء ۴:۱۱۴

(۴) الفاطر ۳۵:۱۸

ترجمہ: اور کوئی دوسرے کا بوجھ (گناہ کا) نہ اٹھائے گا۔

جب انسان میں یہ احساس پیدا ہو جائے تو پھر وہ گناہ کے کاموں سے اپنا دامن بچاتا ہے اس طرح اسلامی معاشرہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اسلام نے معاشرے کے تمام افراد میں فرض شناسی کا احساس پیدا کرنے کے لیے فرائض کی ادائیگی پر زور دیا ہے تاکہ دوسروں کے حقوق پورے ہوں سکیں۔ حقوق اور فرائض میں تلازم جانبین سے ہے۔ایک کا حق ہمیشہ دوسرے کا فرض ہوتا ہے اگر فرائض بروقت ادا کر دیے جائیں تو حقوق کے مطالبے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

«كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالمَرْأَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ».[1]

ترجمہ: تم میں سے ہر شخص نگران ہے اس کی رعایا کے متعلق سوال ہو گا۔ حاکم وقت نگران ہے وہ زیر حمایت سے متعلق مسئول ہو گا۔ آدمی اپنے اہل خانہ کا نگران ہے، اس سے اہل خانہ سے متعلق سوال ہو گا۔ بیوی اپنے خاوند کے گھر میں حکومت رکھتی ہے نیز بیوی سے اس کی رعیت کے متعلق سوال ہو گا۔ اور خادم آقا کے اموال میں حکومت رکھتا ہے، وہ بھی اس کے متعلق مسئول ہو گا۔

اسلامی معاشرے کی اہم خصوصیت حقوق الٰہی کی ادائیگی ہے۔ حقوق الٰہی سے مراد عبادت کا وہ سلسلہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی تربیت و اصلاحِ کار کی خاطر مقرر کیا ہے انہیں اللہ تعالیٰ کے حقوق صرف اسی خاطر کہا جاتا ہے یہ عبادت خدائے بزرگ و برتر کی جانب سے فرض قرار دی گئی ہے لیکن اگر ان عبادات کے فوائد اور حکمتوں پر نظر ڈالی جائے تو ان کا مقصد انسان کی اپنی اور معاشرے کی اصلاح ہے۔ یہ عبادات ہر انسان میں صالحیت کی صفت پیدا کرتی ہے۔ جب فرد اور معاشرہ اللہ تعالیٰ کے ان حقوق کو ادا کر کے صالح اور نیک بن جائیں تو ان کا اجتماع، معاشرے کے لیے خیر و برکت کا موجب ہو گا۔ اس اصول کی بنیاد پر وہ اسلامی معاشرہ قائم ہو سکتا ہے۔ جو فرمانِ الٰہی کا اس دنیا میں مقصد اول ہے۔

علم و حکمت

اسلامی معاشرے کی بنیاد علم و حکمت پر رکھی گئی ہے۔ جزیرۃ العرب کے جہالت زدہ اور تہذیب سے ناآشنا ماحول میں قرآن کریم کی جو آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں وہ "علم و قلم" سے متعلق تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو کچھ نعمتیں اپنے بندوں کو مرحمت فرمائیں، ان میں مال و دولت یا عزت و وجاہت کسی کے بارے میں اضافہ کی تمنا کرنے کو نہیں کہا گیا صرف علم کے حصول کے لیے یہ تلقین کی گئی کہ "میرے رب مجھے اور زیادہ علم عطا فرما"۔

---

(۱) البخاری، صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، تحقیق:محمد زهير بن ناصر ، دار طوق النجاة، طبعة ١٤٢٢ھ، كتاب في الاستقراض وأداء الديون والحجر والتفليس، باب العبد راع في مال سيده، حديث نمبر:٢٤٠٩، ٣/ ١٢٠

حکمت کے تناظر میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يُؤْتِي ٱلْحِكْمَةَ مَن يَشَآءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ ٱلْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴾[۱]

ترجمہ: وہ جسے چاہتا ہے حکمت و دانائی دیتا ہے، اور جس کو حکمت و دانائی عطا ہو گئی اسے وافر مقدار میں بھلائی مل گئی۔ اور عبرت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو سمجھ کے مالک ہیں۔

قرآن حکیم نے انسانی زندگی سے علم کا مضبوط رشتہ قائم کیا ہے اور اسی لئے قرآن حکیم کو سرچشمۂ ہدایت اور خزینۂ حکمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید اسمائے حسنیٰ میں سے علیم اور حکیم پندرہ مقامات پر ساتھ ساتھ ذکر کرتا ہے۔ جس سے علم و حکمت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ قرآن حکیم جابجا نشانیاں اور آیات میں تدبر کرنے والوں کے لئے، عقل و فہم والوں کے لئے اور نصیحت پکڑنے والوں کے لئے جیسے کلمات ادا کر کے تمام انسانوں کو غور و خوض کی دعوت دی گئی۔

علم کی تعریف "جاننا" سے کی جاتی ہے۔ یعنی "اَلْعِلْمُ اِدْرَاکُ الشَّیئِ بِحَقِیْقَتِہٖ". علم کسی شے کی حقیقت کو جان لینے کا نام ہے۔ حکمت کا لفظ دانائی ہی کی باتوں کے لیے معروف و مشہور ہے۔ حکمت کا سرچشمہ انسان کے خارج میں نہیں ہوتا، بلکہ انسان کے اندر یعنی اس کی فطرت میں ہی پنہاں ہوتا ہے، اسی سبب سے حکمت کے طالبگار کو اپنے نفس کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ قرآنی حکمت کے مفہوم میں معانی کا جہان آباد ہے اسی لیے سلف صالحین کے دور میں حکمت کے مفہوم کے تعین میں تفاوت واقع ہوا ہے۔

مشہور مفسر حمید الدین فراہیؒ[۲] نے حکمت کی تعبیر کے اختلاف کو رفع کرنے کی عمدہ کاوش کی ہے:

"حکمت کی تعبیر اس قوت سے کی ہے جس کے باعث آدمی حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ اس قوت کے اثرات کلام کی حقانیت، اخلاق کی پاکیزگی اور حسن ادب کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں"۔[۳]

حمید الدین فراہیؒ حکمت کی بعض خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حکمت کی بات عقل و دل کے نزدیک نہایت بدیہی اور واضح ہوتی ہے۔ اس کو ثابت کرنے کے لیے مزید دلائل کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ حکمت ایک نور ہے۔ جس طرح روشنی سے اردگرد کی تمام

---

(۱) البقرۃ ۲:۲۶۹

(۲) حمید الدین فراہی (۱۸۶۳ء–۱۹۳۰ء) برصغیر پاک وہند میں دین اسلام کی تعبیر جدید کے حوالے سے مفسر قرآن مشہور ہیں۔ درس نظامی کی اکثر کتابیں پھوپھی زاد بھائی علامہ شبلی سے پڑھیں، فلسفہ جدیدہ معروف مستشرق پروفیسر آرنلڈ سے پڑھا، کثیر التصانیف تھے۔ (یادرفتگاں، سید سلیمان ندوی، مجلس نشریات اسلام کراچی، ص:۱۱۰)

(۳) حکمت قرآن، علامہ حمید الدین فراہی، مترجم خالد مسعود، دائرہ حمیدیہ اعظم گڑھ، ص:۱۳

چیزیں جگمگا اٹھتی ہیں، اسی طرح حکمت کے نور سے آدمی کا علم منور ہو جاتا ہے۔ پھر جس طرح آگ کا اثر حرارت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور ہر شخص اس کو محسوس کر لیتا ہے، اسی طرح حکمت بھی اپنے اثرات سے پہچانی جاتی ہے۔ جب یہ کسی شخص کے اندر پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے اندر حق شناسی کا ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی زبان سے جو بات نکلتی ہے حق نکلتی ہے اور اس سے جو فعل صادر ہوتا ہے، ٹھیک صادر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حکیم آدمی کا دل اپنے اندر رفعت محسوس کرتا ہے، اس کا کلام نہایت دل نشین ہوتا ہے، اس کا عمل نیکی پر مبنی ہوتا ہے اور وہ اعلیٰ اخلاق کا مجسمہ ہوتا ہے"۔ [۱]

حکمت کا اصل مطمح نظر حقائق اور مسلمہ چیزوں کا بیان ہے لیکن یہ اصول پیشِ نظر رہنا ضروری ہے کہ حقائق اور قرآنی آیات میں تضاد نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہو سکتا۔ تضاد و غلط فہمی حقیقت میں ہمارے ناقص علم کا نتیجہ ہے۔

سادہ طرز زندگی

اسلام کی تعلیمات سادہ، عام فہم اور قابل عمل ہیں۔ بنیادی عقائد کی تفہیم ہوں یا عبادات کی ادائیگی جسے اتنا آسان اور قابل عمل بنا دیا گیا ہے کہ انہیں ہر شخص انجام دے سکتا ہے۔ اسلامی معاشرے کی ایک خصوصیت سادہ طرز زندگی کا اپنانا بھی ہے اسلام زندگی میں بے جا نمود نمائش کو پسند نہیں کرتا۔ سادہ عمل اپنانے سے معاشرے کے مسائل از خود ختم ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور یہ طرز زندگی انسانی مساوات کا ایک مؤثر ذریعہ بن جاتی ہے انسان کے پاس مال و دولت ہو وہ اسے عیاشی میں صرف کرنا چاہتا ہے۔ اس وقت اس کے لیے سادہ طرز زندگی اپنانا مشکل ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہر قسم کی مالی سہولت میسر ہونے کے باوجود سادہ زندگی گزار کر مسلمانوں کے لیے عملی نمونہ پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی تمام حیات سادگی اور بے تکلفی میں گزری۔ کسی قسم کے لوازمات امارت و غنا اپنے گرد جمع ہونے نہ دیے۔

اسی ضمن میں حضرت عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ [۲] نبی کریم ﷺ کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کو ایک ریشم کے کپڑے کی قبا بطور ہبہ دی گئی۔ آپ ﷺ نے اسے زیب تن فرما کر نماز ادا کی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد آپ نے اس کو جلدی سے اتار دیا جیسے آپ اس سے ناگواری محسوس کرتے ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) حکمت قرآن، ص: ۱۴

(۲) عقبہ بن عامر بن عبس جہنی، اَبو حماد ہے۔ آپؓ حضرت معاویہ بن اَبی سفیان کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے دورِ معاویہ میں مصر کے حاکم مقرر ہوئے۔ آپؓ نے وہیں ۵۸ ہجری میں وفات پائی۔ آپؓ سے صحابہ میں سے جناب ابن عباس، جناب اَبو عباس، جناب اَبو اَیوب، جناب اَبو اَمامہ و دیگر اور تابعین میں سے اَبو الخیر، علی بن رباح، اَبو قبیل، سعید بن المسیب اور دیگر روایت حدیث

«لاَ يَنْبَغِي هَذَا لِلْمُتَّقِينَ».[۱]

ترجمہ: یہ (ریشمی لباس) متقین کے لیے مناسب نہیں۔

رسول اکرم ﷺ نبوت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود اسلامی مملکت کے سربراہ بھی تھے اس دور میں ممالک کے سربراہ عالی شان محلات میں رہتے تھے اور آج بھی رہتے ہیں لیکن آپ ﷺ نے اپنی ساری زندگی ایک ایسے مکان میں گذاری کہ جو مملکت کے ہر فرد کو میسر آسکتا تھا۔ آپ ﷺ اپنی اس عملی مثال کی روشنی میں ہرگز پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی مومن اپنی ضرورت سے زیادہ پر مکان بنائے۔ کھانے کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے سادہ زندگی کو اپنایا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حدیث نقل کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے میرا شانہ پکڑ کر فرمایا:

«كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ» وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ، يَقُولُ: «إِذَا أَمْسَيْتَ فَلاَ تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلاَ تَنْتَظِرِ المسَاءَ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ».[۲]

ترجمہ: دنیا میں اس طرح رہو گویا تم مسافر ہو یا راستے پر چلنے والے ہو۔" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: شام ہو جائے تو صبح کے منتظر نہ رہو اور صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو۔ تندرستی کی حالت میں وہ عمل کرو جو بیماری کے دنوں میں کام آئیں اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت خیال کرو۔

دین ودنیا کی وحدت کا تصور

اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب انسانی زندگی کو دین و دنیا کے احکامات و معاملات میں الگ الگ کرتے ہیں۔ دین و دنیا اپنے تمام شعبوں میں باہم ایک دوسرے سے متصادم اور متحارب دیکھائی دیتے ہیں۔ اسلامی معاشرے کی یہ اہم خصوصیت ہے کہ وہ دین و دنیا کی یکجائی کا علمبردار ہے۔ اسلام تمام انسانی اعمال کی جوابدہی میں نیت کو مدار ٹھہراتا ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ».[۳]

ترجمہ: انسانی اعمال کا انحصار ان کی نیتوں پر ہے۔

اعمال میں مطلوب و مقصود رضائے الٰہی اور اخلاص ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

کرتے ہیں۔(أسد الغابة، عز الدين ابن الأثير، أبو الحسن علي بن أبي الكرم الجزري، (المتوفى:٦٣٠هـ)، دار الفكر بيروت،طبعة ١٤٠٩هـ، ٥١/٤)

(۱) صحيح البخاری، كتاب الباس، باب القباء وفروج حرير، حديث نمبر:٥٨٠١، ١٤٤/٧

(۲) صحيح البخاری، كتاب الرقاق، باب قول النبي ﷺ: «كن في الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل» حديث نمبر:٦٤١٦، ٨٩/٨

(۳) صحيح البخاری، باب بدء الوحي، حديث نمبر:١، ص:٦/١

﴿وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤۡتُواْ ٱلزَّكَوٰةَۚ وَذَٰلِكَ دِينُ ٱلۡقَيِّمَةِ﴾ (۱)

ترجمہ: اور انہیں تو صرف یہی حکم ہوا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت یوں کریں کہ بندگی کو بالکل یکسو ہو کر صرف اسی کے لیے خاص رکھیں۔

اسی طرح اسلامی تہذیب کا مقصد دنیا کی اصلاح کے ساتھ آخرت کی بھلائی بھی ہے۔

﴿وَمِنۡهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِي ٱلدُّنۡيَا حَسَنَةً وَفِي ٱلۡأٓخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ﴾ (۲)

ترجمہ: اور بعض لوگ ایسے ہیں جو (دعا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ اے رب ہمارے! ہم کو دنیا میں بہترین عطا فرمایئے اور آخرت میں بہتری عنایت کیجئے اور ہمیں عذابِ آتش سے بچایئے۔

اسلام دین و دنیا کی مصنوعی اور غیر فطری تقسیم کو ختم کرتا ہے اور اسلام میں ترک دنیا کا کوئی جواز نہیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ (۳) لکھتے ہیں:

"جب دین و دنیا میں کھلا تضاد اور شدید رقابت قائم ہو نیز انہی سے ایک کا انتخاب کرنا پڑے، تو معاشی جدوجہد، غفلت وخدا فراموشی کے بغیر حکومت و سلطنت دینی و اخلاقی تعلیمات کو نظر انداز کئے اور خوف خدا سے خالی ہوئے بغیر، اور دیندار بننا تارک الدنیا ہوئے بغیر متصور ہی نہیں ہو سکتا۔" (۴)

انسان بنیادی طور پر سہولت پسند اور لذت کے حصول کی طرف جلد مائل ہونے والا واقع ہوا ہے، ایسے دین کا تصور جس میں دنیا کی کسی جائز منفعت، ترقی اور، طاقت و حکومت کے حصول کی گنجائش نہ ہو، انسانوں کی اکثریت بھی ایسا دین قبول کرنے سے عاجز رہے گی، چنانچہ تاریخ عالم سے پتہ چلتا ہے دنیا کے متمدن، ذہین، صاحب صلاحیت اور باعمل انسانوں کی بڑی تعداد نے اپنے لیے دین کی بجائے، دنیا کا انتخاب کیا، اور اسی کے حصول میں اپنے آپ کو مطمئن و راضی کر لیا، وہ دین کی تمام

---

(۱) البینة ۹۸:۵

(۲) البقرة ۲:۲۰۱

(۳) ابوالحسن، علی میاں صاحب ندوی رحمہ اللہ، (۱۹۱۴ء مطابق ۶ محرم ۱۳۳۳ھ - ۲۳ رمضان ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء) آپ رائے بریلی، یوپی انڈیا میں پیدا ہوئے، آپ ایک جلیل القدر عالم دین، مفکر اسلام، بلند پایہ ادیب وخطیب، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم و سرپرست، رابطہ عالم اسلامی مکۃ المکرمہ و مدینہ یونی ورسٹی کے رکن، دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے۔ مشہور کتابوں میں ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، تاریخ دعوت و عزیمت، شامل ہیں۔ (مولانا سید ابوالحسن ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو، سفیر اختر، ادارہ تحقیقات اسلامی؛ بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد ۲۰۰۲ء، ص:۷۷)

(۴) نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم، ابوالحسن علی ندوی، مجلس نشریات اسلام کراچی، ص:۶۳۰-۶۳۱

روحانی اور اخلاقی ترقیوں سے کنارہ کش ہو کر صرف دنیا کے حصول اور اس کی ترقی میں مشغول ہو گئے۔ آپ ﷺ کامل طور پر رسولِ وحدت ہیں۔ اور آپ ﷺ کا لایا ہوا دین مکمل ضابطہ حیات ہے۔ آپ ﷺ سے پہلے دین و دنیا کے تضاد کے نظریہ شدت سے موجود تھا۔ آپ ﷺ نے اس کو ختم کر کے پوری زندگی کو عبادت قرار دیا۔ حصول روزگار سے لے کر امور خانہ داری تک اور جنگ و بین الاقوامی قوانین تک، حسن عمل، خدمت خلق اور حصول رضائے الٰہی کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا۔

حلال کمائی

حلال کمائی وہ کمائی ہے جو انسان اپنی محنت سے جائز طریقوں سے حاصل کرے۔ اور کسی طرح بھی دوسروں کی کمائی میں حصہ دار بننے کی کوشش نہ کرے۔ زمانہ جدید کی اصطلاح میں اسے غریبوں کا استحصال کہا جاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُواْ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَٰلًا طَيِّبًا ...﴾ (۱)

ترجمہ: اے لوگو! زمین پر جو چیزیں حلال پاکیزہ ہیں ان کو کھاؤ۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَكُلُواْ مِمَّا رَزَقَكُمُ ٱللَّهُ حَلَٰلًا طَيِّبًا ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِىٓ أَنتُم بِهِۦ مُؤْمِنُونَ﴾ (۲)

ترجمہ: اور کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تم کو حلال پاکیزہ رزق عطاء فرمایا اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لاتے ہو۔

حلال کی طلب اور اس کی جستجو واجب ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لاَ تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ القِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَ فَعَلَ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَعَنْ جِسْمِهِ فِيمَ أَبْلاَهُ». هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. (۳)

ترجمہ: کسی شخص کے قدم بارگاہ الٰہی سے ہٹ سکیں گے یہاں تک کہ اس سے اس کی عمر کے بارے میں سوال ہو گا کہ اس نے کس چیز میں اسے صرف کیا اپنے حاصل کردہ علم پر کتنا عمل کیا مال کہاں سے کمایا کہاں خرچ کیا اور اپنا جسم کس چیز میں مبتلا کیا۔

---

(۱) البقرۃ۲:۱۶۸

(۲) المائدۃ۵:۸۸

(۳) سنن الترمذی، أبواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله ﷺ، وباب فی القيامة، حديث نمبر:۲۴۱۷، ۴/۱۹۰، [حكم الألباني]:صحيح

لہذاہر مسلم مردوزن پر لازم ہے وہ پاکیزہ کمائی اور صاف ستھرے عمل کی جستجو میں رہے۔ حرام مال کی سب سے بڑی شکل ربوایعنی سود تھا۔ سود میں انسان محض اپنے سرمائے کے بل بوتے پر دوسروں کی محنت کے پھل میں شریک ہو جاتا تھا۔ اسلام نے اسے جُرم عظیم قرار دیا۔ اور اسے اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کے مساوی قرار دیا۔

حلال کمائی کے سلسلے میں اسلام نے دوسروں کی کمائی میں بغیر محنت کے حصّہ دار بن جانے کو حرمت میں شمار کیا ہے۔ سود سے متعلق قرآن مجید حرمت کا فیصلہ سنایا گیا ہے چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْ﴾ (۱)

ترجمہ: اللہ نے خرید و فروخت کو جائز قرار دیا نیز ربوا کو ناجائز۔

اسلامی اور غیر اسلامی معاشرہ کے تصوریتِ اخلاقیات میں اعتقادِ دین کی جوہریت کا بنیادی فرق ہے۔ کیوں کہ مغربی نظریات میں دین سے مراد ایک مابعد الطبیعاتی نکتہ نظر ہے جس کی نسبت علوم وفنون سے ہو سکتی ہے۔ جبکہ اسلامی اقدار میں دین مابعد الطبیعاتی اور فلسفیانہ حقیقت نہیں ہے بلکہ حیات انسانی کے لیے وہ حقیقت ہے جس سے انسانی ہستی کا کوئی گوشہ خارج نہیں کیونکہ دین کو جب بھی فلسفیانہ مسئلہ سمجھ لیا جائے تو اس سے عقیدہ اخلاقی اقدار اور زندگی کے عملی معاملات سے بالاتر ہو کر مجرد تصور رہ جاتا ہے۔ جس کا انسانی زندگی پر کوئی اثر نہیں رہتا۔ زندگی اخلاقی اقدار سے محروم ہوتی چلی جاتی ہے۔ جس کا مظاہرہ آج مغربی معاشرہ میں نظر آتا ہے۔ جبکہ اسلام کے معاشرتی نظام میں انسانی امور زندگی سے متعلق کوئی بھی معاملہ ہوخواہ اس کی نسبت عبادات سے ہو، یا سماجیات سے، یا پھر سیاسیات و اقتصادیات سے ہو، یہ تمام دین کے اہم شعبہ میں شامل ہیں نیز دین اسلام کے رہنما اُصول کی روشنی میں ان تمام شعبوں میں واضح احکامات موجود ہیں۔

مبحث ثانی: جدید سماجی اقدار

سیادت شریعت (Ruling of Shariah)

اسلامی معاشرے میں آنے والی سماجی اور معاشرتی اقدار کے کئی ایک محرکات ہیں۔ کتاب و سنت شریعت اسلامیہ کا مصدر اصلی ہیں۔ لہذا ایک اسلامی ریاست میں جب آئین وضع کیا جائے تو اس امر کا لحاظ رکھنا لازم ہو گا کہ قانون کی وضع کتاب و سنت کے اصول و حکم کے منافی نہیں ہو گا۔ عام طور پر جمہوری و شہری حکومتوں میں آئین کی ابتدا میں درج ہوتا ہے کہ اقتدار اور طاقت کا منبع عوام ہوں گے۔ یعنی جو قانون وضع کیا جائے گا۔ اس کے اندر عوام کی خواہشات اور مرضی کو مد نظر رکھا جائے گا اور بعد میں اگر کسی شق میں ترمیم و اضافہ ہو گا تو اس کا مبدأ بھی عوام کی رضا ہو گی۔ لیکن ایک دینی و اسلامی ریاست میں ایسا نہیں ہوتا، اس میں اقتدار اعلیٰ عوام کی بجائے براہ راست خدائے تعالیٰ ہی کے لیے متصور ہوتا ہے۔

---

(۱) البقرۃ ۲:۲۷۵

ارشادالٰہی ہے: ﴿ إِنِ ٱلْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ... ﴾[(۱)] ترجمہ: حکمرانی صرف خدائے تعالیٰ کی ثابت ہے۔

جدید اصطلاح میں اسے حاکمیت اعلی سے تعبیر کیا جاتا ہے، حاکمیت اعلی کا مدعا یہ ہے کہ بندے صرف رب کی اطاعت اور اس کے حکم کے پابند ہیں۔

> "حاکمیتِ اعلیٰ اور سیادتِ شریعت کا محور صرف یہ نہیں کہ جدید ریاست میں کوئی انسانی قانون وضع نہیں کیا جاسکتا، جو احکامات کتاب وسنت میں قطعی نصوص کے ساتھ وارد ہیں ان کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی اور ان کے متصادم قانون وضع نہیں ہوگا۔ ایسا ہرگز نہیں کہ انسانی قانونی کے وضع کرنے کی سرے سے کوئی گنجائش موجود ہی نہیں۔"[(۲)]

قانونی ریاست اور مذہبی حکومت کے درمیان تضاد کا پایا جانا ضروری نہیں ہے ایک ہی وقت میں معاشرے کا قانونی ریاست ہونا اور اس کی بنیادوں میں دینی احکامات وہدایات کا موجود ہونا بھی ممکن ہے۔

شورائیت (Mutual Consultation)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ... ﴾[(۳)]

ترجمہ: اور اِن کا امر شوری پر قائم ہے۔

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِى ٱلْأَمْرِ... ﴾[(۴)]

ترجمہ: اور ان سے امور سلطنت میں مشورہ کیجیے۔

شورائیت اسلامی کے سیاسی نظام کا اہم رکن ہے۔ خود آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان تمام معاملات میں مشورہ طلب کرتے تھے جن میں کوئی آیت نازل نہیں ہوتی تھی۔ مشورہ کرتے اور جو طے ہوتا اس کو عملی جامہ بھی پہناتے تھے۔

---

(۱) یوسف ۱۲:۴۰

(۲) مقاصد المقاصد: الغايات العلمية والعملية لمقاصد الشرعية، أحمد الريسونى، الشبكة العربية للأبحاث والنشر، بيروت، ۲۰۱۳ء، ص: ۱۳۳

(۳) الشوری ۴۲:۳۸

(۴) آل عمران ۳:۱۵۹

مذہبی رواداری(Religious Tolerance)

اسلامی معاشرہ تحمل ورواداری پر مبنی ہے۔ اسلام دوسرے مذہب کے ماننے والوں کو ان کے اپنے مذہبی عقائد ورسومات پر زندگی گزارنے کی مکمل آزادی فراہم کرتا ہے۔ ایک مسلمان کی ایمانیات کی تکمیل ہی تب ہوتی ہے جب وہ تمام انبیا اور نازل شدہ کتابوں پر ایمان لے آئے۔ فرمان خداوندی ہے:

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِۦ...﴾ (۱)

ترجمہ: ہم رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔

رسول اللہ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مدینہ میں اولین ریاستِ اسلامیہ اور ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جس کی اساسیات انسانیت اور مذہبی رواداری تھی۔ آپ ﷺ نے میثاق مدینہ کے موقع پر تمام مذہبی گروہوں کو مکمل مذہبی آزادی فراہم کی۔ اسلام مذہب کے تسلیم کرنے میں جبر کا قائل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ لَآ إِكْرَاهَ فِي ٱلدِّينِۖ ...﴾ (۲) ترجمہ: دین میں کوئی جبر نہیں۔

آزادی کے بارے میں احمد الریسونی (۳) نے اپنی کتاب مقاصد المقاصد میں روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

"وهی من المفاهيم التی كان للإسلام أثر فی ضبطها و تنظيمها فكما للأمة حق فی اختيار الإمام و مشاركته الرأی فكذالها الحق فی نقده، و مناصحته و الاعتراض على سياسته، فالحرية السياسية أمر الأسس التی قام عليها الخطاب السياسی للإسلامی التی تمثل تعاليم الدين المنزل، وقد تجلت الحرية فی أوضح صورها فی حياة النبی صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وعهد الخلفاء الراشدين"۔ (۴)

ترجمہ: آزادی ان مفاہیم میں سے ایک ہے جن کی تنظیم وترویج میں اسلام کا بہت زیادہ عمل دخل ہے، جس طرح امت کو حاکم کے انتخاب اور مشورہ دیہی کا استحقاق ہے اسی طرح اسے حاکم پر تنقید، نصیحت، غرض یہ کہ سیاست پر اعتراض کرنے کا بھی پورا استحقاق ہے۔ سیاسی آزادی ایسے ارکان میں شامل ہے جس پر اسلام کا سیاسی ڈھانچہ

---

(۱) البقرة۲:۲۸۵

(۲) البقرة۲:۲۵۶

(۳) ابو العباس احمد بن محمد بن عبد اللہ الریسونی (۱۸۵۷ء۔ ۱۹۲۵ء)، مراکش میں پیدا ہوئے اور مراکش پر فرانس کے قبضہ کے خلاف اپنی زندگی جہاد میں گزاری۔ [مقالہ نگار]

(۴) مقاصد المقاصد، ص:۵٦

قائم ہے اور شریعت مطہرہ کی تعلیمات کا مطالبہ ہے۔ آزادی کی بہترین عکاسی عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

عدل و مساوات (Justice & Equality)

اسلامی معاشرے میں عدل و مساوات کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے اور عدل کو تقوی کے قریب ہونے کا معیار مقرر کر دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ ٱعۡدِلُواْ هُوَ أَقۡرَبُ لِلتَّقۡوَىٰ... ﴾ (۱)

ترجمہ: انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کی بات ہے۔

عدل کرنا شریعت اسلامی کا اساسی حکم ہے۔ عدل اسلامی شریعت کے بنیادی ڈھانچے میں سے ایسا اہم رکن ہے جو ریاست کی عمارت کا جزو لازم حصہ ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَإِذَا حَكَمۡتُم بَيۡنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحۡكُمُواْ بِٱلۡعَدۡلِۚ... ﴾ (۲)

ترجمہ: اور جب لوگوں کے مابین تم تصفیہ کرنے لگو تو عدل سے تصفیہ کرو۔

شریعت اسلامی نے ریاست کے ہر معاملے میں صفت عدل کی رعایت رکھنے کا مطالبہ کیا ہے۔ ہر وہ فیصلہ جو عدل پر پورا اُترے وہ شرعی ہے اور جو اس پر پورا نہ اترے وہ غیر شرعی ہے۔

اسلامی معاشرہ انسانوں کے کسی خاص گروہ کے لیے تشکیل نہیں دیا گیا اس کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے کہ سارے انسان معاشرے کے یکساں افراد شمار ہوتے ہیں اسلام نے انسانوں میں ہر قسم کے امتیازات کا خاتمہ کیا ہے۔

مساوات کے بارے میں فرمان خداوندی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقۡنَٰكُم مِّن ذَكَرٖ وَأُنثَىٰ وَجَعَلۡنَٰكُمۡ شُعُوبٗا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓاْۚ إِنَّ أَكۡرَمَكُمۡ عِندَ ٱللَّهِ أَتۡقَىٰكُمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٞ ﴾ (۳)

ترجمہ: اے لوگوں! بلاشبہ تمام انسانیت کو ہم نے ایک مرد وزن سے تخلیق کیا، نیز تمہیں طرح طرح کے گروہ اور قبائل میں اس غرض سے منقسم کیا کہ تم آپس میں شناخت کر سکو، حقیقتاً اللہ کے ہاں تم سے معزز ترین وہی ہے جو تمام سے زیادہ خدا کا ڈر رکھنے والا ہے۔ یقین رکھو کہ اللہ سب چیزوں کا علم رکھنے والا، ہر چیز سے واقف ہے۔

---

(۱) المائدۃ ۸:۵

(۲) النساء ۵۸:۴

(۳) الحجرات ۱۳:۴۹

تمام انسانوں کو برابری اور مساوات کا استحقاق ہے۔ فہم حدیث کے مطابق بھی کسی کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ یہی شریعت کا مزاج ہے۔ اس رو سے دین از خود ریاست سے اقتضار کھتا ہے کہ وہ شہریوں کے مابین برابری کا معاملہ روا رکھے۔ کسی بھی فرد کے ساتھ امتیازی سلوک نہ برتا جائے۔[۱]

انسان چاہے ان کا تعلق جس رنگ و نسل سے ہوتا تو وہ اسلامی معاشرے کا حصہ بنتے اعلیٰ نسل کے انسانوں کے برابر سمجھے جاتے جس وقت رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرہ قائم کی تھا۔ اس وقت ساری دنیا میں غلاموں کا وجود تھا۔ عربی معاشرہ بھی ان کے وجود سے خالی نہیں تھا اسلام نے غلامی کے خاتمہ کی خاطر جنگی قیدیوں کے لیے فدیہ جیسے اقدامات کر کے غلامی کے تصور کو مفقود کر دیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کے مطابق حکم یہی ہے (یا تو جنگی قیدیوں کو) احسان کر کے رہا کر دو، یا ان کی رہائی کے لیے ان سے فدیہ وصول کر لو۔

احترام انسانیت(Respect Humanity)

اسلامی معاشرہ کا نمایاں وصف ہے کہ وہ انسان کو بغیر تفریق مذہب، ذات پات، علاقے، عظمت اور شرافت کا مقام صرف انسانیت کی وجہ سے فراہم کرتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ... ﴾[۲]

ترجمہ: یقیناہم نے اولادِ آدم کو بڑی تکریم عنایت کی ہے۔

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ فِيٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴾[۳]

ترجمہ: بلاشبہ ہم نے انسان کو سب سے اچھی تخلیق دی۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی ؒ لکھتے ہیں:

"اسلام کا ظہور جس زمانہ میں ہوا اس زمانہ میں انسان سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں تھا، انسانی وجود بالکل بے قیمت اور بے حقیقت ہو کر رہ گیا تھا، بعض اوقات پالتو جانور، بعض مقدس حیوانات، بعض درخت جن کے ساتھ بعض عقائد وروایات وابستہ ہو گئی تھیں، انسان سے کہیں زیادہ قیمتی، لائق احترام اور قابل حفاظت تھے۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کے دل ودماغ پر یہ نقش بٹھا دیا کہ انسان اس کائنات کا سب سے زیادہ قیمتی قابل احترام، لائق محبت اور مستحق حفاظت وجود ہے، آپ ﷺ نے انسان کا پایہ اتنا

---

(۱) انظر:النظام السیاسی الإسلامی، نعمان السامرائی، مکتبة القاهرة، طبعة ١٤٢١هـ، ص:٢٠٧

(۲) بنی اسرائیل ۱۷:۷۰

(۳) التین ۹۵:۴

بلند کیا کہ اس سے اوپر صرف خالق کائنات کی ہستی رہ جاتی ہے، قرآن نے اعلان کیا کہ وہ خلیفۃ اللہ (خدا کا نائب) ہے ساری دنیا اور یہ کارخانہ عالم، اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔"[1]

خدا کے قانون کے مطابق اللہ وہی ذات ہے جس نے انسانوں کے لیے زمین میں سے تمام چیزوں کو پیدا کیا۔
معلوم ہوا کہ جدید دور کی اصطلاح Humanism کی پہلی پہچان دین اسلام نے حقیقی معنوں میں کروائی، تمام انسانوں کی یکساں عزت اور حقوق کی عملی بنیاد آپ ﷺ نے رکھی جب رنگ نسل علاقہ اور زنان کی بجائے حقیقی کامیابی کا معیار صرف تقویٰ کو قرار دیا۔

ایثار

ایثار اسلامی معاشرے کی خصوصیت ہے ایک مسلمان اپنی حلال کی کمائی کو اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق خرچ کرنے کا ذمہ دار ہے۔ انسان اس کمائی کو نمود و نمائش کی زندگی پر خرچ کرنے کا مجاز ہے اور نہ ہی اس کو کسی معاملے میں اسراف کرنے کا جواز حاصل ہے تو پھر اس طرح اس کے پاس جو آمدنی بچ جائے۔ اسے وہ کس مصرف میں لائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا تو جواباً باری تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلِ ٱلْعَفْوَ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلْـَٔايَـٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾[2]

ترجمہ: اور وہ پوچھتے ہیں تجھ سے کیا خرچ کریں (اللہ کی راہ میں)؟ تو کہہ، جو افزود (ضرورت سے زیادہ) ہو۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے حکم، شاید تم دھیان کرو۔

ارشاد فرمایا:

﴿وَفِىٓ أَمْوَٰلِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَٱلْمَحْرُومِ﴾[3]

ترجمہ: اور ان کی دولت میں ضرورت مندوں اور محروم لوگوں کا حق ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک طرف سے رقم آتی اور آپ ﷺ فوراً اسے دوسری طرف سے خرچ کر دیتے اگر ایک مسلمان خود اچھا لباس پہنتا ہے تو یہ کوئی معیوب بات نہیں۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے عین مطابق ہے کہ مسلمانوں کو ہر وقت صاف ستھرا رہنا چاہیے تاہم اچھے اور قیمتی لباس میں جو فرق ہے اس سے ہر کوئی آگاہ ہے اگر ایک مسلمان اچھا لباس پہنتا ہے اور اس کے پاس ضرورت سے زائد آمدنی ہے تو ایسے مسلمان سے اُمید ہوگی کہ وہ دوسرے

---

(۱) نبی رحمت ﷺ، ص:۶۲۱

(۲) البقرۃ ۲:۲۱۹

(۳) الذاریات ۵۱:۱۹

مسلمانوں کو بھی ایساہی لباس مہیا کرنے میں مدد دیں۔ اسی مضمون کی تائید میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس بیان کردہ روایت سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ؛ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ».(۱)

ترجمہ: تم میں سے ہر کوئی ایماندار نہ ہوگا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہی نہ چاہے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

خلاصہ کلام: معلوم ہوا کہ اسلامی معاشرے کی بنیاد عقائد اور اعلیٰ اخلاق پر استوار کی گئی ہے۔ کوئی بھی معاشرہ اپنی اخلاقی، ثقافتی اور معاشرتی اقدار سے پہچانا جاتا ہے، یہی اقدار ایک معاشرے کو دوسرے سے مختلف بناتے ہیں۔ اسلام میں انسانیت کی بقا کے لیے جہاں عقائد و اخلاق کی اہمیت کا بیان ہے وہاں سماجی اقدار سے بھی پہلو تہی ممکن نہیں۔ انسانی فلاح و بہبود کے لیے فکری وحدت، عدل و شورائیت، مذہبی رواداری، جیسے زریں اصولوں کا ضامن ہے۔ علم و حکمت، احساس ذمہ داری، انسانی معاشرہ کے امتیازی اوصاف ہیں اسی طرح حقوق باہمی اور اعلیٰ اخلاقیات کی بقاو فروغ اسلام کے لازمی عناصر میں شامل ہے۔

اسلامی تعلیمات کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ مذہبی کتاب یعنی قرآن مجید اور نبی آخر الزماں کی تعلیمات اوراخلاق حسنہ میں درحقیقت کوئی تناقض نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل انسانی معاشرے میں نبیوں کی تعلیمات میں فلسفہ انسانی کی آمیزیش بہت حد تک بڑھ گئی تھی لہذا رفتہ رفتہ انسانی معاشرے ان بنیادوں سے ہٹنے لگے تھے جن کی بنیاد ان کے نبیوں نے وحی الٰہی پر رکھی تھی۔ نتیجۃً بے بنیاد عقائد و تعلیمات کی وجہ سے ان معاشروں ایسی توہمات ورسومات در آئی تھیں کہ لوگوں کے اخلاقیات و سماجی پہلو حد درجہ بگڑ گئے کہ خالص توحید اور احکام خداوندی کو چھوڑ کر مظاہر فطرت اور شرکیہ رسومات کے آگے جھکنے لگے۔

اسلامی معاشرہ کا قیام اگرچہ رسول اللہ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی بعثت سے ہو گیا تھا لیکن ہجرت مدینہ کے بعد اسلامی ریاست کی بنیاد ایمان، اخلاق اور اُن فطری اصولوں پر رکھی گئی، جو نہ صرف معاشرتی زندگی میں ربط و توازن پیدا کریں اور انسانی ذہن کو سکون و اطمینان میسر کریں بلکہ یہ اصول سماجی و معاشرتی اقدار کے محرکات کے بھی عین مطابق ہوں لہذا اسی مقصد کے حصول کے لیے تمام اسلامی قوانین کی بنیاد اقتدار اعلیٰ پر رکھی گئی۔ اسی لیے اسلامی معاشرہ میں ثبات و تغیر کے اصول ہوں یا اجتماعیت و انفرادیت ان سب میں توازن کی رعایت رکھی گئی ہے۔ یہ وہ اساسیات ہیں جس نے اسلامی معاشرے کو دوسرے دنیاوی معاشروں سے ممتاز کر دیا۔ یقیناً اسلامی معاشرہ ایک بامقصد اور فطری معاشرہ ہوتا ہے جو اپنی اساسیات میں وحی الٰہی اور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه؛حديث نمبر:۱۳، ۱۲/۱

فصل سوم: توہمات کا مفہوم

مبحث اول: وہم، تطیر اور فال کا مفہوم

مبحث ثانی: تطیّر کا حکم

فصل سوم: توہمات کا مفہوم

اس فصل میں توہم کے رائج عربی الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی مفاہم پر کتب لغت سے بحث کی گئی ہے، نیز اقسامِ توہم، تاریخی حالات واسباب، توہم کا حکم دینِ اسلام سے مستفاد کرتے ہوئے شامل بحث کیا گیا ہے۔

مبحث اول: وہم، تطیر اور فال کا مفہوم

توہم؛ مفہوم لغوی

توہم اگرچہ لغت عرب سے ماخوذ ہے لیکن اسے اُردو زبان میں تطیر اور تفاول کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ توہم، وہم سے مشتق ہے۔ عربی اور اُردو فرہنگ میں وہم کے معنی بیان ہوئے ہیں؛

الصحاح تاج اللغۃ میں توہم کے معنی ہیں: "وَهِمْتُ في الحساب أَوْهَمُ وهْماً، إذا غلطت فيه وسهوت و تَوَهَّمْتُ، أي ظننت، و أوهمت الشئ، إذا تركته كله."[۱]

لسان العرب کے مطابق: "وَ وَهِمَ، بِكَسْرِ الْهَاءِ؛ غَلِط وسَهَا؛ و أَوْهَمَ مِنَ الْحِسَابِ كَذَا؛ أَسقط."[۲]

ان تمام عبارات کا ماحاصل یہ ہے: جب کوئی خیال غلط ثابت ہو، یا کسی کے بارے میں ظن کرنا، اور اسی طرح کسی چیز کو گرادینا یا ختم کر دینا۔

فرہنگِ آصفیہ میں وہم کا مطلب یہ مذکور ہے:

وہم: وسواس، دل کا بقصد کسی چیز کی طرف جانا، خیالِ باطل، شک، گمان، احتمال، بھرم، چنتا۔

تھے بے گناہ جرأت پابوس تھی ضرور

کیا کرتے وہمِ خجلت جلاد آ گیا (مومن)

سید احمد دہلوی[۳] توہم کے ذیل میں مزید لکھتے ہیں:

---

(۱) الصحاح تاج اللغة و صحاح العربية، إسماعيل بن حماد الفارابي(المتوفي:۳۹۳ھ) دار العلم للملايين، بيروت، الرابعة ١٤٠٧ھ، ٥/٢٠٥٤

(۲) لسان العرب؛ محمد بن مكرم بن مكرم ابن منظور الإفريقى (المتوفي:٧١١ھ)، دار صادر بيروت، الثالثة،١٤١٤ھ، ٦٤٤/١٢

(۳) مولوی سید احمد دہلوی (۱۸۴۶-۱۹۱۸ء) اردو میں کئی کتابوں کے مصنف ہیں لیکن فرہنگ آصفیہ کو دائمی شہرت حاصل ہوئی۔ (فرہنگ آصفیہ، مقدمہ ص:۳-۵)

قوتِ متخیلہ دماغ کی وہ باطنی قوت جو فاسد خیالات پیدا کرتی ہے۔ [(۱)]

فیروزاللغات میں وہم کے معنی بیان ہوئے ہیں:

"شک، گمان، احتمال، بے اعتباری، دماغ کی وہ قوت جو فاسد خیالات پیدا کرتی ہے۔" [(۲)]

توہم خیال کرنا، گمان کرنا، توہم فیہ الخیر یعنی کسی کے اندر خیر کا اندازہ کرنا۔ [(۳)]

تَوَہُّم کا تعلق چونکہ انسانی نفسیات سے ہے اس لیے ماہرین نفسیات اس کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

۱. وہم، وسواس، گمان، شک، شبہ۔
۲. جب کسی ظن پر سختی سے اصرار کیا جائے اور یہ یقین ہو، وہ غلط ہے اس کا نام توہم رکھتے ہیں۔
۳. توہم وہ ادراک ہے جو بغیر خارجی صدم کے واقع ہو اس کی نوعیت موضوعی ہوتی ہے اور اس سے ایک یا دو حواس متاثر ہوتے ہیں، Hallucination جسے اردو میں انگ (سحر انگیزی، فریب نظری) کہا جاتا ہے۔ [(۴)]

توہم پرست

معلوم ہوا کہ وہم یا گمان پر یقین رکھنے والے، غیر حقیقی اشیاء پر بھروسہ کرنے والے کو توہم پرست کہتے ہیں۔ وہم پرست کو اسی لیے وہمی کہا گیا کہ وہ بغیر کسی فطری و حسی دلیل، اپنے خیالِ باطل سے واقعہ، سانحہ اور پیش آئندہ مصیبت کو یقین کا درجہ دیتا ہے۔ دراصل جب کوئی حادثہ برپا ہوتا ہے توہم پرست کے تصور میں اس واقعہ کے پس پردہ حقیقت کو تلاش کرتے ہوئے ایسے اسباب کی جانب چل پڑتا ہے جسکی صحت کے بارے میں وہ خود بھی نہیں جانتے یا انکے حقیقی ہونے کے اسباب سے ناواقف ہیں اور انکی حقیقت کو سائنٹفک طریقہ سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

سید اقبال امروہوی [(۵)] اسی ضمن میں لکھتے ہیں:

---

(۱) فرہنگ آصفیہ، مرتب مولوی سید احمد دہلوی، مکتبہ اُردو سائنس بورڈ، اپر مال لاہور، مطبوع ۲۰۱۰ء، ۶۵۸/۴

(۲) فیروز اللغات اردو، مرتب مولوی فیروزالدین، مکتبہ فیروز سنز طبع ۲۰۱۰ء، ص:۱۴۱۷
فرہنگِ عامرہ، محمد عبداللہ خان خویشگی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس دہلی، طبع ۲۰۰۴ء، ص:۶۸۶

(۳) مصباح اللغات، ابوالفضل، عبدالحفیظ بلیلاوی، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، طبع ۱۹۹۹ء، ص:۹۲۸

(۴) نفسیات کی بنیادیں، بورنگ لانگ فلڈ ولڈ، (مترجم: ہلال احمد زبیری)، کراچی یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۹، ص:۲۳۵

(۵) سید اقبال امروہوی، عہد حاضر میں نفسیات، اصطلاحات نفسیات اور فلسفہ پر لکھی جانے والی کتابوں کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ دیگر کتابوں میں جدید نفسیات، روزمرہ کی نفسیات اور اصطلاحات نفسیات شامل ہیں۔ [نفسیات کے معمار، تخلیق کار پبلشرز دہلی، مقدمہ وتعارف، 'شمیم حنفی' ص:۱۷]

"توہم پرستی کے لیے ضعیف الاعتقادی بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ توہم پرست یا ضعیف الاعتقاد افراد اپنے صحیح اور غیر صحیح افعال کا مسبب اسی پوشیدہ طاقت کو ٹھہراتے ہیں۔ یہ رجحان انفرادی طور پر نقصان دہ ہے کیونکہ ایسے افراد حقیقت سے دور، اور غیر فطری خیالات کے جنجال میں پھنس جاتے ہیں۔"(۱)

سید اقبال امروہوی "وہم" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"وہم" جسے انگریزی میں اسے Delusion کہا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح فرد کے غیر حقیقی خیال، تصور یا عقیدے کے لیے استعمال کیجاتی ہے۔ اسی کے لیے واہمہ بھی استعمال کرتے ہیں۔"(۲)

ماحاصل کلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا لُغات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ مستفاد ہوا، وہم اُردو لغت میں پانچ مطالب میں استعمال ہوتا ہے۔

۱. شک، وسوسہ، احتمال، گمان۔
۲. تخیل، خیال، تصور۔
۳. نفسیاتی مرض جس میں کسی چیز کا ایسا تصور یا خیال بندھ جاتا ہے جو اس میں حقیقتاً موجود نہ ہو، واہمہ، Illusion۔
۴. بدگمانی۔
۵. ڈر، خوف۔

تطیر کا لغوی مفہوم

تطیّر عربی لفظ ہے اور صرفی اعتبار سے تطیّر اور طیرۃ دونوں طرح سے پڑھنا درست ہے۔

"تطير تطيراً وطيرة (بكسر الطاء و فتح الياء أو الطيرة بالتسكين) يقال للحظ والنصيب طائر، وسمى بذالک على طريقة العرب فى الطيرة والفأل."(۳)

ترجمہ: تطیّر اور طیرۃ دونوں طرح سے پڑھنا درست ہے، نیک بختی اور کامیابی کو طائر کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، لہذا اہل عرب کے طریقہ استعمال پر اسے تطیّر کا نام دیا گیا کیونکہ وہ انہیں سے فال نکالا کرتے تھے۔

---

(۱) نفسیات کا انسائیکلوپیڈیا، سید اقبال امروہوی، نگارشات پبلشرز، مزنگ روڈ لاہور، ۲۰۰۶ء، ص:۹۷

(۲) ایضا، ص:۲۷۱

(۳) تاج العروس من جواهر القاموس؛ محمد بن محمد بن عبدالرزاق الحسيني، الزَّبيدي (المتوفي:۱۲۰۵ھ)، دار الهداية، ۵۵۳/۱۲

"والطائر ما تيمنت به وتشاءمت، وأصله فى ذى الجناح، وقالوا للشئ يتطيّر به من الإنسان وغيره."[١]

ترجمہ: طائر وہ چیز ہے جس سے نیک شگونی یا بد شگونی لی جاتی ہے۔ اور یہ عام طور پر اڑنے والے پرندوں سے لی جاتی ہے یعنی جس سے انسان نیک فالی یا بد فالی لیتا ہو۔

تطیّر کی وجہ تسمیہ

تطیر عربی زبان میں طیرہ، طائر سے ماخوذ ہے جس میں پرندے اور اڑنے کا مفہوم شامل ہے۔ لہذا تطیر ایک عمل تھا جو زیادہ تر پرندوں کے واسطے سے ہوتا تھا، یوں شگون لینے کے عمل کو طائر یعنی پرندے کی جانب منسوب کر دیا گیا۔

قول اول:

تطیّر لفظ کا عموماً استعمال بد شگونی کے لیے ہوتا ہے لیکن لغوی معنی کی رعایت کرتے ہوئے، کوئی واضح اشارہ موجود نہیں، صحیح یہی ہے اس کا استعمال نیک شگونی اور بد شگونی یعنی تفاؤل اور تشاؤم دونوں کے لیے ہوتا ہے۔

تطیّر کی وجہ تسمیہ میں ابن القیم[٢] لکھتے ہیں:

"أن العرب فى الجاهلية إذا خرج أحدهم لأمر قصد عش طائر فهيجه فإذا طار من جهة اليمين تيمن به ومعنى فى الأمر ويسمّون الطائر "السانح" أما إذا طار جهة اليسار تشاءم به ورجع عمّا عزم عليه ويسمّى الطائر هنا "البارح".[٣]

ترجمہ: عہد جاہلیت میں اہل عرب میں کسی کو کوئی سفر یا کام درپیش آتا تو وہ پرندے کے پاس جا کر اسے اڑنے پر اکساتا، اگر پرندہ دائیں جانب اڑتا تو اس کو نیک شگون خیال کیا جاتا اور وہ شخص اس کام کو کر گزرتا اور اس صورت میں پرندے کو سانح کا نام دیا جاتا، اگر پرندہ بائیں جانب اڑتا تو اس کو بد شگونی تصور کیا جاتا اور وہ کام کرنے سے اعراض کیا جاتا، اس صورت میں پرندے کو بارح کہا جاتا۔

---

(١) المعجم الوسيط، مجمع اللغة العربية بالقاهرة، ابراهيم مصطفى، احمد الزيات النجار، دارالدعوه، ٢٠٠٤ء، ص:٥٧٤

(٢) ابن القیم الجوزیۃ، شمس الدین محمد بن ابی بکر الدمشقی (٦٩١ھ۔٧٥١ھ) کبار حنبلی علماء میں سے ہوتا ہے۔ ابن تیمیہ کے شاگردوں میں سے ہیں چھبیس سال مستقل آپ انکے ساتھ رہے۔ پیدائش اور وفات دمشق میں ہوئی۔ مشہور تصانیف: زاد المعاد، إعلام الموقعين، مدارج السالكين (معجم المفسرين «من صدر الإسلام وحتى العصر الحاضر»، عادل نويهض، مؤسسة نويهض الثقافية للتأليف والترجمة والنشر، بيروت، لبنان، الثالثة، ١٤٠٩ھ، ٥٠٣/٢)

(٣) مفتاح دار السعادة و منشور ولاية العلم والاراداة، ابن قيم الجوزية، دارالكتب العلمية بيروت، ١٩٩٧ء، ٦٦٨/٣

تطیر کے بارے میں علامہ نووی رحمہ اللہ[۱] لکھتے ہیں:

"وكانوا يتطيرون بالسوانح والبوارح فينفرون الظباء والطيور فإن أخذت ذات اليمين تبركوا به ومضوا في سفرهم وحوائجهم وإن أخذت ذات الشمال رجعوا عن حاجتهم وسفرهم وتشاءموا به فكانت تصدهم في كثير من الأوقات عن مصالحهم فنفى الشرع ذلك وأبطله ونهى عنه وأخبر أنه ليس له تأثير ينفع ولا ضر".[۲]

ترجمہ: تطیّر بدشگونی کو کہتے ہیں، اہل عرب سوانح اور بوارح کے ذریعے فال نکالتے تھے۔ وہ ہرنیوں اور پرندوں کو اکساتے، اگر وہ دائیں جانب چلتے تو اس کو مبارک سمجھتے اور اپنے سفر یا دیگر مقاصد کو انجام دیدتے، اور اگر وہ بائیں جانب چلتے تو اپنا سفر یا دیگر ارادے منقطع کر دیتے، تطیّر کا یہ عمل ان لوگوں کو بہت سارے امور کی ادائیگی سے منع کر دیتا، شریعت اسلامی نے اس عمل کو ممنوع اور باطل مقرر کر دیا ہے نیز اس عمل کی کوئی اچھی یا بری تاثیر نہیں ہے۔

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ[۳] تطیر پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

" وَأَصْلُ التَّطَيُّرِ أَنَّهُمْ كَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَعْتَمِدُونَ عَلَى الطَّيْرِ فَإِذَا خَرَجَ أَحَدُهُمْ لِأَمْرٍ فَإِنْ رَأَى الطَّيْرَ طَارَ يَمْنَةً تَيَمَّنَ بِهِ وَاسْتَمَرَّ وَإِنْ رَآهُ طَارَ يَسْرَةً تَشَاءَمَ بِهِ وَرَجَعَ وَرُبَّمَا كَانَ أَحَدُهُمْ يُهَيِّجُ الطَّيْرَ لِيَطِيرَ فَيَعْتَمِدُهَا فَجَاءَ الشَّرْعُ بِالنَّهْيِ عَنْ ذَلِكَ وَكَانُوا يُسَمُّونَهُ

---

(۱) النووی، یحیٰ بن شرف، ابوزکریا الشافعی (۶۳۱ھ۔۶۷۶ھ) فقہ اور حدیث کے کبار عالم تھے۔ نوا (جو کہ شام کی بستی حوران کا علاقہ ہے) میں پیدائش اور اسی علاقے میں وفات ہوئی اسی لیے نووی کہلائے، کثیر کتب کے مصنف تھے۔ (تاريخ الإسلام للذهبي ۳۲٤/۱٥)

(۲) المنهاج فى شرح صحيح مسلم بن الحجاج، يحيى بن شرف النووي (المتوفى: ٦٧٦هـ) داراحياء التراث العربى بيروت، طبعة ١٣٩٢هـ، ٢١٨/١٤

(۳) ابن حجر، احمد بن علی بن محمد ابن حجر عسقلانی مشہور محدث، شارح بخاری، نامور مؤرخ اور شافعی مذہب فقیہ تھے۔ مصر میں پیدا ہوئے، ولادت قاہرہ میں ۷۷۳ھ، اور وفات ۸۵۲ھ میں ہوئی، ان کی کتابوں کی تعداد ۱۵۰ سے اوپر بتائی جاتی ہے۔ مشہور کتابیں: الاصابہ فی تمیز الصحابہ، فتح الباری شرح صحیح البخاری، تہذیب التہذیب، بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام ہیں۔ (الجواهر والدرر في ترجمة شيخ الإسلام ابن حجر، محمد بن عبد الرحمن السخاوي، دار ابن حزم للطباعة والنشر والتوزيع،بيروت، لبنان،طبعة أولى، ١٤١٩هـ، ١/ ١٠١)

السَّانِحَ وَالْبَارِحُ فَالسَّانِحِ مَا وَلَّاكَ مَيَامِنَهُ بِأَنْ يَمُرَّ عَنْ يَسَارِكَ إِلَى يَمِينِكَ وَالْبَارِحُ بِالْعَكْسِ وَكَانُوا يَتَيَمَّنُونَ بِالسَّانِحِ وَيَتَشَاءَمُونَ بِالْبَارِحِ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ رَمْيُهُ إِلَّا بِأَنْ يَنْحَرِفَ إِلَيْهِ". (۱)

ترجمہ: تطیّر کی اصل یہ ہے کہ عرب زمانہ جاہلیت میں پرندے پر اعتماد کرتے تھے، جب کسی شخص کو سفر یا کام درپیش ہوتا تو پہلے پرندے کو دیکھتا اگر وہ دائیں طرف اڑتا تو اس کو مبارک سمجھتا اور سفر پر کاربند رہتا اور اگر وہ بائیں طرف اڑتا تو اس کو بدشگونی سمجھتا اور سفر کا ارادہ ترک کر دیتا، حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص پرندہ اس نیت سے اڑاتا کہ وہ دائیں اڑے اور وہ اس پر اعتماد کر سکے، شریعت اسلامی نے اس عمل سے منع کر دیا۔ وہ لوگ پرندوں کو سانح اور بارح کا نام دیتے تھے، سانح سے برکت حاصل کرتے اور بارح سے بدشگونی، شریعت نے اس لیے منع کر دیا کیونکہ وہ صرف ایک پرندہ ہے اور اس کو اکسانے پر وہ کسی نہ کسی جانب تو اڑے گا۔

لفظ تطیّر اگرچہ خیر اور شر کے لیے یکساں مستعمل ہے۔ مگر اس کا عمومی استعمال تشاؤم اور بدشگونی کے مفہوم میں ہوتا ہے۔ اسی معنیٰ کو بیان کرتے ہوئے ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" والتطير والتشاؤم بمعنى واحد". (۲)

ترجمہ: تطیر اور تشاؤم دونوں کا مفہوم ایک ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں اسی ترادف کو بیان کرتے ہوئے کہا:

" والتطير التشاؤم وأصله الشيء المكروه من قول أو فعل أو مرئي". (۳)

ترجمہ: تطیّر تشاؤم کو کہتے ہیں، اس کی اصل قول، فعل، یا کسی نظارہ کی ناپسندیدہ شکل ہے۔

ابن الأثیر رحمہ اللہ (۴) نے بھی اسی طرف اشارہ کیا: "الطيرة هي التشاؤم بالشيء". (۵)

---

(۱) فتح الباری شرح صحیح البخاری، ابن حجرالعسقلانی، تحقیق: فؤادعبدالباقی، دارالمعرفة بیروت، طبعة ۱۹۸۶ء، ۲۱۲/۱۰

(۲) ایضاً، ۲۱۳/۱۰

(۳) المنهاج فی شرح صحیح مسلم، للنووي، ۲۱۸/۱۴

(۴) ابن الأثیر، مجد الدین المبارک بن محمد الجزری (۵۴۴ھ-۶۰۶ھ) وجہ شہرت محدث لغوی اور اصولی ہیں۔ آپ جزیرہ ابن عمر کی حدود میں موصل کے قریب پیدا ہوئے، اسی جزیرے کی نسبت سے الجزری کہلائے۔ مشہور کتابوں میں النہایۃ کے علاوہ جامع الأصول في أحادیث الرسول، تجرید أسماء الصحابۃ شامل ہیں۔ (تاريخ الإسلام للذهبي، ۱۴۶/۱۳)

(۵) النهاية فی غريب الحديث والأثر، ابو السعادات ابن الاثير، تحقيق: احمد الزاوی، المكتبة العلمية بيروت، طبعة ۱۹۷۹ء، ۱۵۲/۳

ترجمہ: طیرۃ کسی شے سے بد شگونی کو کہا جاتا ہے۔

قرآن میں تطیر بد شگونی کے مفہوم میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿قَالُواْ طَٰٓئِرُكُم مَّعَكُمۡۚ أَئِن ذُكِّرۡتُمۚ بَلۡ أَنتُمۡ قَوۡمٞ مُّسۡرِفُونَ ﴾ (۱)

ترجمہ: انہوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے کیا اس بات کو تم نے نحوست سمجھ لیا کہ تمہیں نصیحت ہوئی، حقیقتاً تم حد سے بڑھنے والے ہو۔

قول ثانی:

تطیر لفظ مشترک ہے اور اس کا استعمال خیر وشر دونوں کے لیے علیٰ سبیل التساوی ہوتا ہے۔ صاحب معجم الوسیط کے مطابق اس لفظ کا اصل استعمال خیر اور تفاؤل کے لیے ہے لیکن یہ لفظ تشاؤم کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی یہ ایسا لفظ ہے جو متضاد المعنی ہے جیسے "ذھاب" جانے اور آنے دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً ذھب الیہ و ذھب عنہ اسی طرح لفظ "میلان" رغبت اور نفرت کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے مثلاً رغب الیہ اور رغب عنہ۔

"(تطير) تفاءل به ومنه تشاءم وأصله التفاؤل بالطير ثم استعمل في كل ما يتفاءل به ويتشاءم". (۲)

ترجمہ: تطیر بالشئ اَو من الشئ جب اس شے سے تفاؤل یا تشاؤم کا عندیہ حاصل کیا جائے، اس لفظ تطیر کا حقیقی استعمال پرندے سے نیک شگون حاصل کرنے کا ہے، پھر بعد میں اس کا استعمال نیک شگون اور بد شگون دونوں کے لیے ہونے لگا۔

مشہور معتزلی مفسر علّامہ زمخشری (۳) اسی معنوی اشتراک کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الفأل والطيرة قد جَاءَا فِي الْخَيْر وَالشَّر إِلَّا أَن اسْتِعْمَال الفأل فِي الْخَيْر أَكثر". (۴)

---

(۱) یٰسین ۳۶:۱۹

(۲) المعجم الوسيط، ص:٥٧٤

(۳) الزمخشری، محمود بن عمر ابو القاسم، جار اللہ الزمخشری، مفسر، لغوی اور ادیب کے امام شمار ہوئے ہیں۔ خوارزم کی بستی زمخشر ۴۶۷ھ میں پیدا ہوئے۔ معتزلی تھے اور صوفیا و تصوف کا رد کرتے تھے۔ اور ۵۳۸ھ میں وفات ہوئی۔ مشہور تصانیف: "الکشاف، الفائق فی غریب الحدیث، أساس البلاغۃ" شامل ہیں۔ (تاريخ الإسلام للذهبي، ٦٩٧/١١)

(۴) الفائق فى غريب الحديث والاثر، ابو القاسم جار الله زمخشرى، تحقيق: على البجاوى، دارالمعرفة بيروت، طبعة ١٩٧١ء، ٨٦/٣

ترجمہ: فال اور طیرۃ کا استعمال خیر و شر کی خاطر یکساں وضع ہوئے ہیں مگر فال خیر کے معنی میں اور طیرۃ شر کے مفہوم میں زیادہ مشہور ہو گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی اسی اشتراک معنوی کی تائید ہوتی ہے کہ طیرۃ اور تطیر کا استعمال تفاؤل اور تشاؤم دونوں کے لیے ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: «لاَ طِيَرَةَ، وَخَيْرُهَا الفَأْلُ» قَالُوا؛ وَ مَا الفَأْلُ؟ قَالَ؛«الكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا أَحَدُكُمْ» .(۱)

ترجمہ: طیرۃ کی کوئی اصل نہیں اور اس کی خیر فال میں ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی فال کیا ہے؟ جواب دیا: اچھی بات جو تم میں سے کوئی سنے۔

راجح قول کی وجوہات:

تطیر کا استعمال دونوں معانی کے لیے علیٰ سبیل الاشتراک ہے لیکن کسی ایک معنی کی مرجحات درج ذیل ہیں:

(الف) تطیّر میں لغت اور استعمال کے لحاظ سے فأل و شؤم کے معنی موجود ہے۔ عرب پرندے کو اڑاتے تھے تو اگر دائیں جانب اڑتا تو اس سے خیر مراد لی جاتی تھی اور اگر بائیں طرف پرواز کرتا تو شر مراد لیا جاتا۔ اہل زبان کے اس طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے یہ لفظ علیٰ سبیل الاشتراک دونوں معانی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

(ب) مذکورہ حدیث میں جب آپ ﷺ نے طیرۃ یعنی بدشگونی کی نفی فرمائی تو ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ اس کی خیر فال ہے، پھر اس معنی کے عموم کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دوبارہ فال سے متعلق پوچھا۔ تو نبی کریم ﷺ نے جواب معروف تصور سے ہٹ کر دیا: مراد کلمہ حسنہ ہے۔ اس حدیث میں اشارہ النص سے یہ دلیل موجود ہے کہ طیرۃ کا معنی خیر و شر دونوں کے لیے ہوتا ہے۔

(ج) ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ان الفأل من جملة الطيرة لكنه مستثنى".(۲)

ترجمہ: فال طیرۃ ہی کی ایک قسم ہے لیکن اس کو استثنا حاصل ہے۔

مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: "وأما الشرع فخص الطيرة بما يسوء والفأل بما يسر ومن شرطه أن لا يقصد إليه فيصير من الطيرة".(۳)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الطیرۃ، حدیث نمبر: ۵۷۵٤، ۱۳۵/۷

(۲) فتح الباری، ۲۱٤/۱۰

(۳) ایضاً، ۲۱۵/۱۰

ترجمہ: شریعت نے طیرۃ کو شر کے ساتھ اور فال کو خیر کے ساتھ خاص کر دیا ہے لیکن فال کے درست ہونے کو مشروط کیا کہ اس کا قصد نہ ہو ورنہ یہ طیرۃ میں سے ہو گا۔

اس عبارت کے مقتضیٰ سے معلوم ہوا کہ فال طیرۃ کی ایک نوع ہے، یعنی فال دو اقسام پر مشتمل ہے، فال مذموم جو مذموم طیرۃ کا حصہ ہے اور فال حسن جس کی پیغمبر ﷺ نے توصیف کی ہے۔

تطیّر کا تاریخی تناظر

تطیر جس طرح عصر حاضر میں بعض معاشروں کی جڑوں میں پیوست ہے اور لوگ اس جدید عہد میں بھی وسوسوں کا شکار رہتے ہیں اسی طرح یا اس سے بھی زیادہ ماضی میں جاہل معاشرے اس مرض کا شکار تھے۔

تطیر کی بنیادیں صرف عرب جاہلی معاشروں میں نہیں تھیں بلکہ جزیرہ عرب سے باہر بھی اس کا وجود تھا، روم، فارس اور یونان کی تہذیبیں بھی اس میں مبتلا رہیں ہیں۔

پرانی اقوام میں تطیر کا وسوسہ موجود تھا قرآن مجید واضح کرتا ہے کہ تطیر کا عقیدہ حضرت موسیٰ عَلَيۡهِ ٱلسَّلَامُ کے عہد میں بھی رائج تھا۔

﴿فَإِذَا جَآءَتۡهُمُ ٱلۡحَسَنَةُ قَالُواْ لَنَا هَٰذِهِۦۖ وَإِن تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٞ يَطَّيَّرُواْ بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُۥٓۗ أَلَآ إِنَّمَا طَٰٓئِرُهُمۡ عِندَ ٱللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: اگر ان کو کوئی اچھائی ملے تو کہتے ہیں یہ ہمارا مقدر ہے اور اگر ان کو کوئی برائی پہنچے تو موسیٰ اور انکے ساتھیوں سے بدشگونی کا دعوی کرتے ہیں، حالانکہ ان کی قسمت عند اللہ ہے لیکن ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔

اسی طرح قوم صالح بھی اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام اور نبی کے ماننے والوں کے بارے میں اسی طرح گمان کرتے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿قَالُواْ ٱطَّيَّرۡنَا بِكَ وَبِمَن مَّعَكَۚ قَالَ طَٰٓئِرُكُمۡ عِندَ ٱللَّهِۖ بَلۡ أَنتُمۡ قَوۡمٞ تُفۡتَنُونَ﴾ (۲)

ترجمہ: وہ بولے ہم آپ اور آپکے ساتھیوں سے بدشگونی محسوس کرتے ہیں، اللہ کے نبی نے فرمایا تمہاری قسمت اللہ کے ہاں ہے لیکن تم لوگ آزمائش میں ہو۔

---

(۱) الأعراف ۷:۱۳۱

(۲) النمل ۲۷:۴۷

بدشگونی کے لیے قرآن کریم میں تطیر کا لفظ مستعمل ہے اسی طرح گزشتہ اقوام بھی بدشگونی کے لیے پرندوں کا استعمال کرتے تھے؟ اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے مشہور مفسر علّامہ ابن عاشور رحمہ اللہ [1] لکھتے ہیں:

"فاستعمل التطير في التشاؤم بدون دلالة من الطير، لأن قوم فرعون لم يكونوا ممن يزجر الطير فيما علمنا من أحوال تاريخهم، ولكنهم زعموا أن دعوة موسى فيهم كانت سبب مصائب حلت بهم، فعبر عن ذلك بالتطير على طريقة التعبير العربي". [2]

ترجمہ: تطیر کا لفظ تشاؤم اور بدشگونی کے لیے مستعمل ہے، اس میں پرندوں کی دلالت موجود نہیں، کیونکہ ہمارے علم کے مطابق قوم فرعون پرندوں کو اڑا کر فال نہیں نکالتی تھی لیکن ان کا خیال تھا کہ ان پر جو مصائب نازل ہوئے ہیں اس کا سبب موسیٰ عَلَيۡهِ ٱلسَّلَامُ کی دعوت ہے، ان کی اس بدشگونی کو عربی اسلوب میں تطیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مشہور مؤرخ حسن نعمة، اہل یونان کے متعلق لکھتے ہیں:

"عرف اليونانيون القدماء السحر والعرافة والتنبؤ، وتأثروا بالأحلام وقدسوا الحيوانات والطيور، واعتبروا الطير رسل الآلهة منها يأتى الفأل والشؤم". [3]

ترجمہ: قدیم اہل یونان جادو ٹونہ اور اٹکل جانتے تھے، وہ خوابوں سے متاثر ہوتے اور جانوروں اور پرندوں کو مقدس خیال کرتے تھے، وہ پرندوں کو دیوتاؤں کا پیغامبر سمجھتے اور ان سے نیک شگون یا بدشگون لیتے تھے۔

اور رومیوں، عبرانیوں مصریوں اور کلدانیوں کے متعلق لکھتے ہیں:

"لقدكان لاتجاه الطيور والحيوانات وأشكال أمعاء الحوانات بعد ذبحها عند الرومان والكدانين والعبرانيين والمصريين دلالة على ما يحدث بالغيب وهو ما يعرف بقراءة كبد الأضاحى". [4]

---

(۱) ابن عاشور، محمد الطاہر (۱۸۷۹ء-۱۹۷۳ء) تیونس میں رئیس المفتین المالکیین تھے۔ مفسر، لغوي، نحوي، أديب کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ جامع الزیتونہ و فروعہ تیونس میں شیخ السلام کے مرتبے پر فائز تھے۔ مشہور تفسیر التحریر والتنویر تیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ (معجم المفسرين، ۵٤۲/۲)

(۲) التحرير والتنوير، محمد الطاهر بن عاشور، الدار التونسية للنشر تونس، طبعة ١٩٨٤ء، ٦٦/٩

(۳) موسوعة ميثولوجيا وأساطير الشعوب القديمة، حسن نعمة، مكتبة جرير، الدوحة قطر، طبعة ٢٠٠٥ء، ص:١٠٤

(۴) ایضاً، ص:۱۰۵

ترجمہ: رومی، کلدانی، عبرانی اور مصری جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد ان کی انتڑیوں کی شکلوں سے غیب کے اشارے معلوم کرتے تھے، اس عمل کو قربانیوں کے جگر پڑھنا کہا جاتا تھا۔

اور پرندوں کے بارے میں امریکی ریڈ انڈینز اور عربوں کا اعتقاد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اعتقدت کثیر من الشعوب القدیمة کالهنود فی أمریکا أن بعض فصائل الطیور ما هی إلا أرواح الموتی بعد مفارقتها الجسد وقد اعتقد العرب بذالک فظنوا أن من مات أو قتل ولم یثار له تخرج من رأسه هامة تنادی علی قبره اسقونی اسقونی". (۱)

ترجمہ: بہت سے قدیم معاشروں جیسے امریکی ریڈ انڈینز اور عرب یہ خیال کرتے تھے کہ بعض پرندے حقیقت مردوں کی روحیں ہوتی ہیں، عربوں کا خاص طور پر یہ اعتقاد تھا کہ مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے تو اس شخص کی کھوپڑی باہر نکل آتی ہے اور یہ کھوپڑی اُلّو کا روپ دھار لیتی تھی اور اس کی قبر پہ آوازیں دیتی اسقونی، اسقونی مجھے سیراب کرو، مجھے سیراب کرو یعنی میرا قصاص لو۔

اور بتایا کہ وہ پرندوں وغیرہ کے علاوہ تیروں سے بھی تطیر کا عمل کرتے تھے۔

"عرفت الشعوب القدیمة التکهن بالسهام، إذا کان السهم یرمی فی الهواء ثم تراقب حرکته ویراقب اتجاهه، فإما أن یمضوا فی أعمالهم أو یقصدوا عنها". (۲)

ترجمہ: قدیم معاشرتی گروہ تیروں کے ذریعے کھانت کیا کرتے، وہ تیر کو ہوا میں چھوڑتے پھر اس کی حرکت اور جانب کو دیکھ کر اندازہ لگاتے کہ انہیں اب کیا کرنا چاہیے، یہ کام کر گزرنا چاہیے یا ترک کر دینا چاہیے۔

اور بچوں سے بھی تطیر کا کام لیتے تھے اور یہ عجمیوں میں عام تھا۔

"کان العجم یتشاءمون من رؤیة الصبی ذاهباً إلی المعلم و إذا رأوه راجعاً من عنده تفاءلوا". (۳)

ترجمہ: اہل عجم بچے کو معلم کے پاس جاتے دیکھ کر بد شگونی کا اعتقاد رکھتے تھے اور اس کی واپسی کو نیک شگون سمجھتے۔

اسی طرح کا عمل قدیم اہل مصر میں تھا۔

---

(۱) موسوعة میثولوجیا، ص:۱۱۳

(۲) ایضاً، ص:۱۴۴

(۳) ایضاً، ص:۱۴۴

"كان المصريون القدماء يتشاءمون من القطة السوداء وقد انتشرت هذه الخرافة فى الصين وبلجيكا".[1]

قدیم اہل مصر میں تھا وہ کالی بلی کو بد شگونی کی علامت سمجھتے تھے، اور یہ خرافات چین اور بلجیم میں بھی رائج رہی۔

اسی طرح میسوپوٹامیا یعنی قدیم عراق میں نجومی پرندوں کے ذریعے مستقبل کی پیشگوئی کرتے تھے۔ نجومی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوتا اس کے سامنے ایک پرندے کو لا کر اسے اڑنے پر اکساتا، اگر پرندہ دائیں طرف اڑتا تو یہ مراد لیا جاتا کہ بادشاہ کو دیوتاؤں کی طرف سے مدد میسر ہے، اگر بائیں طرف اڑتا تو اس کو بد شگونی پر محمول کیا جاتا تھا۔

تطیر کا اعتقاد تقریباً تمام قدیم تہذیبوں میں رائج تھا کہ دائیں طرف کو مقدس اور بابرکت سمجھا جاتا۔ اسی طرح بعض اعداد کو بھی بارکت سمجھا جاتا، ان اعداد میں ایک، تین، سات اور بارہ کے عدد شامل ہوتے۔ اسی طرح قدیم تہذیبوں میں خوابوں سے بھی نیک یا بد شگون حاصل کیا جاتا تھا۔

تطیّر کا اصطلاحی مفہوم (Technical meaning)

تطیر کی لغوی وضاحت سے اس کا اصطلاحی مفہوم بھی کسی حد تک واضح ہو گیا ہے کہ تطیر کے اصطلاحی مفہوم میں مذموم یعنی بد شگونی مراد لی جاتی ہے و گرنہ تطیر لغوی معنوں میں علی سبیل الاشتراک استعمال ہوا ہے۔ اگر تطیر مذمتی مفہوم سے پاک ہو جائے جو دین اسلام نے واضح کی ہے تو یہ حسن کے زمرے میں شامل ہو کر فال (نیک شگونی) سے بھی تعبیر کیا جائے گا۔

"التطير هُوَ التشاؤم من الشَّيْء المرئي أَو المسموع".[2]

ترجمہ: تطیر کسی حسی، نظر آتی یا مسموع شے سے شگون لینے سے عبارت ہے۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ[3] کہتے ہیں: "التطير هو التشاؤم بمرئي أو مسموع أو معلوم".[4]

ترجمہ: تطیر کسی نظارے، قول یا فعل سے بد شگونی کا عندیہ حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔

---

(۱) موسوعة ميثولوجيا، ص:۱۴۴

(۲) مفتاح دار السعادة، ٢/٢٤٦

(۳) محمد بن صالح بن العثيمين، أبو عبد الله محمد بن صالح بن محمد بن سليمان بن عبد الرحمن العثيمين الوهيبي التميمي (۱۹۲۹ء–۲۰۰۱ء) مشہور سعودی عالم، کثیر کتابوں اور رسائل کے مصنف اور عالمی سطح پر کئی مناصب پر فائز رہے۔ [مقالہ نگار]

(۴) القول المفيد على كتاب التوحيد، محمد بن صالح العثيمين، دار ابن الجوزى، المملكة العربية السعودية، طبعة ثانية ١٤٢٤ھ، ٥١٥/١

تطیر کی اصطلاحی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ تطیر کسی شے یعنی مظاہر فطرت کو دیکھ کر اس سے بد شگونی لینے کا نام ہے۔ یا کوئی قول جیسے کسی کو نامراد کہنا اس سے یہ خیال کر لینا کہ اس سے انہیں ناکامی اور نامرادی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ بد شگونی کی اصطلاحی تعریف میں شامل ہے۔ مخصوص دنوں اور مہینوں سے بھی بد شگونی اور نحوست لینا اس کو بھی تطیر یا بد شگونی کہا جاتا ہے۔

فال کا مفہوم اور اقسام

اچھا شگون تطیر کی دوسری قسم ہے جس کے لیے عموماً لفظِ فال مستعمل ہے۔ فال عربی لفظ ہے اس کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم واضح کرنا ضروری ہے تا کہ تطیر کے دوسرے معنی نیک شگونی کی وضاحت ہو سکے۔

لغوی مفہوم:

"الفأل: ضِدُّ الطِّيَرَة، والجمع فُؤُول، الجمعُ أَفْؤُل، والفَأل يكون فيما يحسن وفيما يسُوءُ".[1]

ترجمہ: فال طیرۃ کا متضاد ہے، جمع اس کی فؤول اور جمع الجمع اَفؤل ہے۔ اس سے مراد اقوال وافعال سے نیک شگونی حاصل کرنا ہے، اور فال کا استعمال خیر وشر اور اچھائی وبرائی دونوں کے لیے ہوتا ہے۔

ابن الاثیر رحمہ اللہ فال کی لغوی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"الفَأْل مَهْموز فِيمَا يَسُرُّ ويَسُوء، والطِّيَرَة لَا تَكُونُ إِلَّا فِيمَا يَسُوء، وَرُبَّمَا اسْتعملت فِيمَا يَسُرّ. يُقَالُ؛ تَفَاءَلْتُ بِكَذَا وتَفَأَّلْتُ عَلَى التَّخْفِيفِ والقَلْب. وَقَدْ أُولِعَ النَّاسُ بتَرك هَمْزِه تَخْفِيفًا"[2]

ترجمہ: فال (همزہ کے ساتھ) خیر وشر دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ طیرۃ کا زیادہ استعمال شر کے لیے ہوتا ہے البتہ کبھی کبھار خیر کے لیے استعمال ہے، اور تفاءلت بکذا یعنی میں نے اس شے سے شگون حاصل لیا، لوگ فال کو بغیر همزہ کے زیادہ پڑھتے ہیں۔

فال کی لغوی توضیح سے مستفاد ہوا کہ اس کا استعمال خیر وشر دونوں کے معنی میں ہوتا ہے لیکن زیادہ مشہور خیر اور اچھائی کے لیے ہوتا ہے جیسا کہ تطیر کے مفہوم میں خیر وشر دونوں ہیں لیکن زیادہ مشہور شر اور بد شگونی ہے۔

---

(۱) لسان العرب، لابن منظور الافريقى، ۵۱۳/۱۱

(۲) النهاية فى غريب الحديث والأثر، ۴۰۵/۳

فال کا اصطلاحی مفہوم

ہر اچھی بات اور مثبت احساس جو انسانی قلب کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں مطمئن کر دے اور اس کام کا نتیجہ انسانی کیفیات اور افکار پر مثبت اثرات مرتب کرے، فال (نیک شگونی) کے مفہوم میں شامل ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

«لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ، وَيُعْجِبُنِي الفَأْلُ الصَّالِحُ؛ الكَلِمَةُ الحَسَنَةُ». (۱)

ترجمہ: عدویٰ یعنی یہ اعتقاد کہ بیماری منتقل ہو جائے گی اور طیرۃ یعنی بد شگونی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور مجھے فال صالح پسند ہے جو کہ کلمہ حسنہ ہے۔

محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"فالكَلِمَة الطَّيِّبَةُ " تُعْجِبُه صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا فِيهَا مِن إِدْخَالِ السّرُورِ عَلى النّفْسِ وَالْاِنْبِسَاطِ، وَالمضي قدما لِمَا يَسْعى إِلَيه الْإِنْسَانِ، وَلَيْسَ هذَا مِنَ الطّيرةِ، بَلْ هَذا مِمّا يَشْجَع الْإِنْسَانُ; لِأَنّها لَا تُؤَثّر عَلَيه، بَلْ تَزِيدُه طَمَأْنِينَة وَإِقْدَاماً وَإِقْبَالاً. وَظَاهِرُ الحَدِيْث؛ الكَلِمَة الطَّيِّبَةُ فِي كُلّ شَيءٍ; لِأَنّ الكَلِمَة الطَيِّبَة فِي الْحَقِيقَةِ تَفْتَحُ الْقَلْبَ وَتَكُونُ سَبَباً لِخَيْرَاتِ كَثِيْرةِ، حَتّى إِنّهَا تَدْخُلُ المرءُ فِي جُمْلَة ذَوِي الْأَخْلَاقِ الْحَسَنَةِ". (۲)

ترجمہ: کلمہ حسنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے کیونکہ یہ انسان کے دل میں فرح اور انبساط کو پیدا کرتا ہے اور انسان کو اپنے مقصد میں چلتے رہنے پر ابھارتا ہے، یہ طیرۃ میں داخل نہیں ہوتا، بلکہ یہ انسان پر مثبت اثر ڈالتے ہوئے اس کو ہمت دلاتا ہے اور اطمینان کے ساتھ اس کو آگے بڑھنے پر مدد کرتا ہے، حدیث مبارکہ کے ظاہر سے محسوس ہوتا ہے کہ کلمہ حسنہ ہر چیز میں اہم ہوتا ہے کیونکہ حقیقت میں دل کے اندر انبساط پیدا کرتا اور بہت ساری بھلائیوں کا سبب بنتا ہے یہاں تک کہ کلمہ حسنہ فرد کو اچھے اخلاق کا مالک شخص بنا دیتا ہے۔

اسی طرح کسی کام کو سر انجام دیتے وقت کوئی اچھا جملہ سننا بھی فال حسن پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت أنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث منقول ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهُ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ أَنْ يَسْمَعَ؛ يَا رَاشِدُ، يَا نَجِيحُ». (۳)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الطب، باب الفأل، حدیث نمبر: ۵۷۵۶، ۷/۱۳۵

(۲) القول المفید علی کتاب التوحید، ۱/ ۵۷۰

(۳) سنن الترمذی، أبواب السیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی الطیرۃ، حدیث نمبر: ۱۶۱۶، ۳/۲۱۳، [حکم الألباني]: صحیح

ترجمہ: نبی کریم ﷺ جب کسی کام سے نکلتے تو آپ ﷺ یہ سننا پسند کرتے "یاراشد، یانجیح" (اے کامران وکامیاب)۔

نیک شگونی کا احساس حاصل کرنا صرف قول میں منحصر نہیں ہے بلکہ یہ کوئی فعل اور نظارہ بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی اہم کام سے جارہا ہو اور راستے میں کسی نیک انسان پر نظر پڑ جائے تو اس سے مثبت احساس حاصل کرنا کہ اللہ تعالیٰ میرے کام میں مدد کرے گا۔ اس امر میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بیمار ہو اور کوئی اسے یہ دعا دیدے کہ اللہ تعالیٰ تجھے شفاء دے، تو اس سے شفاء کی امید کا احساس پیدا ہو جانا بھی نیک شگون ہے۔ یا جمعہ کے دن مبارک دن کی نیت کرتے ہوئے کوئی اہم کام کرنا بھی اچھا شگون ہے۔

کیونکہ فال (نیک شگونی) ہر اس مثبت احساس کو کہتے ہیں جو کسی قول فعل یا نظارے کے ذریعے حاصل کیا جائے، جس سے دل میں امید، انبساط اور خوشی کے جذبات پیدا ہو جائیں۔

مشہور اُندلسی مفسر امام قرطبی رحمہ اللہ[۱] لکھتے ہیں:

"الفأل؛ أن يسمع الإنسان قوله حسناً أو يرى شيئاً يستحسنه يرجو منه أن يحصل له غرضه الذى قصد تحصيله".[۲]

ترجمہ: فال یہ ہے کی انسان کوئی اچھی شے دیکھے یا اچھی بات سنے تو اس کو امید افزا خیال کرے اور سمجھے جو وہ چاہتا ہے ہو جائے۔

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی وضاحت کے مطابق:

"الفرق بين الفأل و الطيرة؛ أن الفأل من طريق حسن الظن بالله، و الطيرة لا تكون إلا في السوء فلذلك كرهت".[۳]

ترجمہ: فال اور طیرۃ میں فرق یوں رہے گا: فال میں اللہ کے ساتھ حسن ظن ہوتا ہے اور طیرۃ میں صرف برائی موجود ہوتی ہے اسی لیے طیرۃ کو شریعت میں ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

---

(۱) القرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر الانصاری، القرطبی ابو عبد اللہ (المتوفی ۶۷۱ھ) کبار مفسرین میں سے تھے۔ اہل قرطبہ میں سے تھے۔ شرق کے کئی سفر کیے پھر منیہ ابن خصیب میں ٹھہر گئے جو کہ مصر میں شمالی اسیوط میں ہے۔ وہیں وفات پائی۔ بڑے عابد اور متقی تھے۔ (تاريخ الإسلام للذهبي، ۱۵/ ۲۲۹)

(۲) الجامع لأحكام القرآن، تفسير القرطبي، أبو عبد الله شمس الدين القرطبي، تحقيق: أحمد البردوني، دار الكتب المصرية القاهرة، طبع ۱۹٦٤ء، ٥/٦٢٧

(۳) فتح الباری، ۲۱٥/۱۰

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"يكون الفأل فيما يسروفيما يسوء و الغالب فى السرور، و الطيرة؛ و لايكون إلافيما يسوء قالوا: و قد يستعمل مجازا في السرور".[1]

ترجمہ: فال کا استعمال برائی اور اچھائی دونوں میں ہوتا ہے لیکن غالب اس کا استعمال اچھائی میں کیا جاتا ہے جبکہ طیرۃ شوم کے معنی میں اصلاً مستعمل ہے، اور کبھی کبھار اچھائی میں مجازاً استعمال کیا جاتا ہے۔

فال اور طیرۃ میں فرق کی وضاحت ابن القیم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

"الفأل من الطيرة، و هو خيرها، فأبطل الطيرة؛ و أخبر أن الفأل منها و لكنه خير منها، ففصل بين الفأل و الطيرة لما بينهما من الامتياز و التضاد؛ و نفع أحدهما و مضرة الآخر".[2]

ترجمہ: فال طیرۃ ہی کی طرز کی ایک صورت ہے مگر فال ان میں سے ہے جو اچھی اور خیر ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے بدشگونی (طیرۃ) کے عمل سے روکا ہے بلکہ اس کو باطل عمل کا حصہ گردانہ ہے اور بتایا ہے کہ فال اس (طیرۃ) کی اچھی قسم ہے، اس طرح آپ ﷺ نے فال اور طیرۃ کے درمیان فرق کر دیا ایک مفید، دوسرا مضر۔

اصطلاحاً فال کی تعریف سے معلوم نتیجہ یہ ہوا، فال کی دو اقسام ہو سکتی ہیں۔ فال محمود اور فال مذموم، ذیل میں ان دونوں اقسام کو بتفصیل بیان کیا جاتا ہے۔

فال کی اقسام

فال کی دو قسمیں ہیں، محمود اور غیر محمود۔

فال محمود: یعنی کسی کام سے پہلے نیک شگون لینا، فال محمود سے متعلق کہا گیا:

"هو حدوث علامة طيبة مصاحبة لنية عمل شئ، أومقارنة للبدء و الشروع فيه فيستبشر بذلك و يغلب على ظنه أن الله تعالي سيتمم له على خير".[3]

---

(۱) المنهاج فى شرح صحيح مسلم، للنووي، ٢١٩/١٤

(۲) فتح المجيد شرح كتاب التوحيد، عبد الرحمن التميمي، تحقيق:محمد حامد الفقي، مطبعة السنة المحمدية، القاهرة، طبعة ١٩٥٧ء، ص:٣١٢

(۳) صناعة الحياة، محمد أحمد الراشد، دارالفكر دمشق، طبعة ٢٠٠٨ء، ص:٣٤

ترجمہ: کسی کام کو شروع کرتے وقت کسی اچھی اور مثبت علامت کا ظاہر ہونا اور اس سے نیک شگون حاصل کرنا، نیت میں یہ اعتقاد غالب ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کام کو خیر پر مکمل کرنے میں مدد کرے گی۔

شریعت اسلامیہ اس قسم کے فال کو محمود شمار کرتی ہے جب آدمی کی اصل نیت تو خیر کی ہو اور خدائے تعالیٰ پر پورا یقین موجود ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اگر خارج میں کسی قول فعل یا نظارے سے مثبت احساس بھی حاصل ہو جائے تو یہ نیک شگونی جائز ہے بلکہ اس کو خود پیغمبر اسلام نے پسند بھی کیا ہے۔ کیونکہ ایسا شخص ایمان باللہ سے متصف ہوتا ہے اور وہ کسی نظارے کے واقع ہونے یا نہ ہونے کا منتظر نہیں ہوتا ہے البتہ وہ اس کے وجود کو خیر شمار کرتا ہے یوں اُسے عمل کرنے میں انبساط اور قدرت حاصل ہوتی ہے جو کہ ایک پسندیدہ عمل ہے۔

فال غیر محمود: سے مراد ہے کہ کسی کام سے پہلے بد شگونی لینا مثلاً کوئی چیز کے آغاز پر یا پھر اختیار نہ کرنے میں، کسی علامت کے ظہور کا انتظار کرنا اور یہ اعتقاد ہونا کہ اس کے کام کی وابستگی کا انحصار اس علامت کے ساتھ ہے۔ شریعت میں مذکورہ فال غیر محمود ہے۔ بالعموم اسے طیرۃ کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: «إِنَّمَا الطِّيَرَةُ مَا أَمْضَاكَ، أَوْ رَدَّكَ».(١)

ترجمہ: طیرۃ وہ عمل ہے جو تمہیں کام کرنے کی اجازت دے یا اس سے روک دے۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ اس حدیث کی وضاحت میں "ما أمضاک" (جو کام کی اجازت دے یا اس پر اُبھارے) کے مصداق میں دو امکانات ذکر کرتے ہیں:

١) **پہلی صورت:** (أن يكون من جنس التطير) یعنی کوئی ایسا قول و فعل یا امر جو طیرۃ کی نوع میں داخل ہو کہ ایک شخص کسی علامت کے ساتھ اپنے کام کو معلق کر دے اگر ایسا ہوا تو کر گزروں گا ورنہ ترک کر دوں گا، اب اگر ویسا ہو جائے اور وہ شخص کام گزرتے تو یہ علامت اور عمل تطیر کی قسم ہے جو کہ غیر محمود ہے اور غیر مشروع ہے، اس لیے کہ اس شخص نے ذات الٰہی پر توکل کرنے کی بجائے ایک علامت پر اعتماد کیا۔

٢) **دوسری صورت: کسی کام پر اُبھارنے کی یہ ہے** کہ کوئی شخص علامت کے ظاہر ہونے پر بھروسہ کرتا ہو اور نہ ہی کام کو مذکورہ علامت سے معلّق کرتا ہو، لیکن اس علامت سے اس کو اُمید اور طاقت حاصل ہو تو یہ طیرۃ میں داخل نہیں۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین اسی کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"أن يكون سبب المضي كلاما سمعه أوشيئا شاهده يدل على تيسير هذا الأمر له؛ فإن هذا فأل، و هو الذي يعجب النبيﷺلكن إن اعتمد عليه و كان سببا

---

(١) مسند احمد، احمد بن حنبل، تحقيق: شعيب الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة، طبعة١٤٢١ھ،حدیث نمبر:١٨٢٤، ٣٢٧/٣، [حكم شعيب الأرنؤوط]:إسناده ضعيف

لإقدامه؛ فهذا حكمه حكم الطيرة، و إن لم يعتمد عليه، و لكنه فرح و نشط و ازداد نشاطا في طلبه؛ فهذا من الفأل المحمود".[۱]

ترجمہ: اگر کسی کام کی تکمیل کی وجہ کوئی قول یا نظارہ ہو جو اس کام کی آسانی و درستگی پر دلالت کرے تو یہ فال ہے جو کہ نبی کریم ﷺ کو پسند ہے، لیکن اگر وہ اس علامت پر بھروسہ کرے اور کام کو اس کے ساتھ معلق کر دے تو اس کا حکم طیرۃ والا ہے، ہاں اگر وہ اس پر بھروسہ نہیں کرتا البتہ وہ اس سے خوشی محسوس کرتا ہے یا نشاط حاصل کرتا ہے تو یہ فال محمود ٹھہرے گا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے قول سے بھی مذکورہ بالا بیان کی تائید ہوتی ہے یعنی ذات باری تعالیٰ پر توکل اور عدم توکل ہی اصل وجہ ہے:

"الفأل الحسن؛ و هو توقع حصول الخير و الاعتقاد أن الله هو سبب الخير، و فى ذالك حسن الظن بالله".[۲]

ترجمہ: فال حسن خیر کے حصول کی امید رکھنا اور اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھنا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن ہوتا ہے۔

فال محمود کو پیغمبر اسلام نے نہ صرف پسند فرمایا بلکہ کئی مواقع پر قول و عمل کے اعتبار سے فال (نیک شگونی) کو اختیار بھی فرمایا لہذا یہ امر محکم ہوا کہ شریعت میں فال محمود ایک جائز اور مثبت عمل ہے۔ اس کی دلیل میں آپ ﷺ کا ایک اور فرمان منقول ہے۔

«وَأَصْدَقُ الطِّيَرِ الْفَأْلُ».[۳] ترجمہ: سچا تطیر فال ہے۔

فال محمود کی عملاً مشروعیت کی واضح دلیل امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں حدیث ذکر کی ہے۔

«أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلَقْحَةٍ عِنْدَهُ؛ مَنْ يَحْلِبُ هَذِهِ النَّاقَةَ؟ فَقَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ لَهُ؛ مَا اسْمُكَ؟ فَقَالَ لَهُ؛ مُرَّةُ، قَالَ: اجْلِسْ، ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَحْلِبُ هَذِهِ النَّاقَةَ؟ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ؛ مَا اسْمُكَ؟ قَالَ: حَرْبٌ، قَالَ؛ اجْلِسْ، ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَحْلِبُ هَذِهِ النَّاقَةَ؟ فَقَامَ آخَرُ، فَقَالَ؛ مَا اسْمُكَ؟ قَالَ: يَعِيشُ، قَالَ: احْلِبْ».[۴]

---

(۱) القول المفيد، ۵۸۰/۱

(۲) فتح البارى، ۲۲۱/۱۰

(۳) مسند احمد، حديث نمبر: ۱۶۶۲۷، ۲۷/ ۱۸۱، [حكم شعيب الأرنؤوط]:حديث صحيح لغيره

(۴) موطأ امام مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني، مالك بن أنس المدني (المتوفي: ۱۷۹ھ)،تحقيق: عبد الوهاب عبد اللطيف، المكتبة العلمية،طبع الثانية، حديث نمبر:۸۷۹، ص:۳۱۳

ترجمہ: ایک دفعہ آپ ﷺ نے صحابہ کو ایک اونٹنی کا دودھ دوہنے کا حکم دیا، ایک صحابی کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا نام کیا ہے انہوں نے جواب دیا مرّہ، آپ ﷺ نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ، اس کے بعد ایک اور صحابی اٹھے تو آپ ﷺ نے ان سے بھی نام دریافت کیا انہوں نے جواب دیا: حرب، تو آپ ﷺ نے ان کو بھی بیٹھنے کا کہا، بعد میں تیسرے صحابی اُٹھے، آپ ﷺ نے نام پوچھا، تو بتایا یعیش، آپ ﷺ نے کہا ہاں تم دودھ دوہو۔

محدث ابن عبد البر رحمہ اللہ [1] حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"لَيْسَ مِنْ بَابِ الطِّيَرَةِ لِأَنَّهُ مُحَالٌ أَنْ يَنْهَى عَنْ شَيْءٍ وَ يَفْعَلَهُ وَ إِنَّمَا هُوَ مِنْ بَابِ طَلَبِ الْفَأْلِ الْحَسَنِ، وَ قَدْ كَانَ أَخْبَرَهُمْ عَنْ شَرِّ الْأَسْمَاءِ أَنَّهُ حَرْبٌ وَ مُرَّةُ، فَأَكَّدَ ذَلِكَ حَتَّى لَا يَتَسَمَّى بِهَا أَحَدٌ". [2]

ترجمہ: اچھے نام سے نیک شگون لینا تطیر کے زمرے میں داخل نہیں ہوتا اس لیے کہ آپ ﷺ سے تطیر کا ارتکاب محال ہے۔ یہ صرف فال حسن کو طلب کرنا مقصود تھا آپ ﷺ نے تعلیم و تربیت کے لیے برے ناموں جیسے حرب اور مرۃ سے دودھ نکالنے کو منع کیا تاکہ لوگوں میں سے کوئی ایک یہ اسماء نہ رکھے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں:

"وَ كَانَ يَكْرَهُ الْأَمْكِنَةَ الْمُنْكَرَةَ الْأَسْمَاءِ وَ يَكْرَهُ الْعُبُورَ فِيهَا؛ كَمَا مَرَّ فِي بَعْضِ غَزَوَاتِهِ بَيْنَ جَبَلَيْنِ؛ فَسَأَلَ عَنِ اسْمَيْهِمَا، فَقَالُوا: فَاضِحٌ وَ مُخْزٍ، فَعَدَلَ عَنْهُمَا، وَ لَمْ يَجُزْ بَيْنَهُمَا." [3]

ترجمہ: آپ ﷺ برے اَسماء کو سخت ناپسند فرماتے تھے، اگر کسی جگہ کا نام ٹھیک نہ ہوتا تو اس سے گزرنے سے بھی احتراز فرماتے تھے، ایک دفعہ آپ ﷺ ایک غزوے کے دوران کسی گھاٹی سے گزرنے لگے، آپ ﷺ نے اس

---

(۱) ابن عبد البر، اَبو عمر یوسف بن عبد اللہ القرطبی (۳۶۸ھ-۴۶۳ھ) حدیث اور فقہ کے امام و مجتہد، اور احادیث کے حفظ و ضبط کے حوالے سے 'حافظِ مغرب' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ علمی و ادبی کتابوں کے مصنف تھے۔ مشہور کتابیں: الاستيعاب في معرفة الأصحاب، ا لتقصي لما في الموطأ من حديث الرسول، الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار وعلماء الأقطار، التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد۔ (سير أعلام النبلاء، شمس الدين محمد بن أحمد الذهبي (المتوفى:۷۴۸ھ)، المحقق: بإشراف الشيخ شعيب الأرناؤوط، طبع مؤسسة الرسالة، الثالثة ۱٤۰٥ھ، ۱۵۳/۱۸)

(۲) التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد؛ يوسف بن عبد الله بن عبد البر القرطبي، وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية، المغرب، عام النشر: ۱۳۸۷ھ، ۷۱/۲٤

(۳) زاد المعاد في هدي خير العباد، محمد بن أبي بكر ابن قيم الجوزية (المتوفى: ۷۵۱ھ)، مؤسسة الرسالة، بيروت، طبع السابعة والعشرون , ۱٤۱٥ھ، ۳۰۸/۲

کانام دریافت کیاانہوں نے اس کانام فاضح اور مخزی بتایاتو آپ ﷺ نے وہاں سے گزرنے سے احتراز کیااور راستہ بدل لیا۔

آپ ﷺ لوگوں کے نام اور جگہوں کے نام کے بارے میں بہت احتیاط برتتے تھے، آپ ﷺ نے اپنی حیات میں کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام اس لیے تبدیل کر دیئے کیونکہ انکے ناموں کے مطالب درست نہیں تھے۔ کیونکہ بعض ناموں کے معانی اچھے نہیں ہوتے تو دوسرے لوگ ان سے خوشدلی سے پیش نہیں آتے اور بعض اوقات برے ناموں کی وجہ سے وہی تعبیر ہو جاتی ہے جو اس کے نام کے معانی میں شامل ہوتی ہے یوں برے نام کے سبب پریشانی ہو سکتی ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ مزید ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں:

"سَأَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَجُلًا عَنِ اسْمِهِ، فَقَالَ: جمرة، فَقَالَ؛ وَاسْمُ أَبِيكَ؟ قَالَ: شهاب، قَالَ: مِمَّنْ؟ قَالَ؛ مِنَ الْحُرَقَةِ، قَالَ: فَمَنْزِلُكَ؟ قَالَ؛ بِحَرَّةِ النَّارِ، قَالَ؛ فَأَيْنَ مَسْكَنُكَ؟ قَالَ: بِذَاتِ لَظَى، قَالَ؛ اذْهَبْ فَقَدِ احْتَرَقَ مَسْكَنُكَ، فَذَهَبَ فَوَجَدَ الْأَمْرَ كَذَلِكَ..."(۱)

ترجمہ: جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی سے نام پوچھا، جواب دیا: جمرۃ، پھر باپ کا نام پوچھا اس نے بتایا: شھاب، پوچھا کہ قبیلہ کون سا ہے؟ اس نے کہا حرقۃ، آپ نے پوچھا کہ کس جگہ کے رہنے والے ہو، اس نے بتایا؛ حرۃ نار، پھر پوچھا کہ گھر کہاں ہے؟ اس نے بتایا: ذاتِ لظی پر واقع ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھر جاؤ تمہارا گھر آگ میں جل چکا ہے۔ وہ شخص گیا اور جا کر دیکھا کہ واقعی اس کا گھر آگ میں جل چکا تھا۔ اس واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کے الفاظ کی تعبیر اس کے معانی کے ساتھ کی بلکل اسی طرح آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر سہیل بن عمرو کے نام سے سہولت امر کی تعبیر کی تھی اور تعبیر ویسے ہی ثابت ہو گئی جیسے آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی تھی۔

آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کرتے تھے کہ اپنے بچوں کے نام اچھے رکھا کرو۔ فرمانِ رسول کا سبب ہو سکتا ہے کہ تقدیر بعض اوقات ناموں کے مثل ہوتی ہے اور نام اچھے ہونے چاہیے تا کہ قیامت کے روز ان کے اچھے ناموں سے پکارا جاسکے، اور نام اچھے ہوں تو ان سے فال محمود یعنی نیک شگون کی امید ہوتی ہے۔ الفاظ یا کام مشروع کرنے سے پہلے والے واقعات سے نیک شگون لینا کوئی برا عمل نہیں بشرطیکہ ذات باری تعالیٰ پر توکل کو برقرار رکھا جائے۔ اور اسی کو فال محمود کہتے ہیں اور یہ فال محمود کی مشروعیت دو وجہ سے معلوم ہوتی ہے۔

---

(۱) زاد المعاد، لابن قيم الجوزية، ايضاً، ۳۰۸/۲

اولاً: فطرتِ انسانی کی وجہ سے؛ وہ اچھی بات کا سننا اور اس پر اطمینان و خوشی محسوس کرتا ہے اور ان کا دل بھی اس طرف میلان رکھتا ہے۔

"والله سبحانه قد جعل في غرائز الناس الإعجاب بسماع الاسم الحسن ومحبته، وميل نفوسهم إليه، وكذلك جعل فيها الارتياح والاستبشار والسرور باسم الفلاح والسلام والنجاح والتهنئة والبشرى والفوز والظفر ونحو ذلك، فإذا قرعت هذه الأسماء الأسماع استبشرت بها النفوس وانشرح لها الصدر، وقوي بها القلب".(١)

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے فطرتاً لوگوں کی تخلیق کی ہے کہ اچھے ناموں کا سنا جانا اور ان کو محبوب ماننا، خوشگوار معلوم ہوتا ہے اور قلوب اس جانب کھچے چلے جاتے ہیں، نیز فلاح، نجاح، سلام، تھنئہ، بشریٰ، فوز، اور ظفر جیسے ناموں میں راحت خوشخبری اور اطمینان ملتا ہے۔ لہذا جب یہ نام کانوں سے ٹکراتے ہیں تو انسان کا شرح صدر ہوتا ہے اور خوشی محسوس کرتا ہے، وہ دل اس پر آمادہ ہوتا ہے۔

ثانیاً: فال محمود یا حسن کے ذریعے کوئی انہونی آفت زائل نہیں ہو جاتی اور نہ ہی آسمانی مصیبتوں سے حفاظت یقینی ہو جاتی ہے اور اچھے نام اپنی اچھی صفات سے متصف ہوتے ہیں اور برے ناموں کا اشتقاق اگر برا ہو تو اس جیسی صفات کا لائق بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے پیغمبر اسلام نے پسند فرمایا کہ نام اچھے معانی پر مشتمل ہونے چاہیئے اسی لیے فال محمود میں خیر کی توقع رکھنا جائز ہے اور اس سے طاقت، خوشی اور انبساط کا حصول درست ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اسماء کے اسباب پر مفصل کلام کیا ہے جس کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے:

اسماء کو بنظر غائر دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اچھے نام صفاتِ حسن سے متصف ہوتے ہیں جیسے آپ ﷺ کے نام "احمد اور محمد" میں صفاتِ محمودہ کی کثرت پائی جاتی ہے اور شرف و فضیلت میں اپنے مسمیٰ سے مکمل ارتباط رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے حکم بن ھشام کو کنیت ابو جھل سے پکارا کیونکہ اس کی مذکورہ کنیت اپنی شخصیت کا مکمل آئینہ تھی۔ اسی طرح قرآن مجید میں عبد العزی کے لیے ابو لھب کی کنیت کا انتخاب کی گیا کیونکہ وہ ذاتِ لھب کا زیادہ مستحق تھا۔ آپ ﷺ جب مدینہ ہجرت فرمائی تو اس کا پرانا نام یثرب کو تبدیل کر کے طَیْبَۃ رکھ دیا تاکہ اس میں کثرت پاکیزگی کا معنی شامل حال ہو جائے اور یہ شہر (الْمَدِینَۃ) آپ ﷺ کی آمد کے بعد اپنے اثرات میں زیادہ پاکیزگی والا ہو گیا ہے۔ اسی طرح غزوہ بدر کے موقع پر کفار کے مبارزین کا اپنے نام جیسی صفات حال ہوا۔ ولید، انسانی ضعف کا ابتدائی حصہ کو ظاہر کرتا ہے۔ شیبہ، انسانی ضعف کے انتہائی حصہ کا احساس دلاتا ہے۔ اور عتبہ، عتب سے مشتق ہے ایک ٹانگ نہ ہونے کے سبب بیسا کھی پر چلنے والے کو کہا جاتا ہے۔

---

(١) فتح المجيد شرح كتاب التوحيد، ص: ٣١١

جبکہ ان کفار کے مبارزین کے جواب دینے کے لیے آپ ﷺ جن صحابہ کو طلب کیا: علی، عبیدۃ، حارث رضی اللہ عنہم، ان کے اسماء میں بھی علو (بلندی)، عبودیت اور کوشش کرنا شامل تھا۔(۱)

مبحث ثانی: تطیّر کا حکم

اسلام نے معاشرے سے شرک اور توھم پرستی کو ختم کیا اور توحیدِ خالص کو تمام اعمال میں مرکزی حیثیت دی ہے۔ ہر وہ عمل جو توحید کے مفہوم سے منافرت رکھتا ہو اس کو منع فرمایا ہے لہذا عربوں میں توھم پرستی پر مبنی ایک قدیم رسم تطیر رائج تھی۔ دینِ اسلام نے اس کو ممنوع کہا۔ من جملہ تطیر کی اقسام یا وہ رسومات جن میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا مفقود ہو، اور اسبابِ ظاہری پر توجہ کرتے ہوئے اسے کارساز حقیقی گردانا جائے، اور اپنی تدابیر اور جملہ مساعی کے نتیجے کو اللہ کی کارسازی نہ سمجھا جائے، جو کہ کسی بھی عمل میں شرک کا شائبہ پیدا کر دیتی ہے، بوجہ شائبہ شرک کے ایسی توھم پرستی کو منع فرمایا۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کے مضمون میں آپ ﷺ نے تطیر اور طیرۃ کے بے اثر ہونے کا بتایا ہے:

«لاَ عَدْوَى وَ لاَ طِيَرَةَ، وَ لاَ هَامَةَ وَ لاَ صَفَرَ».(۲)

ترجمہ: بیماری کا ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا، بدشگونی لینا، اُلّو کا نکلنا اور صفر کو منحوس خیال کرنا، ان سب کی کوئی اساس نہیں۔

اس حدیث میں بدشگونی سے متعلق مختلف توہمات کی نفی کی گئی ہے۔ لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو اس کے پاس جانے سے وہ بیماری دوسرے شخص کو ہو جاتی ہے، آپ ﷺ نے **لا عدویٰ** سے اس کی نفی فرمائی۔

تشاؤم اور بدشگونی کی کوئی اصل نہیں ہے **لا طیرۃ** میں اس کی نفی کی۔ لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ مقتول کا جب تک بدلہ نہ لیا جائے تب تک اس کی کھوپڑی قبر پر یہ آوازیں دیتی رہتی ہے کہ مجھے سیراب کرو، مجھے سیراب کرو اور **لا ھامۃ** میں اس کی تردید کی۔

قبل از اسلام صفر کے مہینے کو منحوس سمجھا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی تردید فرمائی کہ اس اعتقاد کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور **لا صفر** میں اس کی پُرزور نفی ہے۔

---

(۱) انظر: زاد المعاد، ۲/۳۰۹-۳۱۰

(۲) صحیح البخاری، کتاب الطب، باب لا ھامة، حدیث نمبر: ۵۷۵۷، ۷/۱۳۵

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ[1] لکھتے ہیں:

"(ولا صفر) هو ما كانت فى الجاهلية تعتقد، أن في البطن دابة كالحية تهيج عند جوع الأدمي و تؤذيه فأبطله الإسلام، و قيل أراد به النسئ الذي كانوا في الجاهلية، هو تأخير شهر الحرام إلي صفر، و يجعلون صفر هو الشهر الحرام فأبطله الله في الإسلام."[2]

ترجمہ: عہد جاہلیت میں لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ پیٹ میں ایک کیڑا کیچوے کی طرح ہوتا ہے، جو آدمی کے بھوک لگنے کے وقت بپھر کر کاٹتا ہے۔ اسلام نے اس اعتقاد کو باطل قرار دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد "نسی" (یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کرنا) ہے، جیسا کہ لوگ جاہلیت میں کرتے تھے۔ وہ ماہِ محرم کو مؤخر کر کے صفر کی جگہ لے جاتے تھے اور صفر کو مقدّم کر کے محرم کی جگہ لے آتے تھے۔ اللہ نے دین میں ان خیالات کو ختم کر دیا۔

زمانۂ جاہلیت میں لوگ ماہ صفر کے متعلق بھی بہت ساری باتوں کو منسوب کر رکھے تھے، اور مختلف وجوہ سے اس کو منحوس سمجھتے، صفر پیٹ کے کیڑے کو قرار دیدتے، صفر کے بارے میں گمان تھا کہ پیٹ میں ایک سانپ ہے جو بھوک کے وقت ڈستا ہے۔ اور بڑی بات یہ تھی کہ اکثر صفر کے معاملہ میں تقدیم و تاخیر کیا کرتے۔ نبی کریم ﷺ نے ان تمام توہمات کو باطل قرار دیا۔ اسی ضمن میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ولا صفر۔ اسلام نے ان تمام باطل خیالات اور غیر دینی چیزوں کا خاتمہ کرنا ضروری قرار دیا ہے اور عقیدۂ توحید کو مضبوط سے مضبوط تر کرتے ہوئے خدائے تعالیٰ کی مقدوریت اور حکمت پر بھروسہ رکھنے کے لیے واضح ہدایات دی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں تطیر کو شرک کہا گیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، ثَلَاثًا».[3]

ترجمہ: آپ ﷺ نے تین بار ارشاد فرمایا کہ بدشگونی (طیرۃ) شرکیہ عمل ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں بھی طیرۃ کے عمل کو شرک کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔

---

(۱) سہارنپوری، خلیل احمد بن شاہ مجید علی (۱۲۶۹ھ تا ۱۳۴۶ھ) انڈیا کے ضلع سہانپوری میں پیدا ہوئے۔ دینی علوم میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف ان کی پہنچان بنی۔ انکی معروف تالیفات میں "بذل المجھود" شرح ابی داود معروف ہے۔ (اکابر علمائے دیوبند؛ محمد اکبر شاہ، ادارہ اسلامیات کراچی، ص:۴۵-۵۲)

(۲) بذل المجهود فى حل أبي داود، خليل احمد سهارنفورى، دار الكتب العلمية، بيروت، ۲۴۳/۱٦

(۳) أبوداود، سنن أبي داود، سليمان بن الأشعث، تحقيق:محمد محيي الدين، المكتبة العصرية بيروت، طبعة ۲۰۰۹ء، كتاب الطب، باب في الطيرة، حديث نمبر: ۳۹۱۰، ۱۷/٤، [حكم الألباني]:صحيح

آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ مِنْ حَاجَةٍ، فَقَدْ أَشْـرَكَ "، قَالُوا؛ يَا رَسُـولَ اللهِ، مَا كَفَّارَةُ ذَلِكَ؟ قَالَ: أَنْ يَقُولَ أَحَدُهُمْ؛ اللهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ، وَلَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ، وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ». (١)

ترجمہ: جو شخص بدشگونی (طیرۃ) کی وجہ سے کسی کام سے رُک جائے اس کا رک جانا شرکیہ عمل کہلائے گا، آپ ﷺ سے سوال کیا گیا، یارسول اللہ! ایسا کرنے کا کفارہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ یہ کہ ہے: اے اللہ خیر صرف تیری ہی طرف سے حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح نحس یا بری گھڑی بھی تیری ہی جانب سے ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ تطیر کو شرک کہنے کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"فَإِذَا تَطير إِنسَانُ بِشَيءٍ رَآهُ أَوْ سَمِعَهُ فَإِنَّهُ لَا يُعَدُّ مُشْرِكاً شِرْكاً يُخْرِجُهُ مِنَ الْمِلَّةِ؛ لَكِنَّهُ أَشْرَكَ مِنْ حَيْث إِنَّهُ اعْتَمَدَ عَلى هَذا السَّبَبَ الَّذِي لَمْ يَجْعَلْهُ اللهُ سَبَباً وَ هَذا يَضْعَفُ التَّوَكَلُ عَلى اللهِ، وَ يُوهِنُ الْعَزِيْمَةَ وَ بِذَلِكَ يُعْتَبَرُ شِرْكاً مِنْ هَذِه النَّاحِيَةِ."(٢)

ترجمۃ: کسی شخص کا قول یا نظارے کو تطیر (بدشگونی) پر اطلاق کرنا یہ ان شرکیہ اعمال میں شمار نہیں ہوتا جو اسے دینِ اسلام سے باہر نکال دے، لیکن یہ ایک طرز کا شرک ضرور رہتا ہے کہ ایسے شخص نے خدا کے علاوہ کسی ہستی کو کامل بنانے والا خیال کر لیا جسے اللہ نے کارساز نہیں بنایا، ایسا عقیدہ اعتماد ویقین اور عزم کو کمزور کرتا ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ (٣) سے مروی حدیث میں آپ ﷺ نے تطیر اور طیرۃ کو دینِ اسلام کے مخالف عمل قرار دیا ہے۔

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ، أَوْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ، أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ، وَمَنْ عَقَدَ عُقْدَةً -أَوْ قَالَ؛ مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً- وَمَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» (٤)

---

(١) مسند احمد، حدیث نمبر: ٧٠٤٥، ٦٢٣/١١، [حكم شعيب الأرنؤوط]:حديث حسن

(٢) القول المفيد على كتاب التوحيد، ا/ ٥٧٥

(٣) عمران بن حصین بن عبید، آپ کی کنیت ابو نجید ہے اور یہ قبیلہ بنو خزاعہ کی ایک شاخ بنو کعب کے خاندان سے ہیں اس لیے خزاعی اور کعبی کہلاتے ہیں۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ۷ھ میں جنگ خیبر کے سال ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اسلام لائے۔ ۵۲ھ میں بمقام بصرہ آپ کا وصال ہوا۔(اسد الغابة، ٢٦٩/٤- سير اعلام النبلاء، ٥٠٨/٢)

(٤) البحر الزخار، المشهور بمسند البزار؛ أحمد بن عمرو البزار (المتوفي: ٢٩٢هـ)، مكتبة العلوم و الحكم، المدينة المنورة،طبع الأولى، ٥٢/٩

ترجمہ: وہ ہم میں شمار نہ ہوگا جو تطیر اختیار کرے یا پھر اس کے لیے تطیر کیا جائے، کسی نے کہانت کا عمل خود کیا یا اس کی خاطر انجام دیا گیا اور جس نے عملِ سحر خود یا اس کی خاطر کیا گیا، اور کسی نے شرک کا دھاگا باندھا، نیز کسی نے عملِ کھانت کیا یا اس کی تصدیق کی، تو اس نے محمد ﷺ پر نازل کیے ہوئے دین کا انکار کیا۔

اسی ضمن میں آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے: «الْعِيَافَةُ، وَ الطِّيَرَةُ، وَ الطَّرْقُ مِنَ الْجِبْتِ». [۱]

امام مناوی رحمہ اللہ [۲] اس حدیث کی تشریح میں عِیافہ اور دیگر مذکورہ کلمات سے متعلق لکھتے ہیں:

"(العِيافة) بالكسر زجر الطير (والطيرة) أي التشاؤم بأسماء الطيور وأصواتها وألوانها وجهة سيرها عند تنفيرها كما يتفاءل بالعقاب على العقوبة وبالغراب على الغربة وبالهدهد على الهدى وكما ينظر إن طار إلى جهة اليمين تيمن أو اليسار تشاءم (والطرق) الضرب بالحصى والخط بالرمل (من الجبت) أي من أعمال السحر فكما أن السحر حرام فكذا هذه الأشياء أو مماثل عبادة الجبت في الحرمة". [۳]

ترجمہ: عِیافۃ (کسرہ کے ساتھ) پرندے کو اڑنے پر اکسانا، اور طیرۃ سے مراد پرندوں کی آواز، ناموں، رنگوں اور ان کے اڑنے کی جہت سے بدشگونی حاصل کرنا ہے، اسی طرح لفظی مناسبت کی وجہ سے عقاب سے عقوبت مراد لینا، غراب (کوّا) سے غربت اور ھدھد سے ھدایت مراد لینا بھی اس میں شامل ہے، اسے ہی پرندوں کے دائیں یا بائیں جانب اڑنے کو اچھائی یا برائی پر محمول کرنا حرام ہے۔ طرق سے مراد کنکریوں کو پھینک کر اندازہ لگانا یا ریت پر خط کھینچنا جبت میں شمار ہوتا ہے یعنی اعمال سحر میں سے ہے، یہ تمام چیزیں بھی سحر کی مانند ممنوع ہیں یا حرمت میں شیطان کی عبادت کے مشابہ ہیں۔

تطیّر اور فال میں وجوہِ فارقہ

تطیر اور فال دونوں الفاظ معناً ایک دوسرے سے متصل اور قریب الاستعمال ہیں لیکن ان کے درمیان متعدد وُجوہ سے فرق کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۵۹۱۵، ۲۵/۲۵۶، [حكم شعيب الأرنؤوط]: إسناده ضعيف

(۲) المناوی، محمد عبد الرؤوف بن تاج العارفين ابن علي المناوي القاهری (۹۵۲-۱۰۳۱ھ = ۱۵۴۵-۱۶۲۲م)، علماء کبار میں سے تھے، قلیل الطعام اور راتوں کو جاگنے والے، کثیر التصنیف تھے، مشہور کتابیں: كنوز الحقائق، فيض القدير، شرح الشمائل للترمذي، الكواكب الدرية في تراجم السادة الصوفية۔ (معجم المؤلفين، ۱۹۶/٤)

(۳) فيض القدير شرح الجامع الصغير، عبد الرؤوف بن تاج العارفين المناوي القاهرى (المتوفى:۱۰۳۱ھ)، المكتبة التجارية الكبرى، مصر، الأولى ۱۳۵٦ھ، ٤/ ۳۹۵

۱) حقیقت کے اعتبار سے فرق

علماء نے تطیر اور فال کے مابین اصل اور حقیقت کے اعتبار سے فرق بیان کرتے ہیں۔

(الف)۔تضاد کا علاقہ: دونوں کے درمیان تضاد کا علاقہ ہے، **فیروز آبادی** رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"اَلْفَأْلُ ضِدُّ الطِّيَرِةِ كَأَنَّ يَسْمَعُ مَرِيْضٌ: يَا سَالِمُ أَوْ طَالِبُ؛ يَا وَاجِدُ وَيَسْتعملُ فِي الخَيرِ والشَّر، وَقَالَ فِي تَعْرِيفِه لِلطَّيرةِ؛ مَا يَتَشَاءَمُ بِه مِنَ الْفَأْلِ الرَّدِیءِ".[۱]

ترجمہ: فال طیرۃ کی ضد ہے مثلاً فال یہ ہے کہ کوئی مریض کسی سے سنے وہ کہہ رہا ہو یا سالم (اے تندرست) یا کوئی چیز تلاش کرنے والا کسی سے سنے یا واجد (اے پانے والے) تو اس سے شگون کا حاصل کرنا فال ہے۔ جبکہ طیرۃ کی تعریف میں کہتے ہیں کہ طیرۃ یہ ہے کہ فال غیر محمود سے بد شگونی حاصل کی جائے۔

امام قرافی رحمہ اللہ[۲] لکھتے ہیں:

"فالتطير هو الظن السيئ الكائن في القلب، والطيرة هو الفعل المرتب على هذا الظن من فرار أو غيره وكلاهما حرام".[۳]

ترجمہ: تطیر کسی شے سے متعلق دل میں وارد ہونے والے برے خیال کو کہتے ہیں اور طیرۃ ایسے فعل کے واقع ہونے کو کہتے ہیں جو بد گمانی سے بچنے کے باعث ظاہر ہو یا بد گمانی سے ہٹ کر کوئی اور وجہ ہو، اور یہ دونوں فعل حرام ہیں۔

ان اقوال سے عیاں ہوا کہ فال خیر یعنی اچھائی میں مستعمل ہے جبکہ کبھی شر کے لیے رائج ہے لیکن طیرۃ کا استعمال عوام الناس میں صرف شر کے لیے مخصوص ہے۔

(ب)۔عموم خصوص مطلق: فال میں عموم پایا جاتا ہے کہ اچھائی اور برائی دونوں کے لیے اس کا استعمال ممکن ہے جبکہ طیرۃ میں صرف منفی پہلو پایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے طیرۃ سے منع فرمایا بلکہ اسے باطل قرار دیا اور فال طیرۃ کی ہی قسم ہے لیکن اس کی خوبی اچھائی میں ہے، یعنی فال اور طیرۃ کے درمیان تضاد ہے کہ ایک میں نفع ہے جبکہ دوسرے میں نقصان۔

---

(۱) القاموس المحيط، ۲۷/٤

(۲) القرافی، أحمد بن إدريس بن عبد الرحمن، أبو العباس، شهاب الدين الصنهاجي القرافی، (۶۲۶ھ-۶۸۴ھ) آپ مالکی مسلک کے عالم تھے مگر فقہ، أصول فقہ، لغت وأدب، علم المناظرة، طبیعیات، اور تفسیر کے علوم کے کمال دسترس رکھتے تھے۔ مشہور کتابیں:
أدلة الوحدانية في الرد على النصرانية،الأجوبة الفاخرة في الرد على الأسئلة الفاجرة، أنوار البروق في أنواء الفروق، الاستغناء في أحكام الاستثناء.(معجم المؤلفين،۱/۱۵۸)

(۳) الفروق- أنوار البروق في أنواء الفروق، أحمد بن إدريس بالقرافي، عالم الكتب، بدون طبعة، ٤/۲۳۸

۲) مقصد کے اعتبار سے فرق

مقصد اور نتیجہ کے اعتبار سے جو چیز دل کو بھاتی ہے اور اچھی محسوس ہوتی ہے علماء نے اسے فال (نیک شگونی) میں شمار کیا ہے اور جو دل کو اچھی نہ لگے یا اس سے کراہت محسوس ہو اس سے احتراز برتا ہے اور اسے بد شگونی میں شمار کیا ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"الفأل والطيرة وإن كان مأخذهما سواء و مجتناهما واحدا فإنهما يختلفان بالمقاصد ويفترقان بالمذاهب، فما كان محبوبا مستحسنا تفاءلوا به وسموه الفأل وأحبوه ورضوه؛ و ما كان مكروها قبيحا منفرا تشاءموا به وكرهوه وتطيروا منه وسموه طيرة؛ تعرقة بين الأمرين و تفصيلا بين الوجهين وسئل بعض الحكماء فقيل له ما بالكم تكرهون الطيرة و تحبون الفأل، فقال لنا في الفأل عاجل البشرى و إن قصر عن الأمل ونكره الطيرة لما يلزم قلوبنا من الوجل".[۱]

ترجمہ: فال اور طیرۃ کا ماخذ اگرچہ ایک ہے لیکن ان دونوں کے درمیان مقاصد کا فرق ہے۔ پس جو شے محبوب اور اچھی ہوتی ہے اس سے لوگ نیک شگون کا حصول لیتے ہیں، اس عمل کو فال کہتے ہیں۔ اسے پسند کیا جاتا ہے، جب کہ فال کے بالعکس جو شے مکروہ اور نفرت انگیز ہوتی ہے بد شگونی اور ناپسندیدگی کا سبب بنتی ہے، اس طریقے کو طیرۃ کا نام دیا جاتا ہے تاکہ دونوں میں فرق ملحوظ رکھا جا سکے، ایک دانا سے سوال کیا گیا کہ آخر کیا وجہ ہے کو آپ طیرۃ کو ناپسند کرتے ہیں اور فال کو پسند کرتے؟ جواب دیا: فال میں خوشخبری ہوتی ہے، اور طیرۃ (بد شگونی) کو اس وجہ سے ناپسند کیا گیا کیونکہ یہ دلوں میں خوف اور بد حواسی کا باعث بنتا ہے۔

۳) تاثیر کے اعتبار سے فرق

علّامہ ابن القیم رحمہ اللہ اس کی توضیح کرتے ہیں:

"و هي أن التطير هو التشاؤم من الشيء المرئي أو المسموع؛ فإذا استعملها الإنسان فرجع بها من سفره؛ و امتنع بها مما عزم عليه فقد قرع باب الشرك، بل ولجه وبرىء من التوكل على الله و فتح على نفسه باب الخوف و التعلق بغير الله، و التطير مما يراه أو يسمعه، و ذلك قاطع له عن مقام إياك نعبد و إياك نستعين و أعبده و

---

(۱) مفتاح دار السعادة، ۲/۲٤٥

توكل عليه وعليه توكلت وإليه أنيب، فيصير قلبه متعلقا بغير الله عبادة و توكلا فيفسد عليه قلبه و إيمانه".[۱]

ترجمہ: جو شخص تطیر کو تسلیم کرتا ہے اور اس کے باعث ترک سفر کیا یا وہ کام منقطع کرتا ہے جس کی نیت کر چکا ہوتا ہے تو ایسا شخص شرک کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ اس نے اللہ پر بھروسے کو داغدار کیا اور اپنے اوپر خوف، خطرات اور وسوسوں کا باب کھول لیا، ایسا شخص مقام عبودیت سے بعید ہو جاتا ہے اور دل اس کا عبادت اور توکل میں غیر اللہ کے ساتھ متعلق ہو کر رہ جاتا ہے، اس طرح ہو اپنا دل اور ایمان دونوں خراب کر بیٹھتا ہے اور معصیت کا ارتکاب بھی، جبکہ فال حسن دل کو خوشی عطا کرتا ہے، خوف کو دور کرتا ہے، انسان پر امید کا باب کھول دیتا ہے اور اس پر بھی برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ تمام امور اللہ کے سپرد کر دے اسی سے مدد طلب کرے اور اسی پر بھروسہ کرے، اس طرح فال محمود فرد کو اطاعت الٰہی اور توحید کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی وجہ سے طیرۃ کو باطل اور مکروہ ٹھہرایا گیا ہے۔

امام خطابی رحمہ اللہ[۲] نے مذکورہ امر کی تائید کی ہے:

"أن الفأل إنما هو أن يسمع الإنسان الكلمة الحسنة فيفأل بها أي يتبرك بها و يتأولها على المعنى الذي يطابق اسمها و أن الطيرة بخلافها...؛ فأبطل صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أن يكون لشيء منها تأثير في اجتلاب ضرر أو نفع، و استحب الفأل بالكلمة الحسنة يسمعها من ناحية حسن الظن بالله."[۳]

ترجمہ: فال صرف یہ ہے کہ انسان کوئی اچھا کلمہ سنتا ہے اور اسے نیک معنی پر محمول کرتے ہوئے برکت حاصل کرتا ہے۔ اور طیرۃ اس کے برعکس ہے۔۔۔ آپ ﷺ نے طیرۃ کو باطل قرار دیا کیونکہ طیرۃ سے کسی شے کی اصل میں نفع اور ضرر مقصود ہوتا ہے، جبکہ حسنِ ظن کے باعث فال (نیک شگون) کو پسند فرمایا۔

---

(۱) مفتاح دار السعادة، ۲/۲٤٦

(۲) خطابی، حمد بن محمد بن ابراھیم بن الخطاب الخطابی البستی (۳۱۹-۳۸۸ھ) مشاہیر ائمہ اور فقہائے محدثین میں سے تھے۔ آپ کا نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بھائی زید رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے اسی نسبت سے الخطابی کہا جاتا ہے۔ امام خطابی کثیر التصانیف تھے۔ مشہور کتابیں یہ ہیں۔ معالم السنن، بیان إعجاز القرآن، إصلاح غلط المحدثين۔ (وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان، أبو العباس شمس الدين أحمد بن محمد ابن خلكان (المتوفى: ٦٨١هـ)؛ دار صادر، بيروت، ۲/۲۱٤)

(۳) معالم السنن، شرح سنن أبي داود، أبو سليمان حمد بن محمد الخطابي، المطبعة العلمية، حلب، الأولى ۱۳۵۱هـ، ٤/۲۳۵

علامہ طیبی رحمہ اللہ[1] اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"و القدر المشترك بين الطيرة و الفأل تأثير كل منهما فيما هو فيه، و الفأل في ذلك أبلغ."[2]

ترجمہ: طیرۃ اور فال میں قدر مشترک دونوں کی تاثیر ہے، فال کی تاثیر زیادہ ہوتی ہے۔

۴) حکم کے اعتبار سے فرق

طیرۃ میں منفی اثرات ہوتے ہیں لہذا شریعت نے حرام میں شمار کیا ہے اور شرک میں شامل کرنے کا مقصد، اس میں غیر اللہ کے ساتھ تعلق اور اس پر بھروسہ کا شائبہ موجود رہتا ہے، علاوہ ازیں انسان ہر وقت وسوسوں کا شکار بھی رہتا ہے جس سے روزانہ کی زندگی میں نارمل وقت گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرمایا آپ ﷺ نے:

«الطِّيَرَةُ شِرْكٌ؛ الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، ثَلَاثًا وَ مَا مِنَّا إِلَّا وَ لَكِنَّ اللَّهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ».[3]

ترجمہ: آپ ﷺ نے تین بار فرمایا کہ بد فالی شرک ہے اور ہمیں ایسا خوف ہو سکتا ہے لیکن توکل کے ذریعے اللہ اس کو ختم کر دیتا ہے۔

خلاصہ کلام: طیرۃ یا تطیر، اور فال وغیرہ کے الفاظ اور مترادفات اسلام سے پہلے عربوں اور دیگر سابقہ تہذیبوں میں بھی رائج تھے۔ عرب کی آب وہوا اور اس کا صحرائی ماحول نے بھی مظاہر پرستی کو فروغ دیا اور اس کی مزید آبیاری ان کے سیاسی پسماندگی اور جاہلی اندھی تقلید نے کی لہذا تطیر یعنی بدشگونی کی بنیاد کسی نہ کسی شکل میں ان کی معاشرتی زندگی میں مداخلت کرتی رہی۔

اسلام نے جس طرح شرک کی نفی کی اور انسان کو ذاتِ باری تعالیٰ سے جوڑا، شرک پرستی پر مبنی تمام توہمانہ اور شرکیہ رسومات کو ختم کیا اور وہ راستے بھی مسدود کر دیئے جو معاشرتی رویوں کی وجہ سے انسانیت کو شرکیہ اعمال کی طرف مجبور کر دیتے ہیں۔ اسلام نے انسان کو تقلیدی ایمان سے نکال کر تحقیقی ایمان سے متعاف کروایا، علم، عقل اور شعور کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ اندھی جاہلی تقلید کی مذمت بیان فرمائی، آباء پرستی، فرسودہ توہمات ورسومات کی حوصلہ شکنی کی۔ مگر اس ضمن میں انسان کی اس فطری صلاحیت اور ضرورت کا بھی خیال رکھا گیا جس سے اسے خوشی وسکون میسر ہو سکے اور وہ بلواسطہ

---

(۱) طیبی، الحسین بن محمد بن عبد اللہ، شرف الدین (المتوفی: ۷۴۳ھ)، تفسیر، حدیث اور عربی ادب کے مشہور علماء میں سے ہیں۔ آپ نہایت متواضع اور سخی تھے۔ تصانیف: التبیان في المعاني والبیان، شرح مشکاۃ المصابیح اور شرح الکشاف شامل ہیں۔ (معجم المؤلفين، ٤/٥٢)

(۲) فتح الباری، ١٠/ ٢١٤

(۳) سنن أبي داود، کتاب الطب وفی باب في الطيرة، حديث نمبر: ٣٩١٠، ٤/١٧، [حکم شعیب الأرنؤوط]: إسناده صحيح

یابلاواسطہ شرکیہ امور میں داخل نہ ہوں، لہٰذا نیک شگونی اور بد شگونی سے متعلق احکامات واضح کر دیئے اور نیک شگونی کے ضمن میں فطری و خلقی خواہشات کو یوں جائز رکھا جو توہم پرستی سے مبرا ہو اور خدا پر بھروسہ کے خلاف نہ ہو۔

مذاہب عالم کی تاریخ بھی گواہی دیتی ہے کہ انسانی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے کہ وہ ارد گرد ایسی چیزوں پر ایمان و اعتقاد رکھنے لگتا ہے جو اس کے قدرت واختیار سے ماورائی ہوں یا وہ اس کی آنکھوں سے اوجھل ہوں، یا پھر اس کے لیے کسی صورت میں نفع و نقصان کا باعث ہوں۔ قطع نظر اس کے درست اور غلط استعمال کے انسان ان تمام چیزوں سے بد شگونی کے تصورات میں مبتلا ہوتا رہا ہے۔ دراصل انسان نے اپنی تسلی اور اطمینان کا سامان فراہم کرنے کے لیے ابتدا میں مظاہر پرستی میں مبتلا ہوتا ہے اور اسی توہم پرستی میں ترقی کرتا ہوا شرکیہ رسومات اور پھر بت پرستی پر جا پہنچتا ہے۔

باب دوم

مذاہبِ عالم اور توہم پرستی

(World Religions & Superstitions)

مذاہب عالم کا مختصر تعارف(Precise introduction of World's Religions)

مذہب کا لغوی مفہوم راستہ، طریقہ اور مُذھّب سے مراد سونے کے پانی سے چمکایا ہوا ہے۔ انگریزی میں مذہب کے لیے "Religion" مستعمل ہے، جو لاطینی لفظ "religio" یعنی امتناع، پابندی سے ماخوذ ہے۔

بنیادی طور پر مذاہب کی دو اقسام ہیں یعنی مذہب کی تقسیم میں ثنائی سسٹم(Binary System) ہے۔

۱. سامی مذاہب ان کو الہامی مذاہب بھی کہا جاتا ہے۔

۲. غیر سامی مذاہب ان کو غیر الہامی(Non-Revealed) کہا جاتا ہے۔

لیکن نسلی لحاظ سے مذاہب کی ثلاثی(Tri system) تقسیم ہے۔

۱. سامی مذاہب (Semitic Religions)

۲. آریائی مذاہب(Arian Religions)

۳. منگول یا قوقازی مذاہب(Mangolian Religions)

اسلام، یہودیت اور عیسائیت سامی مذاہب میں شمار کیے جاتے ہیں نیز آریائی مذاہب میں ہندو مت، جین مت، زر تشتی اور سکھ مت شامل ہیں، اور منگولی مذاہب میں کنفیوشی مت، تاؤ مت، شنٹو مت اور بدھ مت داخل ہیں۔

الہامی اور غیر الہامی میں فرق(Revealed and Non-Revealed religions)

الہامی: یعنی وہ ادیان و مذاہب جو اللہ تعالیٰ، رُسُل اور نازل شدہ کتابوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے بر خلاف غیر الہامی سے مقصود وہ ادیان جو اپنی تعلیمات اور عقائد کو خدائے وحدہ لاشریک کی معین ہدایت کے تابع نہیں سمجھتے بلکہ ان کے خود ساختہ ہیں۔

> "الہامی مذاہب (آسمانی) یہودیت، عیسائیت اور اسلام شامل ہیں، علاوہ ازیں غیر الہامی (غیر آسمانی) میں بقیہ مذاہب آتے ہیں، الہامی مذاہب سامی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور غیر الہامی مذاہب کا سامی سے کوئی تعلق نہیں۔"(۱)

تو ھم پرستی پر الہامی مذاہب سے یہودیت اور عیسائیت، نیز غیر الہامی میں سے ہندو مت اور بدھ مت کو زیر بحث بنایا گیا۔

---

(۱) یہودیت عیسائیت اور اسلام، احمد دیدات، ترجمہ؛ مصباح اکرم، عبد اللہ اکیڈمی لاہور، ص:۳۹

توہم پرستی اور تخیل(Superstitions and imagination)

تخیل جس طرح فکر و فن اور علم کے دیگر شعبوں میں اہم کردار ادا کرتا ہے اسی طرح تخیل توہمات اور اساطیر کو بھی جنم دیتا ہے، لیکن جو تخیل توہمات اور اساطیر کو جنم دیتا ہے اس کو تخیلِ حسّی یا صوری کہا جاتا ہے جبکہ فکر و فن اور علم کے میدان میں نظر آنے والے تخیل کو تخیلِ اختراعی کا نام دیا جاسکتا ہے۔

توہم پرستی کی بنیادیں(Basics of Superstitions)

انسان دنیا میں کچھ روایات، خیالات و تصورات کے تحت زندگی گزارتا ہے اور انہیں خیالات و تصورات کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو کسی خاص عادات، رسوم و رواج کا پابند سمجھتا ہے۔ انہی تصورات و عادات کو دین یا مذہب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ عادات و تصورات کبھی نسلی اور قومی بنیادوں پر استوار کئے جاتے ہیں اور کبھی جغرافیائی تقسیم پر اور مذہبی روایات میں کائنات کو معائنہ کرنے اور غور و فکر کا انداز بھی کارفرما ہوتا ہے، مثلاً زراعتی معاشروں میں بارش کا دیوتا اور خانہ بدوش معاشروں میں شکار کا دیوتا وغیرہ۔

مذاہب عالم کی تاریخ میں توہم پرستی کی ابتدا کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ تہذیب و ثقافت اور ادب سے آگاہی ممکن ہو۔ ہر مذہب کسی دوسرے مذہب کی ارتقائی شکل نہیں ہے، بلکہ ہر مذہب میں اپنی بنیادیں موجود ہوتی ہیں جو ماحول، علاقہ، اور ثقافت و ادب کے تحت پنپتی ہیں، لیکن کچھ عناصر کسی نہ کسی شکل میں تمام مذاہب میں مشترک نظر آتے ہیں مثلاً قربانی، یقین، سحر، بد قسمتی کے دن اور اعداد وغیرہ۔

اسی طرح ارواح پرستی بھی اہم کردار ادا کرتا رہا ہے ابتدائی لوگ دنیا کو روحوں اور بد روحوں سے معمور تصور کرتے تھے، اور فطرت کی اس اہم آہنگی سے مذاہب پروان چڑھے، ارواح پرستی کے ساتھ ساتھ حیوان، درخت، پتھر، دریا، پہاڑ، آسمانی مخلوق، سمندر اور زمین بذاتِ خود بھی استغاثہ کی صورت رہے۔ تمام مذاہب فطرت کے مظاہر پرستی کا احترام کرتے اور ان میں روح ہونے کا اعتقاد رکھتے، ان سے باتیں کرتے، مدد مانگتے، اور انکے لیے قربانی دیتے۔ دور حاضر کے لوگ بھی اس میں پیچھے نہیں وہ بھی تاریخی پتھروں کو اپنی نئی عمارات کے کونے میں جگہ دیتے ہیں، قیمتی آتش دان بناتے ہیں، عیسائی کرسمس منانے کے لیے اپنے گھروں میں سدا بہار درخت لاتے ہیں۔ ہندو مقدس دریا گنگا میں اشنان لیتے ہیں، پارسی مقدس آتش کدا جلاتے ہیں۔ انسانی زندگی کی مظاہر پرستانہ تفہیم مذہبی اور غیر مذہبی اُمنگوں کو سمجھنے کے لیے سب سے بااثر تفہیم ہے۔

فصل اول: ہندو مت اور بدھ مت میں توہم پرستی

مبحث اول: ہندو مت میں توہم پرستی

مبحث ثانی: بدھ مت میں توہم پرستی

فصل اول: ہندو مت اور بدھ مت میں توہم پرستی

اس فصل میں غیر سامی مذاہب میں سے ہندو مت اور بدھ مت کا تعارف اور ان مذاہب اور ان کے زیر اثر معاشروں میں رائج توہمات کا جائزہ پیش کیا ہے۔

مبحث اول: ہندو مت میں توہم پرستی

ہندو مت کا تعارف

"ہندو" لفظ کا استعمال سب سے پہلے ایرانیوں نے کیا اگرچہ ہندو کا لفظ اس مذہب کی مقدس کُتب میں نہیں ملتا۔ پنڈت جواہر لال نہرو اپنی کتاب "The Discovery of India" میں لکھتا ہے۔

"The word 'Hindu' does not occur at all in our ancient literature. The first reference to it in an Indian book is, I am told, in a Tantrik work of the eighth century A.C., where 'Hindu' means a people and not the followers of a particular religion."(۱)

ترجمہ: لفظ 'ہندو' کسی قدیم سنسکرت اور ادبی کتاب میں نہیں ملتا سب سے پہلے اس کا استعمال آٹھویں صدی میں ہوتا ہے مگر یہ کسی خاص مذہب کے پیروکار کی بجائے ایک قوم کی شناخت کے طور پر استعمال ہوا۔
بنیادی طور پر اس کا اطلاق ان افراد پر ہوتا تھا جو دریائے سندھ کی وادی میں آباد تھے اگرچہ یہ لفظ بہت قدیم زمانے سے استعمال ہو رہا ہے، پارسیوں کی کتاب 'اوستا' میں اس کا ذکر موجود ہے۔(۲)

ہندو مت کی تعریف:

اصطلاحاً ہندو مت کا لفظ مذہبِ ہندو کے لیے استعمال درست نہیں ہے، کیونکہ ہندو مذہب میں اتحادِ افکار و نظریات نہیں ہے، بعض مؤرخین کے نزدیک اس مذہب کا ماخذ بھی معلوم نہیں اور سامی مذاہب کے برعکس ہندو مت میں کوئی پیغمبر بھی مبعوث نہیں ہوا۔ یہ اپنی نوعیت کا الگ مذہب ہے جس میں مذہب کی بنیاد کسی عقیدے، نبی و رسول کے بیان کردہ احکامات پر مبنی نہیں۔ ہندو مت میں ان اصولیات کا کوئی واضح تصور موجود نہیں۔ ہندوستان میں ایرین اور مسلمانوں کے بعد از وُرُود ہندو مت کا فکری و تہذیبی ارتقاء ہوا۔

اسی وجہ سے محققین کو ہندو مت کی جامع تعریف مرتب کرنے میں کئی دشواریوں کا سامنا رہا ہے مثلاً:

---

(۱) The Discovery of India, by Jawaharlal Nehru, oxford university press, Dehli,sixth, ۱۹۹۴, pg# ۷۴

(۲) ایضاً، ص:۷۴

ہندومت کو انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں یوں ذکر کیا گیا ہے:

"The English term Hinduism was coined by British writers in the first decades of the ۱۹th century and became familiar as a designator of religious ideas."(۱)

ترجمہ: انگریزی اصطلاح ہندوازم ۱۹ ویں صدی میں انگریزوں نے رائج کیا تھا کیونکہ یہاں پر مختلف نظریات و خیالات عقائد رکھنے والے بکثرت پائے جاتے تھے۔

"ہندو دھرم کی کوئی تعریف ممکن ہی نہیں اس لئے اس کی حدود متعین نہیں۔ یہ دراصل انسانیت کے اس اصول پر مبنی ہے 'to be to live and let live' یعنی جیو اور جینے دو۔"(۲)

ہندومہاسبھا کا پریذیڈنٹ ڈاکٹر ساورکر اپنی کتاب Hindutva میں لکھتا ہے:

"A HINDU means a person who regards this land of BHARATVARSHA, from the Indus to the Seas as his Father- Land as well as his Holy-Land that is the cradle land of his religion"(۳)

ترجمہ: ہندو وہ شخص ہے جو بھارت ورشا کی اس سرزمین کا احترام کرتا ہے۔ جو دریائے سندھ سے لے کر اس کے آباءواجداد کی جگہ تک شامل ہے اور یہی مقدس سرزمین اس کے مذہب کی محافظ اور پالنہار بھی ہے۔

ڈاکٹر ساورکر اس کی وضاحت کرتے ہوئے آگے لکھتا ہے:

"The words Hindutva and Hinduism both of them being derived from the word Hindu, must necessarily be understood to refer to the whole of the Hindu people.(۴)

ترجمہ دونوں الفاظ 'ہندوتوا'" اور 'ہندوازم' لفظ ہندو سے ماخوذ ہے، جو اس پر منتج ہے کہ لفظ ہندو تمام ہندوستان کے لوگوں کا حوالہ سمجھا جائے۔ ہندو مذہب کی کوئی تعریف جو ہندوستان کے لوگوں یا اس کے کسی بھی بنیادی حصے کو چھوڑ دیتی ہو وہ جامع تعریف نہ ہو گی۔

---

(۱) Hinduism: Britannica Encyclopedia of World Religions,۲۰۰۶, Paul Arney, pg#۴۳۳

(۲) The Discovery of India, pg#۷۵

(۳) Hindutva, by Vinayak Damodar Savarkar, s.s.savarkar sadan, Bomby, fifth edition,۱۹۶۹, pg# i

(۴) Hindutva, by V.D Savarkar, pg# ۱۰۲

ہندو دھرم ان معنوں میں مذہب نہیں جن معنوں میں اسلام یا مسیحیت مذاہب ہیں، دھرم کا لفظ مذہب کا مترادف نہیں بلکہ اس کا مطلب طبعی معمول یا دستور العمل ہے۔ ہندو دھرم اپنے معنی میں مذہب یعنی خدا اور انسان کے درمیانی رشتہ و تعلق کا نام نہیں ہے اس دھرم کے مخصوص عقائد نہیں ہیں بلکہ ہر قسم کے مختلف و متضاد خیالات موجود ہیں۔ مثلاً ایک فرقہ ویدوں کو مانتا ہے دوسرا اُن کو نہیں مانتا ایک اُپنشدوں کو مانتا ہے تو دوسرا نہیں مانتا، اگر ایک فرقہ خدا کی وحدت کا قائل ہے تو دوسرا کروڑوں دیوتاؤں کو مانتا ہے اور تیسرا وجودِ خدا کا ہی منکر ہے۔

"ہندو مذہب میں ہر شے کو لائق عبادت سمجھا جاتا تھا جس سے انسانی اذہان پر خوف و ہیبت طاری ہو جائے یا جس سے خوف اور امید کے جذبات وابستہ ہو جائیں۔ زمین و آسمان، پہاڑ، دریا اور پودے قابل پرستش سمجھے جاتے تھے۔"(۱)

"ہندو دھرم میں کچھ مشترک ہے تو وہ کرم اور تناسخ (Transfiguration) کا اصول ہے۔ ہندو دھرم میں در حقیقت کوئی عقائد نہیں جو ہندو مت کے ساتھ مخصوص ہوں چنانچہ ہندو مت اس پر بھی نازاں ہیں کہ ہندو مت کسی خاص عقیدہ کے ساتھ وابستہ نہیں ہے اس کو "مت" کا نام دیا گیا ہے۔ مت (Nameless of a Hundred Names) یعنی جس کے سو نام ہے اور پھر بھی نام نہیں رکھتا۔"(۲)

ہندو مت کو برہمن ازم بھی کہا جاتا ہے، حقیقیت میں یہ ایک بت پرستی پر مبنی دھرم ہے، یہ ایسے عقائد، عادات اور رسم ورواج کا ایک مجموعہ ہے جو پندرہویں صدی قبل مسیح سے عہد جدید تک تشکیل کے مراحل سے گزرا ہے۔ ہندو مذہب کا مخصوص بانی نہیں ہے، نیز ان کی اکثر کتابوں کے مصنّفین بھی نامعلوم ہیں۔ ہندوستان کے اصلی باشندے سیاہ فام تھے ایرانی، آریائی حملہ آوروں کی تہذیبوں سے متاثر ہوتا ہوا ہندو مت نے ایک ایسے مذہب کی شکل اختیار کر لی جس میں ابتدائی خیالات و نظریات میں فطرتی مظاہر کی پرستش، آباء واجداد اور گائے کی پوجا شامل تھی۔ آٹھویں صدی قبل مسیح میں ہندو مت میں ترقی ہوئی اور براہمن ازم کو فروغ ملا۔

ہندو مت کے لیے ایک معروف اصطلاح ویدک دھرم بھی ہے اس کے علاوہ ہندو مفکرین اسے 'سناتن دھرم' کا بھی نام دیتے ہیں۔ سناتن سنسکرت کا لفظ ہے (یعنی دوامی مذہب) یا "ویدک دھرما" (یعنی ویدا کا مذہب) کہنا پسند کرتے ہیں۔(۳)

---

(۱) اسلام اور مذاہب عالم، مظہر الدین صدیقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۴ء، ص:۵

(۲) کیا تمام مذاہب یکساں ہیں، برکت اللہ مسیح، کرسچن نالج سوسائٹی لاہور، ۱۹۴۱ء، ص:۱۰

(۳) دیکھیے: ایضاً، ص:۹

ہندومت کی مذہبی کتابیں:

ہندومت کی مذہبی کتابوں میں بنیادی طور پر دو اقسام کی مقدس تحریریں ہیں۔

- سروتی (Sruti)
- سمرتی (Smrti)

سروتی کا مطلب ہے وہ تحریریں جو سنی گئیں اور سمجھیں گئیں۔ سروتی دو بڑے حصوں میں منقسم ہے:

۱۔ وید (Veda) یہ سنسکرتی (Sanskrit) زبان میں استعمال ہوا جس سے مراد ہے حکمت و معرفت۔ یہ چار ویدوں پر مشتمل ہے۔ (رگ وید، اتھر وید، سام وید، یجر وید)

۲- مہابھارت، یہ کوروں اور پانڈووں کے درمیان کی لڑائی کی کہانی ہے اسے ۹۵۰ قبل مسیح میں ترتیب دیا گیا، اس کا مولف پراشر کا بیٹا 'ویاس' ہے۔

۳- اُپنشد، کا معنی ہے قریب ہو کر بیٹھنا۔ اس میں وید کی تشریح اور تعلیمات کا نچوڑ بیان ہوا ہے، اس میں ۱۰۸ خطبات ہیں جو مختلف گروؤں کے بیان کردہ ہیں بعض ہندوؤں کے نزدیک اسے وید پر بھی فوقیت حاصل ہے۔

سمرتی کا مطلب ہے "یاداشت" (یاد کیا ہوا)۔ ہندوؤں کے اس ادب کو سمجھنا آسان ہے یہ کتب الہامی نہیں بلکہ انسانی کاوش کا نتیجہ ہے، ان کو دھرماشاستر ہ بھی کہا جاتا ہے، سمرتی میں پُران (Puranas) بھی شامل ہے۔[۱]

اس کے علاوہ رامائن اور بھگوت گیتا بھی ہندو مذہب کی اہم کتابیں ہیں۔

عصر حاضر میں لفظ ہندو کا اطلاق ایسے مذہب پر کیا جائے گا جس کا تعلق کسی نہ کسی طرح وید سے جڑا ہو۔ عام طور پر تمام مذاہب کا ایک بنیادی اور مرکزی عقیدہ ہوتا ہے مگر ہندومت ایسے کسی بھی مرکزی عقیدے سے محروم ہے البتہ علماء ہنود تناسخ اور کرم کے عقیدے کو اہمیت دیتے ہوئے عام ہندوؤں سے مندرجہ ذیل عقائد کے علاوہ کسی عقیدے کا اصرار نہیں کرتے۔

۱- برہمن طبقے کی تعظیم کی جائے گی۔

۲- وید، مہابھارت (بمع بھگووگیتا)، منودھرم شاستر اور پُران کو اپنے دھرم کی اساس تسلیم کرتے ہوئے ان سے عقیدت رکھی جائے گی۔

۳- ذات پات کی تقسیم کو قبول کیا جائے۔

۴- تناسخ کو کسی بھی شکل میں مانا جائے۔

---

(۱) الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة، دار الندوة العالمية، الطبعة الرابعة، ١٤٢٠هـ، ٢/٧٢٤-٧٢٥

۵- گائے کو مقدس ماننے۔ [۱]

ہندومت میں توہم پرستی کا آغاز

ہندومت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے یہ مذہب انسانی ذہن میں پیدا ہونے والے خوف و وہم کے نتیجہ اور مظاہر پرستی کی تقدیس و ترویج میں جنم لیتا ہے، مختلف اقوام کے اختلاط کے باعث ہندومت میں خیالات و نظریات جابجا نظر آتے ہیں۔

یونانی مذہبی عقائد ورسومات کی طرح ہندومت بھی پیچیدہ ترین عقائد ورسومات کا حامل ہے، یونانی اساطیر اور خرافات کا عرصہ زیادہ طویل نہیں تھا، ان کی پیدائش اور تکمیل کا زمانہ چار سو برس پر محیط ہے اور الیاذہ نامی حربی شعری کہانیوں میں یونانی اساطیر اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہیں۔ اس کے بعد ان میں مزید خاطر خواہ اضافہ نہ ہو سکا، جبکہ ہندومت کی صورتحال اس کے برعکس ہے کہ اس کے عقائد ورسومات جو توہم پرستی کا شاہکار ہیں کسی محدود زمانے میں ان کی پیدائش و تکمیل نہیں ہوئی بلکہ صدیوں سے لیکر عصر حاضر تک اس میں تبدیلیاں اور اضافے رونما ہوتے رہے ہیں۔ [۲]

ہندومت میں خداؤں اور دیوتاؤں کی تعداد لاکھوں کروڑوں میں ہے قدرتی مناظر میں سے بہت کم ایسی چیزیں ہیں جن کی ہندومت میں پوجا نہ کی جاتی ہو یا مقدس نہ مانا جاتا ہو، جس طرح زمانہ جاہلیت میں عربوں نے بہت سارے معبود بنا رکھے تھے، قدرتی مناظر اور کائنات کی متعدد فطری شکلوں کو مبارک گمان کر رکھا تھا اسی طرح ہندومت میں بھی وہی ذہنیت کارفرما ہے، اس کا موجب یہ ہے کہ ہندومت تقریباً تین ہزار سال پرانا مذہب ہے، جب انسان وحشت کے مرحلے میں زندگی گزار رہا تھا اس وقت تمام سماجی امور کو اٹکل اور وہم کے بل بوتے پر چلایا جاتا تھا، یوں عقائد ہوں، شادی بیاہ ہو، بچوں کی پرورش ہو، کھانے پینے کے مسائل ہوں، آپس کے تعلقات ہوں یا پھر خارجی کائنات کی حقیقت کے بارے میں تصورات ہوں سب کچھ اساطیر اور توہمات کی بنیادوں پر استوار تھے۔

ہندومت میں توہم پرستی کے مظاہر

ہندو مذہب کے بنیادی عقائد رگ وید سے ماخوذ ہیں۔ جہاں رگ وید میں بہت سے دیوتا اور مظاہر پرستی کا کثرت سے ذکر ملتا ہے وہاں 'ہمہ اوست' (کائنات کے ہر ذرہ میں خدا ہے) جیسے عقیدے بھی ہندو دھرم کو خداؤں کی کثرت پرستی کی طرف لے گئے ہیں۔ سرزمین ہند جو فطرت کے بے شمار مظاہر سے بھرپور رہی ہے ہندو قوم جس کا شعور نہایت ہی پست واقع ہوا تھا وہ مظاہر فطرت کے ساتھ ساتھ کئی ایسی پر اسرار چیزوں سے بھی فریاد کرنے لگے جو عقل سے ماوراء ہوں نیز ہر فطری و

---

(۱) ھندو دھرم اور اسلام کا تقابلی مطالعہ، حافظ محمد شارق، قرطاس پبلشرز کراچی، ۲۰۱۱ء، ص:۵۸-۵۹

(۲) المعتقدات الدينية لدى الشعوب؛ جفري بارندر، ترجمة امام عبدالفتاح، سلسلة عالم المعرفة، طبعة ۱۹۹۰ء، ص:۱۰۹

غیر فطری مخلوق کو خدا سمجھا جانے لگا چنانچہ سورج چاند ستارے، سانپ اور گائے کے علاوہ جن کی پرستش کی جاتی رہی ہے ان میں خود انسانی عضو پرستی بھی شامل ہیں:

حیوانات سے لے کر انسانی اعضاء تک کئی چیزوں کی عبادت کرنے لگے اور ہر طرز عمل کے پیچھے کوئی نہ کوئی سبب بھی موجود ہے جو کہ ارتقایافتہ عقل کے ہم آہنگ نہیں ہوتا۔[۱]

ہندوستان کے قدیم ترین مہذب باشندے کسی دیوی دیوتا کی اور سنگ والے زرخیزی کے خدا کی پوجا کیا کرتے تھے ان کے نزدیک درخت اور جانور مقدس ہوتے تھے۔ آریائی حکمرانوں کی آمد اور ویدوں کے لکھے جانے کے بعد ہندومت میں مزید کائناتی اور فطری مظاہر کی تجسیم کے دیوتاؤں کا ظہور ہوا ان مظاہر کو دیوتا یا دیوی کا ایک روپ یا نشان مانا جاتا تھا۔ ہندوؤں ان مشہور دیوتاؤں کا ایل اے باشم نے تعارف کرویا ہے جس کا خلاصہ یہاں ذکر کی جاتا ہے۔

ان معبود ہستیوں میں اِندر عظیم ترین دیوتا تھا جو بیک وقت جنگ اور موسم کا دیوتا تھا، یہ دیوتا اپنی خصوصیات میں یونانی دیوتا 'ذیوس' اور 'تھور' سے مماثلت رکھتا تھا۔ متعدد دیوتاؤں کی نسبت سورج سے تھی، سوریہ دیوتا اپنے شعلہ بار رتھ پر آسمان کو عبور کرتا تھا، جس طرح یونان کا دیوتا ہیلوس تھا۔ اگنی جس کے معنی آگ کے ہیں اور لاطینی اگنس سے مشتق ہے یہ درویشوں کا دیوتا تھا جو آگ کی قربانی کے موقع پر جمع ہو کر اس کی عبادت کرتے تھے اسے گھر کا دیوتا بھی کہا جاتا تھا کیونکہ وہ خانگی چولہے میں رہتا تھا۔ 'ورن' اہمیت کے اعتبار سے اندر کے بعد آتا ہے 'ورن' ایک طاقتور شہنشاہ کا مرتبہ رکھتا تھا جو آسمانوں میں ایک عظیم محل میں مقیم ہوتا اور اس کے چاروں طرف وہ دیوتا ہوتے جو اس سے متعلق ہوتے۔ ورن انسانوں کے اعمال سے باخبر اور کائناتی نظم کا نگران تھا۔ 'رُدر' ایک تیر انداز دیوتا تھا جس کے تیر مرض کا سبب ہوتے تھے یہ پہاڑوں میں رہتا اور لوگ بالعموم اس لیے ڈرتے کہ اس مصائب و آلام کے تیروں سے بچا جاسکے۔ یہ یونانی دیوتا 'پالو' سے مشابہت رکھتا تھا۔[۲]

عربوں کے ہاں جس طرح منات کو موت کا معبود گردانا جاتا تھا اسی طرح ہندومت میں شیو کو بربادی اور تباہی کا دیوتا سمجھا جاتا ہے، شیو ہندوتری مورتی میں کائنات کی فنا اور بربادی کے ذمہ دار دیوتا کی حیثیت رکھتا ہے، تاہم ہندو اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ انسانی کھوپڑیوں کی مالائیں اور سانپوں کو گلے میں ڈالے راتوں کو شمشان گھاٹ میں عفریتوں اور عجیب الخلقت مخلوقات کی فوج کے ساتھ گھومتا ہے، اور ان کا سردار مانا جاتا ہے۔[۳]

---

(۱) انظر: حضارة الهند، غوستاف لوبون، ترجمة عادل زعتير، مطبعة عيسى البابى الحلبى، طبعة ۲۰۰۳ء، ص:۳۰

(۲) دیکھیے: ہندوستان کا شاندار ماضی، اے ایل باشم، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، ۱۹۸۲ء، ص:۳۲۰-۳۳۰

(۳) دیکھیے: کیا تمام مذاہب یکساں ہیں، ص:۷۷

دیوی ایک نسوانی خدا کا تصور ہے اور ہندو دھرم میں بیشتر دیوتاؤں کی تکمیل دیویوں سے ہوتی ہے۔ مشہور دیویوں میں سے کالی اور درگا ماتا ہے، جبکہ دیگر دیوی جو خدا کی محبوبہ یا بیوی مانی جاتی ہے ان میں رام کی بیوی سیتا، کرشن کی محبوبہ رادھا، برہما کی بیوی سرسوتی، شیو کی بیوی پاروتی وغیرہ شامل ہیں۔ مؤنث معبود دیوی ماتا اپنے سب سے مقبول عام تصور میں جس میں وہ کالی دُرگا، کمندا یا چنڈی جیسے ناموں سے مشہور ہے، تصویروں اور مورتیوں میں شیر پر سوار اپنے ترشول سے راکشش کو مارتی ہوئی دیکھائی جاتی ہے، اس کے گلے میں انسانی کھوپڑیوں کی مالا ہوتی ہے اور لٹکتی ہوئی لال زبان سے متبادر ہے کہ وہ ابھی ابھی خون پی کر آرہی ہے۔

اوتار:

ہندومت میں توہم پرستی کی ترقی یافتہ صورت ہے اوتار کا مطلب ہے 'جو نیچے اتر' مذہبی اصطلاح میں خدا یا دیوتا کا نزول ہے۔ ہندوؤں کے اس عقیدے کے مطابق خدا نیک لوگوں کی مدد، دھرم کے قیام اور برائی کے خاتمہ کے لیے لباس بشری وحیوانی میں دنیا میں آتا ہے اس کے لیے خدا کوئی بھی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ کبھی اوتار کُلی اختیارات کا حامل ہوتا ہے اور کبھی جُزوی۔

بھگوت گیتا میں ان اوتار کا ذکر یوں ملتا ہے:

"جب کبھی نیکی کا خاتمہ ہوتا ہے اور بدی پھیلتی ہے، تب میں خود ظاہر ہوتا ہوں۔ نیکوں کی حفاظت اور جو برے ہیں انہیں ختم کرنے کے لیے۔ نیکی کو قیام کے لیے ہر عہد بعہد میں خود ظاہر ہوتا ہوں۔"(۱)

مشہور تقسیم کے مطابق وشنو کے دس اوتار ہیں:

مچھلی (متسیہ)، کچھوا (کورم)، سور (وراہ)، نصف انسان نصف شیر (نرسنھ)، بونے (وامن)، پرشورام (کلہاڑے کے ساتھ رام)، رام (اجودھیا کا شہزادہ)، کرشن، بدھ، کلکی (جس کا ظہور ہونا ابھی باقی ہے)۔(۲)

"ہندومت میں ہاتھی کو مقدس اور متبرک سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس مذہب کے ماننے والوں کا خیال ہے کہ ہاتھی (گنیش) شیوا معبود کی اولاد سے ہے اور اس کو حکمت، قوت خوش نصیبی کی علامت بھی قرار دیا جاتا ہے۔"(۳)

---

(۱) بھگوت گیتا- اشلوک ۷

(۲) دیکھیے: ہندوستان کا شاندار ماضی، ص: ۴۱۷-۴۲۳

(۳) ایضاً، ص: ۸۷

گنیش کی ہیت پر مبنی روایت ہندوانہ توہم پرستی کی واضح مثال ہے۔ گنیش ایک دیوتا ہے جس کا سر ہاتھی کا اور جسم انسان کا ہے۔ گنیش، وسائل، کامیابی اور آغاز کا دیوتا ہے۔ ہندو نیک کام کی شروعات کرتے ہوئے گنیش کا نام لیتے ہیں۔ شیوا نے اپنے ہی بیٹے کا سر کاٹ دیا اور گنیش کی ماں کے اصرار پر اسے دوبارہ زندہ کر کے خدائی طاقتیں سپرد کر دی گئیں جب گنیش کو زندہ کیا گیا تو اس کا سر کہیں کھو گیا چنانچہ ہاتھی کا سر گنیش کے جسد پر رکھا نیز ہاتھی کا سر جڑ گیا۔

گنیش کے جنم دن کا تہوار چتھورنی ہے جو اگست اور ستمبر کے مہینے میں منایا جاتا ہے۔

تناسخ ارواح کا عقیدہ(reincarnation/rebirth):

قدیم ہندو تہذیب میں یہ عقیدہ شامل نہ تھا لیکن آریائی تہذیب و تمدن کے غلبہ کے ساتھ ہندومت میں تناسخ کا عقیدہ کو وسعت حاصل ہو گئی کہ انسان جانور اور پودوں کی ارواح کی صورت میں بار بار ایک نئی زندگی حاصل کرتا ہے۔ موجودہ ہندو دھرم میں تناسخ کا عقیدہ ایک متفقہ عقیدہ ہے۔ اس عقیدے کی وضاحت کچھ یوں ہے:

تناسخ یا آواگون عہد قدیم سے زندگی کے اس چکر پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ روحیں بعد از مرگ دوبارہ انسان، جانور یا پھر نایاب مواقع پر پودوں کی شکل میں تجسیم حاصل کر لیتی ہے یہاں تک کہ وہ ایک اعلیٰ حقیقت کے ساتھ مل کر آزادی حاصل کر لے۔[۱]

ہندومت میں نجات (مکتی) کا نظریہ اسی عقیدے کی تشریح ہے جس کے مطابق خدا انسان کے گناہوں کی معافی نہیں دے سکتا اور نہ ہی مرنے کے بعد اس سے خلاصی ممکن ہے۔ ایک ہی راستہ ہے کہ انسان کی روح خدا میں ضم ہو جائے ایک روح اپنے تمام اعمال کا صلہ مختلف شکلوں کی تجسیم کی صورت میں پاتی ہے یہاں تک کہ وہ سمسارہ کے چکر سے نجات حاصل کر لیتی ہے۔

اس عقیدے نے آریائی فرقے میں جو معاشرتی عدم مساوات تھی اس کا جواز بھی پیش کیا لیکن انسانی ذہن میں یہ کوئی مثبت نظریہ نہیں تھا۔ اس کی وضاحت میں ایل اے باشم لکھتے ہیں:

> "موت بہر حال مہیب ہوتی ہے اور لاتعداد مرنے کا تصور کوئی اچھا تصور نہ تھا زندگی اس وقت بھی بے لطف اور نامکمل ہوتی ہے جب وہ غم و آلام سے محروم ہوتی ہے اور جبکہ متواتر پیدا ہوتے رہنا بھی ایک اکتا دینے والی بات تھی تناسخ کے عقیدے کے ساتھ ساتھ قنوطی خیالات کا بھی نشوونما ہوا، کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا تھا کہ انسان موت و پیدائش کے چکر سے ہی چھوٹ جائے"[۲]

---

(۱) reincarnation: Encyclopedia of Hinduism pg# ۳۶۴

(۲) ہندوستان کا شاندار ماضی، ص:۳۳۶

اس عبارت کا مدعا بیان یہ ہے کہ خود ہندو مؤرخین بھی اس عقیدے کے منفی اثرات سے واقف ہیں کہ تناسخ کے عقیدے کی وجہ سے انسان میں مایوسیت جنم لیتی ہے اور اسی قنوطیت کے سایہ میں توہم پرستی پروان چڑھتی ہے۔ ہندومت کی توہم پرستی پر مبنی نظریات میں سے ہے کہ انسان اور جانور کے مابین فرق نہیں رہتا۔ انسان کی روح موت کے بعد کسی جانور میں مبدل ہو جانا اور برعکس کا بھی امکان ہوتا ہے کہ کسی جانور کی روح انسان کے جسم میں آجائے۔

گاؤماتا:

ہندو حیوانات میں گائے کی پوجا کو بہت اہمیت دیتے ہیں، گائے کی عبادت طوتمیہ کے نظریے کی اساس پر کی جاتی ہے، جیسا کہ جاہلی عرب اعتقاد رکھتے تھے کہ خدا بعض مخلوقات میں حلول کر جاتا ہے یوں وہ مخلوق مقدس اور مبارک ہو کر پوجا کی حقدار ہو جاتی ہے، اس کے برعکس بعض حیوانات کو نحوست کا استعارہ بھی سمجھا جاتا ہے جیسا کہ کوّا وغیرہ۔

عصر حاضر میں بہت سارے ہندو ایسے ہیں جو گائے کے تقدس کو صراحتاً توہم پرستی اور خرافتی اعتقا خیال کرتے ہیں نیز گائے کے گوشت کھانے کو معیوب نہیں جانتے لیکن جو حضرات ہندوانہ رسومات اور اساطیر کو مذہب کے تناظر میں دیکھتے ہیں ان کے نزدیک گائے اب بھی قابل احترام اور مقدس ہے، حتیٰ کہ اس کے پیشاب اور فضلے کو بھی بابرکت سمجھتے ہیں۔

"اور کل دیوتا گائے کا ہی سراپا ہے۔" (اتھروید)

"بیل نے زمین اور آسمان کو اٹھایا ہوا ہے۔" (رگ وید)

"زمین پانچ طرح سے پاک ہوتی ہے جھاڑو سے، گائے کا گوبر لیپنے سے، گائے کا دودھ یا پیشاب چھڑکنے سے، سطح کی مٹی کھرچنے سے اور اس پر ایک دن رات گائے کا قیام کرنے سے"[۱]

بمبئی کے ایک ماہانہ مجلے Bhavan's Journal کے شمارے نومبر ۱۹۶۳ء میں گائے کو مخاطب کر کے ایک دعا شائع کی گئی، جس میں اسے بطور معبود اور دیوتا پیش کیا گیا، اس کا عربی ترجمہ احمد شلبی[۲] نے نقل کیا ہے:

"أيتها البقرة المقدسة، لک التمجيد و الدعاء، فی کل مظهر تظهرين به؛ أنثی تدرين اللبن فی الفجر و عند الغسق، أوعجلاً صغيراً، أو ثور أکبيراً، فلنعدّ لک مکاناً واسعاً نظيفاً يليق بک و ماءً نقياً لتشربينه؛ لعلک تنعمين هنا بالّسعادة آمين."[۳]

---

(۱) منوشاستر: باب ۵-اشلوک ۲۰۵، مترجم ارشد رازی، نگارشات پبلشرز لاہور، ۲۰۰۳ء

(۲) أحمد بن جاب اللہ شَلَبي، (۱۹۱۵ء-۲۰۰۰ء) دور جدید کے مشہور مؤرخ مصری عالم، کثیر التصانیف ہیں۔ [مقالہ نگار]

(۳) مقارنة الاديان، احمد شلبی، مکتبة النهضة المصرية طبعة ۱۹۷۸ء، ۴۳/۲

ترجمہ: اے مقدس گائے، تمہارے واسطے ہی بڑائی اور احترام ہے، ہر اس شکل میں جس میں تم ظاہر ہوتی ہو: ایک مؤنث کے روپ میں جب تم دودھ دیتی ہو، صبح اور شام کے وقت یا بچھڑے کے روپ اور یا پھر بیل کی صورت میں ہم پر لازم ہے کہ ہم تمہارے لیے کشادہ اور صاف ستھری جگہ تیار کریں جو تمہاری شان کے لائق ہو اور صاف پانی جو تم پی سکو، تاکہ تم راحت کی زندگی بسر کرو۔ آمین۔

گائے کی عبادت اور تقدس کی رسم کے حوالے سے ہندوؤں میں ایک عجیب وغریب حکایت بھی مشہور ہے جو کہ بادشاہ اور خنزیر کے درمیان مکالمہ کی صورت میں ہے:

"ذهب الخنزير يوماً إلى الملک و هو يصلیّ أمام البقرة؛ و يلعن لها أنها معبوده الأوحد، قال الخنزير للملک: أيها الملک متی ستعبدنی؟ فثار الملک و غصر الخنزير قائلاً: اخرج و إلاّ قتلتکبکی الخنزير و انتحب و قال؛ نعم أنا أعرف أنک تحبّ فقط لحمی، فأنا أموت لأقدم لک ماتحب، و مع هذا فإنک تعبد البقرة، و لاتعبدنی فأجاب الملک؛ أنک أحمق ايها الخنزير، إننی أخذ لحمک بعد موتک، أی بعد أن تکون فی حال لا تستطيع أن تمنح، و لا أن تمنع و سرعان ما ينتهی لحمک، أماّ البقرة؛ فإنها تقدم لی طعامی طائعة و هی حيّة، وکذالک تستمر فی تقديمه يوماً بعد يوم بلانهاية، أنها رمز للإيثار لذالک أنا أعبدها" (۱)

ترجمہ: ایک دن خنزیر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا، بادشاہ گائے کی عبادت میں مصروف تھا اور کہہ رہا تھا کہ تو ہی میرا واحد معبود ہے، خنزیر نے دیکھا تو بادشاہ سے گویا ہوا: اے بادشاہ آپ میری عبادت کب کریں گے۔ بادشاہ غصہ میں آگیا اور خنزیر کو دھتکارتے ہوئے کہا، یہاں نکل جاؤ ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ خنزیر رو پڑا اور نوحہ کرتے ہوئے کہا: ہاں میں جانتا ہوں کہ آپ میرا صرف گوشت کھانا پسند کرتے ہیں، میں آپ کی پسند کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیتا ہوں، اس کے باوجود آپ گائے کی عبادت کرتے ہیں مگر میری نہیں۔ بادشاہ نے جواب کہا: اے خنزیر تم بیوقوف ہو، میں تمہارا گوشت تمہاری موت کے بعد حاصل کر پاتا ہوں، یعنی اس وقت تم اس حالت میں ہوتے ہو کہ نہ تو تم مجھے کچھ پیش کر سکتے ہو اور نہ ہی روکنے کی سکت رکھتے ہو اور پھر تمہارا گوشت جلد ہی ختم ہو جاتا ہے، جبکہ گائے اپنی حیات میں ہی خوشی کے ساتھ پینے کو پیش کرتی ہے، اور وہ بغیر توقف کے پیش کرتی ہی چلی جاتی ہے، یہ ایثار کی علامت ہے، لہذا میں گائے کو معبود قرار دوں گا۔

---

(۱) الأديان الو ضعية، مناهج جامعة المدينة العالمية، ص:۲۵

مذکورہ حکایت سے حقیقت واضح ہوئی کہ گائے کی پرستش کرنے کی وجہ شروع میں صرف یہ رہی تھی کہ انسان کے لیے سود مند ہے اور وحشت کے زمانے میں انسان ہر اس شے کو مبارک تصور کر لیا کرتا تھا جو اس کے لیے فائدہ مند ہو۔
عصر حاضر میں توہمات کی اساس پر ماضی کی اساطیر کو جن بڑی ہندو شخصیات نے دینی اعتقاد خیال کیا ان میں گاندھی بھی شامل ہیں، اپنے ایک مضمون 'گائے ماتا' میں لکھا؛ وہ گائے کی تقدس اور احترام کے حوالے سے نہایت حساس اور جذباتی نظر آتے ہیں اس مضمون کے اہم نکات کو ذکر کیا جاتا ہے:

" COW PROTECTION: The central fact of Hinduism is cow protection. Cow protection to me is one of the most wonderful phenomena in human evolution.... She is the mother to millions of Indian mankind. Protection of the cow means protection of the whole dumb creation of God. Mother cow is in many ways better than the mother who gave us birth..."(۱)

گائے کا تقدس جسے ہندو مت نے فرض سمجھا ہے یہ ہندوستان کا پوری دنیا کے لیے ہدیہ ہے، اصل میں یہ انسان اور حیوان کے درمیان قرابت کے رشتے کا احساس ہے، ہندی فکر میں یہ اعتقاد رکھا جاتا کہ گائے انسان کی ماں ہے اور حقیقت بھی یہی ہے، بلاشبہ گائے ایک ہندوستانی کی بہترین رفیق ہے اور ہندوستان کی سرزمین کی محافظ بھی ہے۔
جب میں گائے کو دیکھتا ہوں تو میرا احساس یہ نہیں ہوتا کہ میں کسی حیوان کی طرف دیکھ رہا ہوں، کیونکہ میں اس کی عبادت کرتا ہوں اور سارے جہاں کے آگے میں اس کی عبادت کے تصور کا دفاع کرنے کے لیے تیار ہوں۔
گائے ماتا کئی وجوہ سے میری حقیقی ماں سے افضل ہے: حقیقی ماں ہمیں ایک یا دو سال دودھ پلاتی ہے۔ بعد اس کے تمام عمر مقابلہ میں خدمات طلب کرتی ہے، لیکن گائے ماتا ہمیں ہمیشہ دودھ فراہم کرتی ہے اور اس کے عوض عام سے چارے کے سوا کچھ نہیں مانگتی، جب حقیقی ماں بیمار ہوتی ہے تو بھاری اخراجات اٹھانے پڑتے ہیں جبکہ گائے ماتا کچھ خاص خرچ نہیں کراتی، ایسے ہی جب حقیقی ماں مرتی ہے تو اس کے جنازے کی رسومات میں کثیر رقم صرف کرتی پڑتی ہے، مگر گائے ماتا کی موت الٹا ہمیں فائدہ دیتی ہے جس طرح کہ زندگی میں دیتی تھی کیونکہ ہم اس کے جسم کے ہر حصے سے نفع اٹھاتے ہیں، یہاں تک کہ ہڈیوں، چمڑے اور سینگ سے بھی۔

---

(۱) INDIA of My Dreams, M.K. Gandhi, navajivan publishing house, Ahmed Abad, ۱۹۴۷, pg# ۱۲۷-۱۳۰

گائے کے علاوہ ہندو جن دیگر اشیا کی عبادت کرتے ہیں ان میں چاند، ستارے، بندر اور اژدہے شامل ہیں۔[۱]
ہندوؤں کے ہاں چونکہ آگ بھی مبارک شے ہے بلکہ خدائی استعارہ ہے بنابریں مردے کو دفن کرنے پر آگ میں جلانے کو فوقیت دیتے ہیں، کیونکہ ان کے خیال میں اس طرح کرنے سے مردے کے گناہ دھل جاتے ہیں اور اس کی روح کو راحت مّیسّر آجاتی ہے۔

نارائن کا ظہور:

نارائن انسان کی کمزوریوں پر متنبہ کرنے کے لیے ظاہر ہوتا ہے۔ ہندو اسے مادی اور کچھ ہندوؤں کے ہاں اس کا کردار روحانی ہے۔ اس کو کائنات کا گرو بھی سمجھا جاتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک نارائن وشنو کا ہی دوسرا نام ہے۔

"ہندوؤں کے نزدیک نارائن ایک مافوق الفطرت قوت ہے جس کا مقصد نہ صرف دنیا کی حالت کو اچھائی کے ذریعے اچھا بنانا ہے اور نہ برائی کے ذریعے بُرا بنانا۔ وہ صرف برائی اور ابتری کو تمام ممکن ذرائع سے دفع کرتا ہے۔"[۲]

توہم پرستی پر مبنی تہوار

ہندو دھرم مذہبی و موسمی تہواروں کے معاملے میں خاصی شہرت کا حامل ہے۔ تہواروں کی تعداد سال کے دنوں سے بھی زیادہ ہے اور ہر تہوار کے پس پردہ کئی دیومالائی کہانیاں موجود ہیں۔ تہوار، میلے ہندوؤں کی مذہبی اور معاشرتی زندگی کی خوب عکاسی کرتے ہیں۔ مثلاً

ہولی:

یہ تہوار فروری مارچ کے مکمل چاند کے ایام میں تقریب منائی جاتی ہے۔ لکڑیوں کے انبار کو جمع کرنے کے بعد، آگ لگائی جاتی ہے تاکہ صبح تک جل کر خاکستر ہو جائے اس عمل کو ہولی جلانا کہتے ہیں۔ اور سفید کپڑے پہن کر رنگ دار پانی ہر کسی پر پھینکا جاتا ہے تاکہ کپڑوں پر رنگ لگا سب کو نظر آئے۔ انسائیکلوپیڈیا آف ہندوازم میں ہولی کے تہوار کے بارے میں تین روایت ذکر کی ہیں:

اس تہوار کی وضاحت میں تین کہانیاں بتائی جاتی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ شیوا نے ہولی کے دن اپنی تیسری آنکھ کھولی اور مشرق میں موجود محبت کی دیوی کی طرف توجہ کی تھی۔ دوسری کہانی ہولیکا کی ہے جو ایک راکشس 'ہیرانیاکاشیپو' کی بہن تھی۔ 'ہیرانیاکاشیپو' اپنے بیٹے 'پراہلاد' کو مارنا چاہتا تھا جس کے لیے اس نے اپنی بہن 'ہولیکا' سے مدد لی اور اس نے وشنو کے

---

(۱) ادیان الهند الکبری، احمدشلبی، مکتبة النهضة المصرية، طبعة الاولى، ص:۸۲

(۲) کتاب الہند، ابوریحان البیرونی، بک ٹاک لاہور، ۲۰۱۱ء، ص:۲۱۱

بھگت 'پراھلاد' کو اپنی گود میں لے کر آگ میں اتر گئی تاکہ اسے آگ میں جلادے مگر وشنو کا بھگت محفوظ رہا اور 'ہولیکا' کو آگ نے جلادیا۔

تیسری کہانی ایک جنّنی 'دھوندنی' کی کی جو ایک قدیم مملکت میں بچوں کو پریشان کیا کرتی تھی یہاں تک کہ شرارتی لڑکوں کے چلانے کی وجہ سے وہ بھاگ جاتی۔ (ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق ہولی میں ایسی آوازیں اکثر سنائی دیتی ہیں) یہ اس لیے کہ وہ ایک بدعا کے نتیجے میں بچوں کی لعن طعن سے متاثر ہوتی تھی۔ (۱)

دیوالی:

یہ ایک اہم تہوار تصور کیا جاتا ہے، یہ ہندوؤں کے لیے خوشی کا دن ہوتا ہے کیونکہ اس دن ان کی دیوی سیتا کو قید سے رہائی ملی تھی۔ ہندو اس تہوار میں دیپ جلاتے ہیں کہا جاتا ہے دیوالی 'دیپاوالی' سے بنا ہے یعنی چراغ کی روشنی۔

سرسوتی یوگا:

اس تہوار کو سرسوتی دیوتا کی یاد میں منایا جاتا ہے، یہ دیوتا فنکاروں اور گلوکاروں کا دیوتا سمجھا جاتا ہے۔

رکھشابندھن:

یہ بھائیوں بہنوں کے پیار اور ان کے اٹوٹ رشتے کا تہوار ہے۔ اس دن بہنیں اپنے بھائیوں کی کلائی پر "راکھی" (رنگین دھاگا) باندھ کر ان کی صحت، عمر درازی اور کامیابی کی دعا کرتی ہیں اور بھائی بہنوں سے دکھ سکھ میں ساتھ رہنے اور ان کی حفاظت کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔

پھولوں کا تہوار ہوتا ہے اس میں عورتوں کے لیے بعض مرد کسی عورت کے تحفظ کا عہد کرتے ہیں۔ (۲)

اگنی (آگ):

چونکہ خود ایک دیوی تھی، اس لیے دنیا میں اس کا وجود دیوتاؤں کی دنیا (دیوتا لوک) کے سفیر کی حیثیت سے مانا جاتا تھا اور یہ تصور ہوتا تھا کہ نذر کی جو چیزیں اس کے سپرد کی گئی ہیں انہیں وہ دیوتاؤں کے سفیر کی حیثیت سے ان دیوتاؤں تک پہنچادے گی۔ (۳)

قدیم معاشرتی توہمات کی طرح ہندومت میں بھی آگ کو مبارک مانا جاتا ہے، بنابریں ہندومت مذہبی عقیدت کے اظہار کے لیے بھجنوں کے ساتھ اگنی دیوتا کے سامنے عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔

---

(۱) Holi: Encyclopedia of Hinduism pg# ۱۹۰

(۲) الهندوسية: المنشأ والجذور و العقائد الروحية، صبرى المقدسى، مقال موقع الحوار المتمدن، تاريخ:۳/۵/۲۰۱۳

(۳) دیکھیے: دُنیا کے بڑے مذہب، عمادالحسن فاروقی، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ۱۹۹۰ء، ص:۴۹

اماوس اور پرنیما:

ہندوؤں میں جن دنوں کی خاص عظمت ہے ان میں اماوس (نئے چاند کے دن) اور پرنیما (پورے چاند کے دن) بھی ہیں۔ ان دنوں میں چاند کی روشنی کم یا زیادہ ہوتی ہے لہذا برہمن ان دنوں میں آگ کی مخصوص پوجا کرتے ہیں۔ [۱]

یگیہ (قربانی):

ہندو تہذیب میں قربانی یا یگیہ (یاجنا) کی رسم قدیم آریائی تہذیب سے رائج ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قربانی کے طریقے اور شکلیں تبدیل ہوتی چلی گئیں، قربانی کرنے سے دیوتاؤں کی طاقت بہال ہوتی ہے اور اس کے ذریعے سے اعمال دیوتا کے سامنے پیش کیے جاسکتے ہیں۔ یگیہ میں مختلف اجناس گھی، سوم رس اور کبھی کبھی جانوروں کی نذر مخصوص رسومات کے ساتھ دیوتاؤں کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے، عام طور سے بھینٹ چڑھائی جانے والی چیزوں کو آگ میں ڈال کر دیوتاؤں کی نذر کیا جاتا ہے۔ قربانی کا مقصد دیوتاؤں کو خوش کرنا اور ان سے برکتیں حاصل کرنا تھا۔ یگیہ کی رسم میں پھلوں، اناج، جانور کی قربانی کے علاوہ انسانوں کی قربانی بھی شامل ہے۔ ہندومت کی مقدس کتاب میں لکھا ہے:

"بلاشبہ انسان قربانی کے جانوروں میں سے پہلا ہے" [۲]

"دیو دیگیہ یعنی اگنی ہوتر کی قربانی جس میں مختلف اشیا کے ذریعے سے قربانی دینے کا مقصد ہوتا ہے کہ اگنی ہوتر ہے ذریعے سے ہوا اور بارش کے پانی کو صاف کر کے اس دنیا میں اعلیٰ اور عمدہ گنون اور تاثر کو پیدا کرتی ہے۔" [۳]

یگیہ کی اس رسم کی ادائیگی کے لیے باقاعدہ پیشہ ور مذہبی پیشواء حصہ لیتے اور پجاری طاقت و قوت کے عجیب و غریب احساسات محسوس کرتے ہوئے وران کی رسائی آسمانوں تک ہو سکتی تھی اور وہ ان کو چھو بھی سکتے تھے اور وہ لافانی ہو جاتے اور خود دیوتاؤں کا مقام حاصل کر لیتے تھے۔ قربانی کا دوسرا تصور یہ تھا کہ یہ کائنات خود ایک ایسی ہی قربانی سے عالمِ وجود میں آئی ہے۔

ریاضت:

رگ وید کی ایک مناجات سے ایک ایسے گروہ کا ذکر ملتا ہے جو برہمنوں سے مختلف ہے انہیں "مُنی" کہا جاتا تھا وہ اپنی خاموشی سے ہی سرشار ہو کر ہوا میں اُڑتے تھے وہ سارے انسانوں کے خیالات کو جانتا تھا۔ [۴]

---

(۱) دیکھیے: کتاب الہند، ص:۲۹۸

(۲) (ستھ پتھ برہمن: باب ہفتم ۲:۱۸، ۱) بحوالہ: ہندوستان کا شاندار ماضی، ص:۱۶۴

(۳) کتاب الہند، ص:۲۶۲

(۴) ایضاً، ص:۳۳۶

قدیم ہندوستانی تہذیب میں ریاضت کا کثرت سے ذکر ملتا ہے اور اس ریاضت کا اولین مقصد ساحرانہ قوتیں حاصل کرنا تھا اسی ریاضت کے لیے پجاری گنجان جنگلوں میں رہتے اور بھوک پیاس گرمی ٹھنڈک اور مختلف اذیتوں کو برداشت کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اسی ریاضت کی تکمیل کے سلسلے میں بھڑکتی آگ کے قریب جانا، کانٹوں یا سلاخ دار بستروں پر لیٹنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

ہندومت میں بچے کی پیدائش سے جوانی اور پھر مرگ تک ہر عہد کے لیے خاص رسومات ہیں، رسومات کا مدعا ہوتا ہے کہ اس طرح انسان کی ارواح جسم میں باقی رہے، اگر ان رسومات سے غفلت برتی جائے تو روح کے نکل جانے کے خدشات ہوتے ہیں، بچے کے پیٹ میں ٹھہرنے کے بعد رسم ہوتی ہے، پھر سات ماہ گزرنے کے بعد ایک رسم جس میں نومولود کی زبان پر اوم (خدا کا نام) لکھا جاتا ہے، جس کے لیے سنہری قلم ہونا چاہیے اور لکھنے کے لیے شہد ہوتا ہے، پیدائش کے گیارہ دنوں تک بچے کا نام مخفی رکھا جاتا ہے تاکہ شیطان کو علم نہ ہو جائے اور مبادا وہ اس کو نقصان پہنچائے۔ [(۱)]

ہندومت میں سماجی سطح پر طبقاتی تقسیم بھی پائی جاتی ہے، اس میں سب سے نچلی ذات شودر کی خیال کی جاتی ہے، اس کو ایک نہایت ہی کمتر، حقیر اور بدبخت مخلوق شمار کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ شودروں پر مذہبی کتب ویدوں کا سننا بھی حرام ہے بلکہ ویدک قانون کے مطابق ایسے شودر کے کانوں میں جو ویدوں کا کوئی لفظ سن لے پگھلا ہوا سیسہ ڈال دینا چاہیے۔ [(۲)]

دراصل ہندومت میں تین اعلیٰ ذاتیں یعنی برہمن، کھشتری اور ویش، آریہ نسل سے تعلق رکھتی ہیں جو کہ شمال وسطی ایشیا سے آنے کے باعث گورے رنگ، لمبے قد اور کھڑے ناک نقشے کے لوگ تھے، جب کہ چوتھی ذات شودر سے تعلق رکھنے والے ہندوستان کے قدیمی باشندے، کالے رنگ، چپٹی ناک والے اور پست قد تھے۔

اسی تقسیم کی بنا پر اعلیٰ ذات کے مرد کی نچلی ذات کی عورتوں کے ساتھ شادی قابل قبول اور نچلی ذات کے مردوں کی اعلیٰ ذات کی عورت کے ساتھ شادی انتہا کی نامناسب قرار دی گئی ہے۔

اس طبقاتی تقسیم کے لیے ہندومت میں "ورن" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، ورن نظام میں برہمن یعنی اونچی ذات کے افراد کے لیے جو مراعات مخصوص ہیں انہیں یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

۱) برہمن، تمام ورنوں کے لیے (پورے سماج کے لیے) گُرو (اُستاد، مذہبی راہنما) ہیں

۲) برہمن، سماج کے مختلف طبقات کو ان کی ذمہ داریاں اور فرائض بتائیں گے

---

(۱) الهندوسية، مقال موقع الحوار المتمدن، تاريخ:۳/۵/۲۰۱۳

(۲) The Hindu Quest for the Perfection of Man, Organ Troy Wilson, Wipf & Stock Publishers, ۱۹۹۸, pg# ۲۱۳

۳) برہمنوں کو کوئی جسمانی سزا نہیں دی جا سکتی

۴) برہمنوں نذرو نیاز اور قربانی کا کھانا کھا سکتے ہیں، مگر شودر نہیں

۵) برہمنوں پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا جاسکتا

۶) اگر کسی برہمن کو کوئی خزانہ ملے تو وہ اس کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے جبکہ اور کسی ورن کے آدمی کو وہ خزانہ حکومت کے حوالے کرنا پڑے گا

۷) کوئی برہمن اگر بغیر کسی اولاد نرینہ کے مر جائے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہو گا، جبکہ دوسرے ورن کے لوگ اس صورت میں ایک گناہ کے مرتکب ٹھہرائے جائیں گے

۸) شاہراہوں پر خصوصی رعایت حاصل ہوں گی

۹) برہمن کی جان لینا سب سے بڑا گناہ مانا گیا ہے

۱۰) کسی برہمن کو ڈرانا یا دھمکانا گناہ کبیرہ ٹھہرایا گیا ہے

۱۱) بعض جرائم کی صورت میں برہمنوں کے لیے دوسرے ورنوں کے مقابلے میں ہلکی سزا تجویز کی گئی ہے

۱۲) کوئی کمتر ورن (ذات) کا برہمن پر دعوی نہیں کر سکتا

۱۳) شرادھ (بزرگوں کا فاتحہ) کی رسم میں برہمن مدعو کئے جائیں گے

۱۴) بعض قربانیاں اور رسومات ایسی ہیں جو برہمن ہی سرانجام دے سکتے ہیں

۱۵) دوسرے ورنون کے مقابلے میں برہمنوں کے لیے سوگ کی مدت کم رکھی گئی ہے [۱]

منوسمرتی جو کہ ہندوستان کی ایک قدیم ترین مذہبی کتاب ہے اور اس میں ذات پات کی کہانیاں اور تفصیلات درج ہیں، چاروں ذاتوں اہم فرائض یہ ہیں:

"اس تمام کائنات کا تحفظ واستحکام کے لیے صاحبِ وجاہت و شوکت پُرش (دیوتا نما اساطیری آدمی) نے ان ورنوں (ذاتوں) کو جو منہ، ہاتھ، ران، اور پیر، سے جنم لیے تھے۔ ان کی جداجدا ذمہ داریاں سونپی ہیں۔ انسانوں کو تعلیم دینا، خود تحصیل علم، مذہبی رسومات کو پورا کرنا اور باقی لوگوں کی رسومات میں رہنمائی کرنا۔ صدقات عطیات وصول کرنا یہ برہمنوں کو تفویض کی ہیں۔ عوام کی حفاظت، صدقہ خیرات کرنا، اور خواہشات پر قابو پانا، یہ مختصراً ایک کھشتری کے فرائض

---

(۱) The Hindu Quest for the Perfection of Man, Organ Troy Wilson, pg#۲۲۷

ہیں۔ تعلیم، تجارت، سوداگری کرنا، سودی کاروبار، کھیتی باڑی، جانور پالنا، مذہبی رسومات کی ادائیگی اور صدقہ وخیرات کرنا، یہ ایک ویش کے فرائض ہیں۔ شودر کے لیے ایشور نے ایک ہی کام سونپا ہے، کہ وہ پورے خلوص سے تینوں (برتر) ورنوں کی خدمت کے فرائض پورے کرے۔"(۱)

معلوم ہوا کہ ہندومت مظاہرپرستی اور کثرت پرستی میں دنیا کے تمام مذاہب سے برتری رکھتا ہے ان کا توہمات پر یقین کا نتیجہ ہی ہے کہ بچے کے جنم سے بیاہ اور مرنے کی رسومات، موسم کے آنے جانے چاند سورج وغیرہ کی تبدیلی کے اوقات تقریباً زندگی کے ہر عمل میں توہمات کا دخل رہتا ہے۔

اس کثرت پرستی کی جو وجوہات سامنے آئی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

ہندومت کی تعلیمات صدیوں پرانی دیومالائی کہانیوں (جن کے لکھنے والے بھی نامعلوم ہیں) پر مشتمل ہے نیز مذہبی کتابیں توہماتی داستان کی آمیزش سے بھرپور ہیں یہ تمام کہانیاں، متھ وغیرہ علم و حقیقت سے کوسوں دور ہیں۔ یہی سبب ہے ہندومت کسی بانی کی طرف منسوب نہیں اوران میں عقائد کا عدم اتفاق بھی ہے۔ ہندودھرم میں عقائد سے زیادہ معاشرتی رسوم ورواج کو اہمیت حاصل رہی ہے۔ ہندودھرم میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کی رسومات کو کلیدی حیثیت رہتی ہے۔

ہندوؤں میں ذات پات کی طبقاتی تقسیم بھی توہماتی رسوم کے فروغ کا باعث بنتی رہی ہے۔ ہندودھرم کے مذہبی و معاشرتی معاملات میں رسومات کی ادائیگی نے ہندوؤں کو چھوٹے چھوٹے دائروں کی حدود میں تقسیم کرکے ایسی توہمانہ رسومات کا پابند کر دیا ہے جو ہندومت لے لیے امتیازی وصف بن گیا ہے۔

ایک اور وجہ کہ ہندومت میں اصلاح پسند لوگ یا تحریکیں بہت کم ہوئیں ہیں اور ہندومت کا ظہور ایسے وسیع و عریض جغرفیائی ماحول میں ہوتا ہے جس کی آب وہوا میں تنوع پایا جاتا ہے اور ہندودھرم کی تہذیب نے ہمیشہ دنیا کی مختلف مذہبی، معاشرتی اور معاشی تہذبوں سے اثر قبول کیا ہے۔

---

(۱) منوشاستر: باب۵-اشلوک۹۷

مبحث ثانی: بدھ مت میں توہم پرستی

بدھ مت کا تعارف

اسلام اور عیسائیت کے بعد بدھ مت دُنیا کے عظیم مذاہب میں شمار ہوتا ہے۔ بدھ مت کے بانی، سدھارتھ گوتم۔" کپل واستو" چھوٹی شہری ریاست میں بادشاہ کے فرزند تھے۔ یہ ریاست ڈھائی ہزار سال پہلے نیپال اور سرحدی علاقوں پر مشتمل تھی۔ ابدی سکون کے حصول کے لیے اپنی ریاست کو چھوڑ کر جنگل میں ریاضت کے بعد اپنی تعلیمات کا سلسلہ شروع کیا گوتم کا مذہب بہت تیزی سے پھیلا اور ۸۰ سال کی عمر میں ۴۸۶ اور ۴۷۳ قبل مسیح کے درمیان انتقال کر گئے۔ بدھ مت کی زیادہ تر تعلیمات کی بنیاد سدھارتھ گوتم کی طرف منسوب ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا آف ورلڈ ریلیجن برٹانیکا بدھ مت کی تعریف یوں ذکر کرتا ہے۔

"Asian religion and philosophy, Buddhism was founded by Siddhertha Gotama in northeast India about the ۵th century). Buddhism has played a central role in the Eastern world and during the ۲۰th century has spread to the West."(۱)

بدھ مت کی تعلیمات، ارتقاء اور تاریخی سلسلے میں بہت سے شکوک موجود ہیں بعض مفکرین کا خیال ہے کہ بدھ مت اپنشدوں کی تعلیمات کا ہی تسلسل ہے صرف یہ کہ مہاتما بدھ نے تناسخ کے عقیدے کو رد کیا۔ خود بدھا کسی کتاب کے مصنف نہیں رہے، انہوں نے اپنے ماننے والوں کو زبانی تعلیمات دیں۔ مہاتما بدھ کی ابتدائی زندگی اور تعلیمات جن صحائف میں مذکور ہیں وہ بعد از زمانہ شامل کی گئی۔ بدھ کی وفات کے بعد پانچ مجالس ہوئی جس میں بدھ کی تعلیمات اور عقائد کو جمع کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اگرچہ ان کی صداقت کے بارے میں چند صحائف کے علاوہ اور کوئی گواہی موجود نہیں ہے اور وہ بھی تاریخ کا حصہ بن گئے۔ چنانچہ اے ایل باشم لکھتے ہیں:

"بدھ کی پیدائش اور ابتدائی زندگی کے حالات بعد کے بدھی صحائف میں ملتے ہیں اور جو چند حوالے کتابوں کے ان حصوں میں پائے جاتے ہیں جن میں ان تعلیمات کو بلفظہ نقل کرنے کی سعی کی گئی ہے وہ کسی طور پر بھی قابل اعتبار نہیں، یہاں تک کہ وہ وعظ بھی جس کو 'قانون کے پہیے کی گردش کا وعظ' کہا جاتا ہے۔ یہ وہ پہلا وعظ ہے جس کو مہاتما بدھ نے تجلی یابی کے بعد دیا جو سارے بدھ فرقوں کی تعلیم کی اساس ہے یہ تمام مشکوک صداقت کا حامل ہے۔"(۲)

---

(۱) BUDDHISM, Britannica Encyclopedia of World Religions,۲۰۰۶, Frank E. Reynolds, pg# ۱۴۷

(۲) ہندوستان کا شاندار ماضی، ص:۳۵۴

مقدس کتاب "تری پتاکا"

بدھ مت کی تین مقدس کتابیں جنہیں مختلف مجالس کے دوران مرتب کیا گیا'تری تپاکا' (تین ٹوکریاں) کے نام سے معروف ہیں۔

۱-سو تاپتاکا(Sutta Pitaka)اس میں مہاتمابدھ کے ملفوظات و وعظ ہیں۔

۲-ونایاپتاکا(Vinaya Pitaka)اس میں بدھ مت کے ضوابط و قوانین ہیں۔

۳-ابھی دیم پتاکا(Abhidima Pkitaka)اس میں مذہبی فلسفہ کو بیان کیا گیا ہے۔[۱]

بدھ مت کی تعلیمات کے مطابق انسان دنیا کو مسائل سے آزاد کرانا اور ہمیشہ رہنے والی خوشی اور سعادت حاصل کرنا۔ جاندار مخلوقات کے لیے دردمندی کا بھرپور جذبہ ہونا اور دانائی اور فہم و فراست کی گہری کو حاصل کرنا، اور اس کے نتیجے میں اپنی ساری خامیوں، اور مسائل پر قابو پانے اور اپنے اندر چھپے ہوئی روحانی قوت کو بروئے کار لانے میں کامیاب ہونا، نروان کو حاصل کرنا اور تکلیف اور دوسرے جنموں کی مشکلات سے بچنا سکھایا جاتا ہے ان سب کو حاصل کرنے کے بعد انسان ایک مکمل بودھا بن سکتا ہے۔

نروان کی حقیقت گوتم بدھ اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے:

بھکشوؤ(بدھمت کے پیروکارو) کی وہ کیفیات کا موجود ہونا ہے جہاں نہ تو ہوا و مٹی ہے نہ آگ و پانی، نہ زمان و مکان کی قید ہے، نہ انسانی شعور کی لاامتناعیت، نہ تو عدم شعور و آگہی، اور نہ شعور کی منازل، نہ اس دنیا ہے کا وجود ہے نہ ہی دوسری دنیا کا، شمس و قمر کا بھی وجود نہیں، اور وہاں نہ آنا اور نہ جانا، نہ کسی کا وقوف و قیام، اور نہ وہاں پیدائش ہے۔ اور سب وہاں کسی حرکت، سہارے، اور اساس کے بغیر ہے۔ بلاشبہ یہاں غموں کا خاتمہ یعنی (نروان) ہے۔[۲]

"بدھ مت فلسفیانہ اخلاقی اور مذہبی عقائد و نظریات کا نام ہے جو مہاتما گوتم بدھ کی تعلیمات پر مبنی ہے۔"[۳]

---

(۱) The Buddha And Five After-Centuries, by Sukumar Dutt, Luzac & company limited, ۱۹۵۷, pg # ۹۲

(۲) دیکھیے: دنیا کے بڑے مذہب، ص:۱۵۱

(۳) مکالمہ بین المذاہب، مولانا ولی خان المظفر، مکتبہ فاروقیہ کراچی، ص:۱۳۱

بدھ مت دراصل ہندوستان کے برہمنی مذہب کی ترقی یافتہ صورت ہے جو چھٹی صدی ق م میں برہمنی مذہب کے نقائص کو رفع کرنے آیا تھا۔ بدھ مت ایسے عقائد کا مجموعہ ہے جو مذہب سے زیادہ ایک فلسفہ ہے جو خدا کے بارے میں خاموش ہے، اور انسانیت کو درس دیتا ہے کہ ذات کو بلند کرے، رحم اور شریف النفسی کے ذریعے نجات حاصل کرے۔[۱]

بدھ مت کے نظریات اور تعلیمات کی روشنی میں جن اہم پہلوؤں کی وضاحت سامنے آتی ہے ان میں خود مستقل کوئی مذہب نہیں تھا در حقیقت ہندوستان کے برہمنی مذہب میں موجود نقائص سے پاک کرنے آیا تھا اور مذہب کی عملیات سے کم اور فلسفہ سے زیادہ متعلق تھا۔ بدھ مت کے نزدیک انسان کو دنیا کے مسائل سے میں نجات کو حاصل کرنی چاہیے۔ بدھ مت اپنے نظریات کی حفاظت میں دنیا کے دیگر مذاہب کی تعلیماتی تداخل سے بھی محفوظ نہیں رہا۔ اس سلسلہ میں یونانی تہذیب سے سنگ تراشی کو فروغ ملا اگرچہ ہندوستان کے لوگ پہلے سے اس فن سے واقف تھے اور یہاں مانویت[۲] مذہب کو ذکر کرنا مناسب ہو گا۔ جو اپنے مذہب میں بدھ کو رسول کا درجہ دیتے ہیں اس ایرانی مذہب نے بھی بدھ مت میں خانقائیت کو فروغ دیا۔ یہ امر بھی باعث حیرت رہتا ہے کہ بدھی اخلاقیات وتعلیمات میں مسیحیت سے قدرے مماثلت نظر آتی ہے۔ مثلاً انسان کا دکھ سے نجات حاصل کرنا، رہبانیت کا فروغ، راہب اور راہباؤں کے لیے خاص احکامات اور بھکشوؤں کے لیے خاص لباس کی پابندی، انسانیت کے لیے خاص محبت، رحم کے جذبات سے بھرے اخلاقی مواعظ کا موجود ہونا، حضرت مسیح عَلَيۡهِ ٱلسَّلَامُ کا "پہاڑی کا وعظ" جس طرح مسیحیت میں اہمیت رکھتا ہے بالکل اسی طرح بدھ مت میں "قانون کے پہیے کی گردش کا وعظ" موجود ہے۔

چار عظیم سچائیاں(Four Noble Truths):

بدھ مت میں گوتم بدھ سے منسوب چار عظیم سچائیاں عقیدے کی حیثیت رکھتی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

١. Suffering (dukkha)

٢. Creation or arising of suffering (samudaya)

٣. Cessation of creation of suffering (nirodha)

---

(۱) دیکھیے: گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، کرشن کمار، ترجمہ: پرکاش دیو، نگارشات پبلشرز، ص:۲۳۹

(۲) مانی مذہب اپنے بانی کی نسبت سے مانی(۲۱۶ء-۲۷۴ء) کہلاتا تھا۔ زرتشت کے بعد ایران میں مقبولیت حاصل کی، وسط ایشیا کا ایک بڑا مذہب رہا ہے۔ اس نے اپنے بنیادی فلسفے نور وظلمت یا خیر وشر سے اس وقت کے تمام ادیان کو متاثر کیا۔ [مقالہ نگار]

٤. The Path that leads to refraining (marga)[۱]

پہلی سچائی: دکھ اور غم ہے، دوسری عظیم سچائی: دُکھ یا مصیبت کی علت، تیسری عظیم سچائی: دُکھ کی روک تھام، چوتھی عظیم سچائی: دُکھ سے نجات کا راستہ۔

پہلی عظیم حقیقت "دکھ" ہے: یعنی زندگی کی اصل حقیقت دکھ ہے، جو چیزیں عام طور پر دکھ کا سبب ہوتی ہیں، جیسے جسمانی تکلیف، بیماری، ذہنی پریشانی، حالات کی مجبوری، اپنے عزیزوں سے دور ہونا، یا ناپسندیدہ لوگوں کے ساتھ رہنے پر مجبور ہونا وغیرہ، وہ تو بظاہر ہیں ہی دکھ کا سبب، لیکن گوتم بدھ کے خیال میں زندگی کی عارضی مسرتیں اور خوشیاں بھی آخر کار دکھ کا ہی سبب بنتی ہیں، چونکہ یہ خوشیاں اور مسرتیں مستقل نہیں ہوتیں، اس کے علاوہ خود زندگی کا کھوکھلا اور کسی مستقل عنصر کے بغیر ہونا (بدھ مت روح کے وجود کو نہیں مانتا) اور ہمیشہ تغیر پذیر رہنا بذات خود سب سے بڑا دکھ کا سبب اور انسان کے لیے غیر اطمینان بخش صورتحال ہے۔

بدھ مت میں دُکھ کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں:

(الف) دکھ دکھاتا، یعنی دکھ اپنے عمومی مظاہر میں جس کو ہر شخص محسوس کرتا ہے۔

(ب) سمکھارا دکھاتا، یعنی زندگی میں کسی مستقل عنصر کے بغیر ایک سلسہ علت و معلول کے پابند نمود کے سبب سے جو دکھ محسوس کیا جائے۔

(ج) وپیارینامادکھاتا، یعنی زندگی کی تغیر پذیری اور بے ثباتی کے سبب سے جو دکھ جھیلا جائے۔[۲]

ان تینوں اقسام کی تشریح کچھ یوں ہے۔ سچے مسائل (دکھ) کا سامنا ہر شخص کو کرنا پڑتا ہے۔ زندگی میں بہت سی خوشیاں ملتی ہیں لیکن اس سے ساتھ ساتھ زندگی مشکل چیز ہے۔ بیماری، بڑھاپا، اپنی اور اپنے پیاروں کی موت، زندگی کی ناکامیاں، دوسرے لوگوں سے تعلقات میں مایوسی اور بگاڑ اور ایسی دیگر باتیں اپنی جگہ دشوار ہیں لوگ اپنے لیے ان حالات کو مزید مشکل اور تکلیف دہ بنالیتے کیونکہ ان کے رویے حکمت سے ناسمجھی پر مبنی ہوتے ہیں۔

تمام مسائل کی اصل جڑ یہی ہے کہ ہر چیز سبب اور مسبب کی پابند ہے اسی کی وجہ سے دکھ محسوس ہوتا ہے۔ انسانیت کے طبقات میں اس کی آگہی کا فقدان ہے، اور لوگ حقیقت سے غافل ہیں۔

---

(۱) The Heart Of The Buddhas Teaching, by Thich Nath Hanh Broadway Books, New York,۱۹۹۸, pg# ۱۸

(۲) The Budda's Ancient Path, Piyadassi Thera, page: ۴۳, London, ۱۹۶۴

دنیا کی ہر چیز اور تمام انسان آپس میں جڑے ہوئے ہیں اس لیے ہم میں سب مخلوقات کے لیے برابر کی محبت اور درد مندی ہونی چاہیے اور اسی تغیر پذیری، بے ثباتی کے سبب دکھ سہنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ بدھ مت کے نزدیک انسانی نجات کا نظریہ کیا ہے۔

"بدھ کی تعلیم کا حاصل یہ تھا کہ انسان کی نروانِ روحانیت نہ تو خدا کی توفیق سے ملتی ہے اور نہ ہی خدا کی توجہات وعنایات اس کا نتیجہ ہیں بلکہ یہ سب انسان کی اپنی طبعی وفطری کاوشوں، نفس کی خلاصی قوت اور ذاتی اخلاقیات کی کشمکش کا ثمرہ ہے۔"[۱]

آخری دونوں قسمیں دکھ کی ایک فلسفیانہ بنیاد سے متعلق ہیں جس کی حقیقت عام انسانوں کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے، لیکن جس کے مظاہر پہلی نوع کے دکھوں کی صورت میں ہر شخص کو محسوس ہوتا ہے، اس کی تفصیل ہے کہ گوتم بدھ کے نزدیک کائنات کی تمام اشیاء پانچ مرکبات پر مبنی ہیں:

(۱) مادہ (روپ کھنڈا) جو قدیم طبعیات کے چاروں عناصر مٹی، پانی، آگ اور ہوا کے علاوہ چوبیس دوسری اشیا پر مشتمل ہے۔

(۲) قوت احساس (ویدنا کھنڈ)۔

(۳) قوت تمیز (سانا کھنڈ)۔

(۴) قوت فکر اور تصور (سمکھارا کھنڈ)۔

(۵) اور قوت شعور (دنانا کھنڈ)۔[۲]

ان میں سے ہر مرکب بذات خود مختلف اجزاء پر مشتمل ریت کی ڈھیریوں کی طرح رہ جاتی ہیں۔ اس کی مزید تفصیل میں نہ جاتے ہوئے یہاں گوتم بدھ کی اس تعلیم کو واضاحت کی جاتی ہے کہ چونکہ کائنات کی تمام اشیا انہیں غیر مربوط مرکبات یا ان کی آمیزش سے وجود میں آتی ہیں۔ اس لیے کائنات کی کسی چیز یا انسان کی شخصیت میں کوئی عنصر مستقل بالذات جیسے روح یا آتما یا کوئی اور مستقل حقیقت موجود نہیں ہے، تمام اشیا اور انسان محض مختلف اجزاء کا مجموعہ ہیں جن کی سطحی نظر یا مجموعی حیثیت سے مستقل شے متصور ہوتی ہے۔

---

(۱) اسلام اور مذاہب عالم، محمد مظہر الدین صدیقی، ص:۲۱

(۲) A Survey of Buddism, Sangharakshita, Page: ۱۰۴, Beglore, ۱۹۵۷

دوسرا رُخ یہ ہے: کائنات کی تمام اشیا اور انسان جن مرکبات کا مجموعہ ہیں وہ خود اپنی جگہ مختلف قسم کے خارجی اسباب کی بنا پر وقتی طور پر ایک مخصوص شکل اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ان اسباب کے ہر لحظہ بدلتے رہنے کے باعث یہ اشیا بھی ہر وقت متحرک اور متغیر پذیر ہیں، اس نقطہ نظر سے کائنات اور اس میں موجود تمام اشیا چشم بینا کے لیے کسی مستقل عنصر سے عاری، ہر لحظہ متغیر ان گنت ذرات کا ایک سیل رواں ہیں جو ازل سے ابد کی طرف بہا جا رہا ہے۔ اس سیل رواں میں کائنات کی مختلف اشیا اور انسان ذرات کے عارضی مجموعوں سے وجود میں آئے ہوئے مختلف ہیولے ہیں جو اپنے اجزاء کی تغیر پزیری کے سبب فانی اور بے ثبات ہیں۔

یوں گوتم بدھ کی تعلیمات کے مطابق بدھ مت کے پیروکار کو یہ اعتقاد رکھنا پڑتا ہے کہ انسان بے ثباتی دکھ اور غم جھیلنے کے لیے بنایا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ اعتقاد مایوسی اور تشائمیت پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔

توہم پرستی کے مظاہر

بدھ مت میں توہم پرستی کے مظاہر بہت کم ملتے ہیں اس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

۱) بدھ مت مذہب سے زیادہ ایک زندگی کا نظری فلسفہ ہے، یہ عملی طور پر انسانی زندگی کے مکمل جامعیت کے ساتھ محیط نہیں ہے اور نہ ہی ہر انسانی فعل کی مذہبی تشریح پیش کرتا ہے اس لیے اس میں توہم پرستی جزئیات نہیں ملتی لیکن اس کے فلسفہ میں توہم کے آثار ملتے ہیں۔

۲) بدھ مت کی قدیم روایات میں مہاتما بدھ سے منسوب معجزات کا ذکر نہیں ملتا اور انہوں نے بھکشوؤں کو ساحرانہ افعال سے سختی سے منع فرمایا تھا اسی طرح وہ خود بھی مافوق الفطرت طریقے سے بیماروں کو ٹھیک نہیں کرتے تھے۔ (البتہ بعد کی روایات میں مہاتما بدھ سے متعلق معجزات منسوب کئے جاتے ہیں)

۳) بدھ مت کو اپنی زندگی میں چند مذہبی مخالفوں کے علاوہ کسی بڑی سیاسی یا حکومتی مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، ان کا حلقہ ارادت وسیع پر سکون اور مطمئن تھا اس وجہ سے انہیں اثبات مذہب کے لیے جزئیاتِ مذہب یا پھر مافوق الفطرت خوارق کا سہارا نہیں لینا پڑا۔ اقوام کی تاریخ سے واقفیت حاصل ہوتی ہے کہ بیش تر ایسے اسباب ہوتے ہیں جو بعد کے ماننے والوں کو توہمات کی طرف لے جاتے ہیں۔ چنانچہ بدھ مت میں جو توہماتی اثرات ملتے ہیں وہ مذہبی ثقافتی اور گروہی تقسیم کے بعد رونما ہوئے۔

> "بدھ افکار اگر خدا کے وجود کا اثبات نہیں کرتے تو انکار بھی نہیں کرتے، محض سکوت ہے جس کے معنی انکار بہر حال نہیں لیے جاسکتے، خدا کے وجود کے متعلق خاموشی اختیار کرنے کی وجہ بدھ کا خیال تھا کہ اگر اس کے پیروکار کسی خارجی طاقت کا سہارا لیں گے اور اپنے دنیاوی مصائب و آلام میں اس کی مدد کے

منتظر رہیں گے تو ان کی خود اعتمادی متاثر ہو گی جس کے نتیجے میں عمل کی انفرادی صلاحیت مجروح ہو گی۔"[۱]

بدھ مت کو قنوطیت اور یاس پسندانہ مذہب بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اس مذہب کا انسان اور کائنات کے متعلق بنیادی فلسفہ دکھ اور غم کا ہے، اس کے مطابق انسان صرف سفر میں رہنے والی مخلوق ہے، کوئی منزل اس کا مقدر نہ ہے، بدھ مت اس عقیدہ کا حامل ہے کہ صرف بد اعمال کا ارتکاب کرنے والا ہی حیات و ممات کے ازلی چکر (آواگون) میں گرفتار نہیں ہے، بلکہ نیک سے نیک کام کرنے والا بھی اسی طرح اس پھندے میں گرفتار رہتا ہے جس طرح کہ برے اعمال کرنے والا، بدھ مت میں دنیا کے علاوہ ایک اگلا جہاں بھی موجود تو ہے لیکن وہ ابدی نہیں ہے، اس کے مطابق اچھے عمل کرنے والا اپنے اعمال کے بقدر بہشت میں کچھ وقت گزارے گا، اسی طرح برے اعمال کرنے والا بھی جہنم میں اپنی معینہ سزا کاٹے گا، لیکن اس کے بعد دونوں واپس اس دکھ والے جنم مرن کے لامتناہی سلسلے میں گرفتار رہیں گے۔[۲]

تناسخ:

بدھ مت بھی دیگر مذاہب کی مانند جنم ثانی یا تناسخ کا قائل نظر آتا ہے۔ انسان کا کرم اس کے اعمال بن کر سامنے آتے ہیں ان اعمال پر منتج ہوتا ہے کہ وہ پیش آئندہ جنم میں دوزخ میں پیدا ہو، یا جنت میں جنم لے، آدمی کی شکل میں آئے یا جانور کی یا پھر بھوت پریت کی شکل میں داخل کر دیا جائے۔

تناسخ کا یہ عقیدہ اپنے مذہب میں توہم پرستی کے وجود کا سب سے بڑا سبب ہے کیونکہ اسی عقیدے کی بنا پر انسان اپنے تمام کرم (اعمال) میں محبوس ہو کر رہ جاتا ہے۔

ساحرانہ افعال:

مہاتما بدھ نے اگرچہ ساحرانہ افعال سے منع کیا تھا لیکن بدھ مت کے کچھ فرقے اس کے قائل ہو گئے کہ ضبط نفس اور غور فکر سے ذریعے سے مافوق العادات اور طاقتوں کا حصول ممکن ہو سکتا ہے۔ اور یوں بدھوں اور بدھی وستوؤں اور ان کی بیویوں سے مدد لی جاتی تھی جنھیں 'تارا' کہا جاتا تھا۔ اس کی وجہ سے بدھ مت میں کئی توہمات نے جنم لیا۔ ان فرقوں میں 'وجدیان' اور 'تانتری' فرقہ شامل ہے۔[۳]

---

(۱) اسلام اور مذاہب عالم، محمد مظہر الدین صدیقی، ص:۲۶۲

(۲) انظر: المعتقدات الدينية لدى الشعوب، ص: ۱۸۰-۱۸۳

(۳) دیکھیے: ہندوستان کا شاندار ماضی، ص:۳۸۶-۳۸۷

خانقاہوں کا تصور:

بدھ مت میں خانقاہوں کا تصور بھی موجود ہے جو عیسائیت میں موجود رہبانیت سے کافی حد تک مماثلت رکھتی ہے۔ بدھی سلسلہ کی رکنیت کے لیے تین زرد رنگ یا نارنجی رنگ کے کپڑے پہننا اور سر منڈانا شامل ہے تمام بھکشوؤں کی متفقہ رائے سے راہب اعظم (Monk) کا انتخاب کیا جاتا ہے ان بھکشوؤں پر زندگی گزارنے کی پابندیاں ہوتی ہیں۔ اسی طرح ایک دور میں بدھی راہبائیں خانقاہوں سے بلکل متصل رہائش پذیر ہوتی تھیں اور انکے لباس زرد اور سر مردوں کی طرح منڈوائے جاتے تھے۔

بدھ مت میں دنیا کے کاموں میں مشغول ہونا صرف اُپاسک (دنیا کے کاموں میں مشغول) کے لیے جائز ہے، جبکہ بھکشو کے لیے یہ طرز عمل اختیار کرنا جائز نہیں ہے، بدھ مت کے سادھوؤں کے لیے کسی طرح کا کاروبار اور روزی کمانے کا کوئی طریقہ اختیار کرنا ممنوع ہے، بھکشوؤں کو صرف بھیک اور نذرانوں پر گزارا کرنا ضروری ہے، بھکشو کو دو جوڑے کپڑے، دوپہر کا کھانا، اور کچھ دوائیوں کے علاوہ کچھ رکھنے کا مجاز نہیں۔ (۱)

بدھ مت کی جدید شاخ "مہایان" میں یہ تصور پیش کیا گیا ہے، کہ بدھاؤں اور بودھی ستواؤں نے اپنے بار بار کے جنم مرن کے دوران نیکیوں اور اچھائیوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع کر لیا ہے جو کہ ان کے عام پیروکاروں کے لیے فائدہ مند ہے، یعنی کہ عام لوگ ان کی اطاعت کر کے اور ان سے دعائیں کر کے اپنی نجات کا ذریعہ پیدا کر سکتے ہیں۔ (۲)

مذکورہ بالا اعتقاد بھی انسان کو دنیا میں سعی کرنے سے دور رکھنے کی کفایت کرتا ہے، کہ اب بودھ کو زیادہ مشقت کی ضرورت نہیں۔

بدھ مت میں بھکشوؤں (بدھ مت کے مذہبی رہنما) کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ شادی نہ کریں، کیونکہ اگر وہ شادی کریں گے تو مزید انسانوں کی ولادت کا سبب بنیں گے، اس سے مترشح ہوتا ہے کہ مزید انسانوں کو اس دکھ کی دنیا میں دھکیلنے کا باعث بنیں گے۔ (۳)

اس مذہب میں یہ تصور بھی رائج ہے کہ دوپہر کے بعد کھانا تناول کرنا اپنے جسم کے ساتھ زیادتی ہے۔ پیروکار عورتوں کو حقیر جانتے ہیں، بلکہ ان میں سے بعض لوگ انہیں انسانوں میں بھی شمار نہیں کرتے۔ انفرادی طور پر ایک بھکشو اپنے زمانہ کے مطابق معمولی ضروریات زندگی کے علاوہ کوئی جائداد نہیں بنا سکتا اور نہ ہی سونے چاندی کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔ (۴)

---

(۱) The Budda’s Ancient Path Page: ۱۵۵

(۲) دیکھیے: دراسات فی الیهودیة والمسیحیة وأدیان الهند، ضیاءالرحمن الاعظمی، مکتبة الرشید، طبعة ۲۰۰۳ء، ص:٦٤٦

(۳) ایضاً، ص: ۶۴۷

(۴) دیکھیے: ہندوستان کا شاندار ماضی، ص: ۳۶۵

بدھ مت کی مقدس علامتیں:

لمبینی(Lumbini):

بدھ مت کے نزدیک مہاتما کی مقدس جائے پیدائش ہے جو ہمالیہ کے پاس نیپال (کپل وستو) درختوں کے جُھنڈ میں واقع ہے اس مقام پر سب سے پہلے اشوکا نے ایک تاریخی یادگاری مینار تعمیر کیا جو بعد میں ایک دوسرے مینار سے تبدیل کر دیا گیا۔ جس کی زیارت کرنے کے لیے بدھ مت کے پیروکار اس مقام پر آتے ہیں۔ (۱)

قانون کے پہیے کی گردش کا وعظ:

سارناتھ (بنارس) دیر پارک کا وہ مقام جہاں مہاتما بدھ نے اپنا پہلا وعظ دیا جسے بدھی اصطلاح میں 'Wheel of Dharma' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور پالی زبان میں اسے 'Dhammacakkappavattana Sutta' کہا جاتا ہے۔ مہاتما بدھ نے اس مقام پر چار عظیم سچائیاں بیان کیں جس پر بدھ مت کی بنیاد کھڑی ہے۔ لہذا یہ مقام بھی بدھ مت میں اپنی اہمیت اور تقدیس رکھتا ہے۔ (۲) اس پہیے (Wheel of Dharma) کی بدھ مت میں علامتی حیثیت وہ ہی ہے جو مسیحیت میں صلیب کی ہے۔

استوپا(Stupa):

استوپا بنانے کی روایت کو بدھ مت نے قبول کیا استوپا گنبد نما خانقاہی مقام ہوتا ہے۔ اس کا مطلب اونچی مقابر ہے ابتدا میں یہ مہاتما بدھ کی تقسیم شدہ راکھ پر تعمیر کی جاتی تھی۔ استوپا کو بدھ مت میں مقدس مقام کی حیثیت حاصل ہے اور استوپا کی زیارت کے سبب دور دور سے لوگ سفر کر کے آتے ہیں۔ مہاتما بدھ کی وفات پر آپ کا جسد خاکی جلایا گیا اور راکھ کے حصول میں تنازعہ برپا ہوا۔ ایک برہمن کے فیصلے پر اس کے آٹھ حصے کر دیئے گئے جس پر آٹھ ستوپے بنا دیئے گئے۔ ایک دوسری قسم کے استوپا وہ ہیں جن میں بدھ مت کے بھکشوؤں (گوتم بدھ یا اس کے شاگردوں یا شاگردوں کے شاگردوں کی) راکھ دفنا دی جاتی تھی۔ (۳)

بدھ مت میں استوپا نروان کی یادگار تھا جس پر انہیں جلوہ یابی کا عرفان حاصل ہوا تھا۔ مہاتما بدھ کے بعد ان استوپوں کی پرستش اور عبادت کی جانے لگی اور سنگ تراشوں نے اس میں بڑی مہارت دیکھائی اور استوپا پر یادگاری نقش کندہ کیے جس میں خاص طور پر دھرما چکر بنایا جاتا ہے۔

---

(۱) Buddha and five after-centuries, pg# ۱۷-۲۴

(۲) BUDDHA, Encyclopedia of BUDDHISM, GAIL MAXWELL, Pg# ۹۲

(۳) STUPA, Encyclopedia of BUDDHISM, A. L. Dallapiccola, Pg# ۸۰۳

شجر دانش(Holy Tree):

مقدس درخت سے مراد وہ خاص پیپل کا درخت تھا جہاں مہاتما بدھ کو 'نروان' حاصل ہوا تھا اور وہ 'بدھی' بن گیا تھا یہ مقام ہندوستان میں بہار کی ریاست میں 'بدھ گیا' میں واقع ہے۔ بدھی درخت کے عقب میں ایک مندر (Temple) "مہابودھی" سے موسوم کرتے ہوئے تعمیر ہوا، اس درخت کی شاخیں کاٹ کاٹ کر لنکا تک لے جائی گئیں۔ ۸ سمبر کو بدھ مت کے ہاں 'بدھی کا دن' منایا جاتا ہے اور اس کی عبادت کی جاتی ہے جو مختلف یوگا کی کیفیات اور منتر پڑھ کر ہوتی ہے۔ اس کو مقدس مانتے ہوئے ہر استوپا کے پاس بدھ کی تجلی یابی کی یادگار قائم کرنے کے لیے ایک پیپل کا درخت لگایا جاتا ہے لہذا بدھ مت میں پیپل کا درخت ایک احترام کی چیز بن گیا۔[۱]

کُشی نگر:

ہندوستان میں اترپردیش میں واقع ایک ضلع کُشی نگر ہے۔ بدھ مت کی روایات کے مطابق گوتم بدھ کا انتقال یہاں ہوا تھا۔ یہ بدھ مت کے مقدس مقامات میں سے ایک ہے اور سالانہ اکٹھے ہونے کی جگہ بھی ہے۔[۲]

خلاصہ کلام: ہندومت کے ویدی عہد کے خاتمے پر برہمنوں کی مذہب پر اجاداری نے ہندوستان میں مادیت پسند اور عقل پرستی کی تحریکوں کو جنم دیا اور معاشرے کو توازن واعتدال پر لانے کے لیے گوتم بدھ نے ہندی معاشرے میں اہم کردار آفرینی کی۔ لہذا ویدوں پر انکار، برہمنوں کی اجارداری اور ذات پات کی تقسیم کے خلاف بغاوت کی صورت میں بدھ مت مذہب ابھر کر سامنے آیا جس نے ہندوستان کے معاشرے پر گہرا اثر مرتب کیا۔

ہندودھرم کے مقابلے میں بدھ مت ایک بانی "گوتم بدھ" کی طرف منسوب ہے۔ بدھ مت کی ہزاروں سالہ تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ بدھ مت ایک دینیاتی انقلابی تحریک نہیں تھی بدھ مت میں تمام انسانیت کی نجات کو پہلو موجود نہیں تھا۔ بدھ مت میں اگرچہ الوھی تصور موجود نہیں لیکن اس کی نفی بھی نہیں، خاص طور پر پالی صحائف میں یہ کبھی دعوی نہیں کیا گیا کہ گوتم بدھ مافوق الفطرت ہستی کے مالک تھے۔ البتہ اس مذہب میں انفرادی نجات کا تصور موجود ہے اور جو اعمال مطلوب ہیں وہ انسانی خدمت ہے یوں دکھوں سے چھٹکارے کا اونچا مقام حاصل ہو سکتا ہے۔ بدھ مت میں اخلاقیات کا تصور موجود ہے اور بہت سی اخلاقیات اسلامی اخلاقیات سے مناسبت رکھتی ہیں۔ لیکن ہندومت کی طرح بدھ مت میں بھی خرافات و توہمات ہیں اور کوئی الہامی بنیادی کتاب نہیں جو بھی منقول ہے وہ مختلف بھکشوؤں کے متضاد خیالات کا مجموعہ ہے۔

---

(۱) Buddha and five after-centuries, pg# ۴۰-۴۲

(۲) دیکھیے: ہندوستان کا شاندار ماضی، ص: ۳۶۵

مسیحی عہد کے آغاز پر بدھ مت کے پیشواؤں نے بدھ کے مجسمے کی پرستش شروع کر دی اور مہاتما بدھ کو مقام الوہیت پر پہنچا دیا جس کا آغاز گوتم بدھ کے چھوڑے گئے آثار اور علامتوں سے ہوا۔ دوسری اور پہلی صدی قبل مسیح کی کندہ تصاویر سے عیاں ہوتا ہے کہ پہلے یہ لوگ مہاتما بدھ کی علامتوں کی پرستش کرتے تھے پھر کچھ عرصے بعد سنگ تراشوں نے بُت بنا دیے اور چند نسلوں بعد تمام بدھ فرقے پوجا میں ملوث ہو گئے۔ مثلاً استوپا جو ان کے نزدیک نروان کی یادگار تھا اور مقدس درخت جو ان کی تجلی یابی کی یاد دہانی کراتا تھا یہ پرستش ان علامتوں کا مقدس طواف اور پھولوں کا نذرانہ اور سجدہ گزاری پر مشتمل ہے۔ اس مذہب کے پیروکار مشرقِ بعید خاص طور پر تھائی لینڈ، چین، کوریا، جاپان اور دیگر مشرقِ بعید کے چھوٹے بڑے ممالک میں موجود ہیں۔

فصل دوم: یہودیت اور عیسائیت میں توہم پرستی

مبحث اول: یہودیت میں توہم پرستی

مبحث ثانی: عیسائیت میں توہم پرستی

فصل دوم: یہودیت اور عیسائیت میں توہم پرستی

اس فصل میں سامی مذاہب میں سے یہودیت اور عیسائیت کا تعارف پیش کرنے کے ساتھ، ان کے زیر اثر پیدا ہونے والے معاشروں میں پائے جانے والے توہمات کا تجزیہ پیش کیا ہے۔

مبحث اول: یہودیت میں توہم پرستی

یہودیت کی تعریف

مذہبِ یہودی کو وحدانیتِ خدا کو ماننے والا مذہب کہا گیا ہے، اسی لیے اس میں توہم پرستی باقی مذاہب کی نسبت کم ملتی ہے۔ حضرت ابراہیم عَلَيْهِ ٱلسَّلَامُ کے فرزندان اسماعیل عَلَيْهِ ٱلسَّلَامُ، اسحاق عَلَيْهِ ٱلسَّلَامُ ہوئے۔ حضرت اسحاق عَلَيْهِ ٱلسَّلَامُ کے بھی دو فرزند ہوئے جس میں سے چھوٹے بیٹے یعقوب عَلَيْهِ ٱلسَّلَامُ تھے انہی کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ حضرت یعقوب عَلَيْهِ ٱلسَّلَامُ کے بارہ فرزند ہوئے، بڑا بیٹا یہودا تھا۔ بحیرہ روم کے جنوبی حصہ پر مشتمل ایک ریاست یہودیہ (judea) کے نام سے موجود تھی۔ اس لئے بھی اس علاقہ کے رہنے والے یہود کہلائے۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق یہودیت کی تعریف:

"Judaism: Religious beliefs and practices of the JEWS. One of the three great monotheistic world religions, Judaism began as the faith of the ancient Hebrews, and its sacred text is the Hebrew BIBLE, particularly the TORAH. Fundamental to Judaismis the belief that the people of Israel are God’s chosen people, who must serve as a light for other nations. God made a COVENANT first with ABRAHAM and then renewed it with Isaac, JACOB, and MOSES."(۱)

ترجمہ: یہودیت مذہبی عقائد اور یہودیوں عملی عبادت کے طریق کار کا نام ہے۔ دنیا کے ان تین بڑے مذاہب میں سے ہے جو ایک خدا پر یقین رکھتے ہیں۔ یہودیت کا آغاز قدیم عبرانیوں کے ان عقائد پر مشتمل ہے، جس کا متن عبرانی بائبل اور خاص طور پر تالمود میں موجود ہے۔ یہودیت کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اسرائیل کے لوگ خدا کے منتخب لوگ ہیں۔ اور بنی اسرائیل کو دوسری قوموں کے لئے ہدایت اور رہنما کی حیثیت سے کام کرنا چاہئے۔ خدا نے ابراہیم کے ساتھ پہلا معاہدہ کیا اور پھر اسحاق، یعقوب اور موسیٰ کے ساتھ اس کی تجدید کی۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس میں یہودیت کی تعریف کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے:

"Judaism. This is the one pure religion of the ancient world, and might be a formidable of rival of Christianity if the latter were obliged to treat it as false. But, on

---

(۱) Judaism: Encyclopedia Britannica Concise, pg# ۱۰۰۲

the contrary, its clams itself all that is best and purest and most permanent in Judaism. Historically, the one religion grew out of the other; theologically, the germ of Christian doctrine is to be found in the OT doctrine of God and man, its progressive revelation, and its Messianic hope. There is no desire to belittle the one pure religion of ancient world, but there is much in it that is incomplete. Christianity simply claims to fulfil it, to answer its problems, and to carry it forward to finality. The question of the position of the OT is here involved."[۱]

ترجمہ: "یہودیت زمانہ قدیم کاایک خالص مذہب ہے جو مسیحیت کا حریف ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا خواہ مسیحیت اسے جھوٹا ہی کیوں نہ قرار دے۔ تاہم یہ مذہب خود کو یہودیت میں موجود بہترین اور خالص تعلیمات کا دعویٰ دار ہے۔ تاریخی اعتبار سے مسیحیت یہودیت سے نکلی ہے۔ مذہبی اعتبار سے مسیحیت کے اثرات عہد نامہ ء قدیم میں بندے اور خدا کے نظریے، ترقی پذیر وحی اور اس کے تصور مسیح میں پائے جاتے ہیں۔ تاہم اس عہد نامہ قدیم میں ایسا بہت کچھ ہے جو نامکمل ہے۔ اور مسیحیت اسے مکمل کرنے اس کے مسائل کا جواب مہیا کرنے اور اسے حتمیت تک لانے کی دعوی دار ہے۔ یہاں عہد نامہ قدیم کا مقام شامل بحث ہو جاتا ہے۔"

شیخ احمد دیدات[۲] یہودیت کی جامع تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"یہودیت میں توحیدانہ ایمانیات بشمول برتری یک نسل اور بڑائی کا اعتقاد بھی داخلِ دین ہے۔"[۳]

عقیدہ توحید کی بناپر بت پرستی اور شرک کی تمام صورتوں کو مسترد کر دیا گیا، یہود کے ہاں یہ اعتقاد ہے کہ بنی اسرائیل خدا کے منتخب بندے اور خدا کی نعمتیں صرف انہی کے لئے مخصوص ہیں، اور جنت اور اس کی تمام نعمتوں پر بنی اسرائیل کا حق ہے۔ اسی عقیدے کی وجہ سے یہودی مذہب کی تبلیغ بنی اسرائیل کے علاوہ کسی اور قوم میں نہیں کی گئی۔

قرآنِ مجید یہود کے اسی عقیدے کو یوں نمایاں کرتا ہے:

﴿وَقَالَتِ ٱلْيَهُودُ وَٱلنَّصَـٰرَىٰ نَحْنُ أَبْنَـٰٓؤُا۟ ٱللَّهِ وَأَحِبَّـٰٓؤُهُۥ ...﴾[۴]

ترجمہ: اور یہودی و نصرانی کہتے کہ ہم اللہ کے فرزند اور اس کے پیارے ہیں۔

---

(۱) Encyclopaedia of Religion and Ethics, by Hastings, James, Selbie, John A Gray, Louis H. Newyork, Charles Scribner's Sons, pg:۲۱۹

(۲) احمد حسین دیدات (۱۹۱۸ء-۲۰۰۵ء)، عہد حاضر میں داعی، مبلغ، اور مناظرِ اسلام کی وجہ سے شہرت پائی، ان کی دعوت دین اور کتب کا محور عیسائیت اور بائبل کے حقائق کو واضح کرنا رہا۔ (یہودیت عیسائیت اور اسلام، مقدمہ و تعارف)

(۳) یہودیت عیسائیت اور اسلام، احمد دیدات، ص: ۴۷

(۴) المائدۃ ۵:۱۸

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"أن لفظ الابن كما يطلق على ابن الصلب فقد يطلق أيضا على من يتخذ ابنا، واتخاذه ابنا بمعنى تخصيصه بمزيد الشفقة والمحبة، فالقوم لما ادعوا أن عناية الله بهم أشد وأكمل من عنايته بكل ما سواهم، لا جرم عبر الله تعالى عن دعواهم كمال عناية الله بهم بأنهم ادعوا أنهم أبناء الله."[1]

ترجمہ: عربی میں ابن کا استعمال اس لڑکے پر کیا جاتا ہے جو اپنے خون سے جنم لیا ہو، اسی طریقے پر ابن کا اطلاق کسی خصوصی تعلق کی بنا پر بھی ہوتا ہے لہذا اس کو بھی ابن کہہ دیتے۔ اہل کتاب بایں معنی اپنے آپ کو اللہ کے بیٹے نہیں کہتے تھے کہ وہ اس کی نسلی اولاد ہیں۔ اس سبب سے کہتے وہ خدا کے قریبی اور لاڈلے ہیں نیز ان پر رحمت الٰہی و شفقت خداوندی اس طرح ہے جیسے والد کی اولاد کے ساتھ ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:﴿وَقَالُواْ لَن يَدۡخُلَ ٱلۡجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوۡ نَصَٰرَىٰۗ تِلۡكَ أَمَانِيُّهُمۡۗ قُلۡ هَاتُواْ بُرۡهَٰنَكُمۡ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ﴾[2]

ترجمہ: اور انھوں نے کہا علاوہ یہود یا نصاریٰ کے کوئی بہشت میں ہرگز نہ جائے گا یہ ان کی خودساختہ آرزوئیں ہیں کہہ دو اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

بائبل میں یہود کے عقیدے کی وضاحت یوں مذکور ہے:

"نجات یہودیوں میں ہے۔"[3]

یہودیت کے اس تعارف سے عیاں ہو گیا کہ یہود نے اپنے مذہب کو چند خوبصورت تصورات، خواہشات اور رسم ورواج میں پابند کر دیا تھا۔ اپنی اصل میں یہودیت توحید خالص کو مانتا ہے نیز توحیدی نظریے کے عملی اثرپذیری کو درست خیال بھی کرتا ہے۔ یہودیت میں دنیا و آخرت کا تصور موجود ہے ساتھ ہی یہود یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا اچھی جگہ ہے۔ انسان اپنی ذات میں ارادے کا مختار ہے لہذا وہ اپنے افعال کا جوابدہ ہے۔ یہود اپنے عقیدے کے مطابق یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں زندگی گزارنے کے لیے خدا کی طرف سے کسی عطا کردہ قانون کی پابندی کی ضرورت نہیں، اور ہماری نجات کے لیے یہ کافی ہے کہ ہم خدا کے منتخب ہیں اور اپنا انتساب یہودیت کی طرف رکھتے ہیں۔ جنت ہمارے ہی لیے پیدا کی گئی ہے۔ ہم خدا کے فرزند اور چُنیدہ ہیں

---

(۱) مفاتيح الغيب، التفسير الكبير، أبو عبد الله محمد بن عمر الرازي (المتوفى:٦٠٦ھ)، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الثالثة ١٤٢٠ھ، ٣٢٨/١١

(۲) البقرۃ۲:۱۱۱

(۳) یوحنا باب۴:۲۲، کتاب مقدس (اُردو) بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، ۱۹۹۷ء

اس لیے آخرت میں ناکامی کا ہمارا مقدر نہیں۔ درحقیقت یہود کی خود ساختہ اور بے بنیاد امیدیں و آرزوئیں ہیں جس کے باعث وہ دھوکہ اور فریب میں مبتلا ہیں۔

یہود میں توہم پرستی کا آغاز

یہود کا تعلق چونکہ عبرانی نسل سے ہے اور یہ قدیم سامی اقوام سے ہیں۔ یہود نے خانہ بدوشانہ زندگی گزاری لیکن ان کا اصل وطن دریائے فرات اور دجلہ کے آس پاس کا علاقہ تھا، اور اس علاقے کے رہنے والے قومِ یہود میں مظاہر پرستی موجود تھی، اور قدیم مذاہب کی طرح یہ قوم بھی فطرت کے مظاہر مثلاً چاند، سورج، ستارے اور پہاڑ کے پرستار تھے بعد میں اس مظاہر پرستی نے شرک کی صورت اختیار کر لی۔ قوم یہود کے تاریخی شواہد ظاہر کرتے ہیں کہ یہود ہمیشہ ایک محسوس معبود کی تلاش میں رہے ہیں جس کے نتیجے میں وہ کئی ہمسایہ اقوام کے دیوتاؤں کی پرستش کے مرتکب ہوئے، شرک بھی کیا اور بت پرستی بھی، اللہ تعالیٰ نے قومِ یہود کو اسی وجہ سے مختلف امتحانات میں بھی ڈالا۔

اصل دین سے دوری کی وجہ سے یہودیت توحیدی مذہب ہونے کے باوجود اخلاقی انحطاط، ذہنی پستی اور مذہبی عقائد کے بگاڑ کا شکار ہو گئے۔ اور انبیا بنی اسرائیل نے انہیں دعوتِ توحید دی اور شرک بت پرستی اور تمام مظاہر سے اجتناب کرنے کی تلقین کی۔ نبیوں کی اولاد ہونے کے باوجود یہود میں صدیوں سے مصری بُت پرستوں، اقتدارِ مصر میں غلام رہنے کے سبب بُت پرستی کا جذبہ اس حد تک سرایت کر چکا تھا کہ خروج مصر کے ستر سال بعد بھی اسے پوری طرح ختم نہیں کیا جاسکا۔ چنانچہ بائبل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اول حضرت یوشع بن نون بنی اسرائیل کے اجتماع سے مخاطب ہوئے ہیں:

"تم خداوند کا خوف رکھو اور نیک نیتی اور سچائی کے ساتھ اس کی عبادت کرو اور ایسے دیوتاؤں سے دور رہو جن کی عبادت تمہارے آباؤاجداد بڑے دریا کے ورے اور مصر میں کرتے تھے اور خداوند کی عبادت کرو اور اگر تمہیں اچھی نہیں لگتی تو آج ہی چن کو جس کی تم عبادت کرنا چاہتے ہو۔"[(۱)]

ان معلومات کی بنا پر یہ نتیجہ بر آمد ہوتا ہے کہ یہود مصر سے نکلنے کے بعد بت پرستی اور شرکیہ توہمات میں زیادہ مبتلا نظر آتے ہیں کہ جیسے ہی کوئی بت کدہ سامنے آتا تھا اس کو دیکھ کر ان کے بگڑے ہوئے جذباتی احساسات اور توہمات میں اشتعال آجاتا تھا۔ ان شرکیہ جرائم میں سے ایک گوسالہ پرستی تھی اسی کے نتیجے میں گائے کو ذبح کرنا، اور یہی گوسالہ پرستی دوسری اقوام سے متاثر ہوتے ہوئے توھم پرستی کا شاخسانہ بنی۔

اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام کوہ طور پر احکام شریعت لینے جاتے ہیں، تو حضرت موسی علیہ السلام کی عارضی غیر حاضری میں سامری نے جو شعبدہ کیا تھا وہ بھی بچھڑے ہی کی شکل وصورت میں تھا۔

---

(۱) یشوع باب ۲۴: ۱۴-۱۵

مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ[1] لکھتے ہیں:

"عجائب پرستوں کا قاعدہ ہے کہ جہاں کوئی ذرا سی بات عجیب نظر آئی فوراً معتقد ہو گئے اور سمجھ بوجھ کو خیر باد کہہ دیا۔ سامری مصر کے مندروں کے بھیدوں سے واقف تھا، وہاں اس ترکیب سے مورتیاں بنائی جاتی تھیں کہ جونہی ہوا ان کے اندر جاتی طرح طرح کی آوازیں نکالنے لگتیں آج کل یہ صنعت باجوں اور کھلونوں میں استعمال کی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں معبدوں کا معجزہ تھا، چنانچہ اس نے بچھڑے کی مورتی میں بھی یہی کاریگری رکھی۔ بنی اسرائیل اتنی ہی بات دیکھ کر معتقد ہو گئے۔"[2]

قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَل لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾[3]

ترجمہ: اور بنی اسرائیل کو ہمیں نے سمندر پار کروایا، تو وہ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو اپنے بتوں پر معتکف تھے، بنی اسرائیل کہنے لگے: اے موسیٰ! ہمیں بھی کوئی ایسا ہی دیوتا ایجاد کر دو جیسے دوسرے لوگوں کے دیوتا ہیں۔ کہا موسیٰ نے؛ تم ایسے (عجیب) لوگ ہو جو جہالت کی باتیں کرتے ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِن بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ ۚ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ﴾[4]

ترجمہ: اور موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیور سے بچھڑا بنالیا وہ ایک جسم تھا جس میں بیل کی آوازیں نکلتی تھی، ان لوگوں نے اتنا بھی نہ سمجھا کہ وہ ان سے بات بھی نہیں کرتا، اور راستہ نہیں بتلاتا اس کو معبود بنالیا اور وہ ظالم تھے۔

---

(۱) ابو الکلام، محی الدین احمد آزاد (۱۸۸۸ء-۱۹۵۸ء) بھارت کے عظیم لیڈروں میں مولانا کا شمار ہوتا تھا۔ کانگریس کے سرگرم رکن رہے اور ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم بنے۔ غبار خاطر، الہلال اور ترجمان القرآن مشہور تصانیف ہیں۔ (ابو الکلام آزاد: سوانح و افکار، شورش کاشمیری، مطبوعات چٹان لاہور، تعارف)

(۲) ترجمان القرآن، مولانا ابو الکلام آزاد، اسلامی اکیڈمی لاہور، ۲/ ۸۵

(۳) الأعراف ۷:۱۳۸

(۴) الأعراف ۷:۱۴۸

بنی اسرائیل کے لئے گائے کو ذبح کرنے کا حکم دراصل گوسالہ پرستی کے عقیدے کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے کے مترادف تھا۔ مصر میں غلامی کے زمانے میں غالب قوم کے اثر سے بنی اسرائیل میں گائے کی تقدیس کا عقیدہ سرایت کر گیا تھا۔ بنی اسرائیل مصر میں لمبی مدت تک قیام کرنے کی وجہ سے مصری تہذیب اور رسوم سے متاثر ہو گئے۔ اور مصری گائے کی پرستش میں ہندوستان کے آریوں کی طرح مشہور تھے بنی اسرائیل توحید کے علمبردار بھی تھے۔ اور مشرکانہ رسومات کے پابند بھی۔

لہذا ایک تکلیف تو انہیں یہ ہوئی کہ جس چیز کو قابل پرستش سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کو مذبوح کیا جانے کا حکم کر دیا۔ اسی طرح گوسالہ پرستی کے عقیدے کو زائل کرنے کے لیے نامعلوم قاتل کے قضیے میں گائے کے گلے کو کاٹنے کا حکم دیا تا کہ گاؤپرستی کی عظمت و تقدس بنی اسرائیل میں جگہ نہ پکڑے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِۦٓ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا۟ بَقَرَةً ۖ قَالُوٓا۟ أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِٱللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ ٱلْجَٰهِلِينَ﴾ (۱)

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو انہوں نے کہا کیا تو ہمارا مذاق بناتا ہے کہا میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں اس سے کہ نادانوں میں سے ہوں۔

اس حکم کا مقصود یہ تھا کہ جب وہ اپنے ہاتھوں سے گائے کے گلے پر چھری چلائیں گے تو گائے کی الوہیت کے تصور اور اس کی تقدیس کے عقیدے پر ضرب لگے گی اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ جس کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا جا سکتا ہے۔ وہ مقدس یا معبود کیسے ہو سکتا ہے؟

بائبل میں تصریح سے ذکر ہوا ہے:

"جو شہر اُس مقتول کے سب نزدیک ہو اُس شہر کے بزرگ ایک بچھیا لیں جس سے کبھی کوئی مشقت والا کام نہ لیا گیا ہو اور نہ وہ جوتے تلے آئی ہو۔ اور اُس شہر کے بزرگ اُس بچھیا کو بہتے پانی کی وادی میں جس میں نہ ہل چلا ہو اور نہ اُس میں کچھ بویا گیا ہو لے جائیں اور وہاں اپس وادی میں اُس بچھیا کی گردن توڑ دیں۔"(۲)

ان واقعات سے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے بنی اسرائیل میں توہم پرستی کے نتیجے میں شرک پرستی نے جنم لیا جو کہ سلطنت کے اعلیٰ عہد داروں تک سرایت کر گئی۔ چنانچہ پروفیسر غلام رسول لکھتے ہیں:

---

(۱) البقرۃ ۲:۶۷

(۲) استثناء باب ۲۱:۳،۴

"سلطنت جوڈیا کے انیس سلاطین ہوئے، صرف چھ سلطان موحد تھے باقی تمام بت پرستی میں تھے۔"(۱)

معاشرے میں اس قسم کی برائیاں جنم لینے کی وجوہات کے ذیل میں مولانا صوفی عبد الحمید سواتی، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

اس قسم کی برائیاں نبی کے علم و عمل سے علیحدگی کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں۔ اور نبی سے لاتعلقی تین وجوہ سے ہوتی ہے۔

"اولاً بے خبری یعنی امتی کو اس امر سے آگاہی نہیں ہوتی کہ نبی کا عمل اور عقیدہ کیا ہے۔

ثانیاً یہ کہ طبیعتوں میں بگاڑ پیدا ہو جائے۔ امتی اصل راستے سے بھٹک جائیں تو بھی نبی سے تعلق کمزور پڑ جاتا ہے۔

تیسری وجہ ماحول کا اثر ہے۔ جب لوگ معاشرے کے دیگر لوگوں سے متاثر ہو کر ان کا طریقہ اختیار کرلیں۔ تو پھر بھی اپنے نبی سے قطع تعلقی پیدا ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل میں یہ تینوں بیماریاں موجود تھیں اسی سبب سے وہ حضرت موسیٰ عَلَيْهِ ٱلسَّلَامُ سے بات بات میں تکرار، حجت بازی اور حیلہ بازی کرتے، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو ٹالنے کی کوشش کرتے تھے۔"(۲)

یہود اور شرک

تاریخی شواہد سے ما حاصل ہوا ہے قوموں میں شرک اور بت پرستی کی ابتدا قبر پرستی کے مظاہر سے در آتی ہے۔ قوم نوح میں بت پرستی اور قبر پرستی کی بیماری کا آغاز اسی سے ہوا۔ قرآن مجید کا اسلوب دلیل ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَٱتَّبَعُوا۟ مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُۥ وَوَلَدُهُۥٓ إِلَّا خَسَارًا وَمَكَرُوا۟ مَكْرًا كُبَّارًا وَقَالُوا۟ لَا تَذَرُنَّ ءَالِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴾ (۳)

ترجمہ: حضرت نوح عَلَيْهِ ٱلسَّلَامُ یوں دعا کرنے لگے۔ پروردگا! (یہ کافر لوگ) میری بات نہیں مانتے۔ یہ ان (بتوں) کی پیروی کرنے پر اصرار کرتے ہیں جو ان کے مال و دولت اور اولاد میں افزائش کرنے سے عاجز ہیں۔ البتہ ان کی نحوست سے ان (کفار) کا نقصان ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے (میرے ساتھ) بڑے بڑے دعوے کئے

---

(۱) مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، پروفیسر غلام رسول چیمہ، چوہدری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز، ۲۰۱۲ء، ص:۳۵۷

(۲) تفسیر معالم العرفان، صوفی عبد الحمید سواتی، ناشر مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ، طبع ۲۰۰۸ء، ۲/۲۸۵

(۳) نوح ۷۱:۲۱-۲۳

ہیں۔ یہ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں تم اپنے معبودوں (کی پوجا) سے ہرگز باز نہ آنا خاص کر سواع، یعوق، یغوث اور نسر کی عبادت پر ڈٹے رہنا۔

اسی آیت کے تسلسل میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے:

«أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ؛ فَلَمَّا هَلَكُوا أَوْحَى الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْمِهِمْ، أَنِ انْصِبُوا إِلَى مَجَالِسِهِمُ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُونَ أَنْصَابًا وَ سَمُّوهَا بِأَسْمَائِهِمْ، فَفَعَلُوا؛ فَلَمْ تُعْبَدْ، حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولَئِكَ وَ تَنَسَّخَ العِلْمُ عُبِدَتْ».(١)

ترجمہ: یہ تمام نام حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں سے صالح اور نیک لوگوں کے تھے۔ جب یہ فوت ہو گئے تو ان کے پیروکاران کی قبروں پر مجاور بن کر بیٹھ گئے۔ پھر ان کی تصویریں اور مجسمے بنائے، پھر کچھ زمانہ گزرنے کے بعد ان کی عبادت شروع کر دی گئی۔

بنی اسرائیل میں بھی اسی راستے سے توہم پرستی اور قبر پرستی نے جنم لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری مرض کے موقع پر فرمایا:

«لَعَنَ اللَّهُ اليَهُودَ وَ النَّصَارَى؛ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسْجِدًا».(٢)

ترجمہ: یہود اور نصاری پر اللہ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

تاریخی، یہود کی مذہبی کتابیں اور اسلامی ذخیرہ حدیث بھی اس امر پر ثبوت فراہم کرتا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام سے پہلے یہودیوں میں شرک پرستی موجود تھی۔ شیخ احمد دیدات نے اس پر مفصل کلام کیا ہے خلاصہ اس کا یہ ہے۔ یہود میں مروج توہم پرستی اور شرک پرستی تین طبقات میں منقسم تھی۔

خاندانی دیوتا:

ہر خاندان کا اپنا الگ دیوتا تھا اور ان کی جسامت اتنی رکھی جاتی کہ نقل مکانی کی صورت میں بآسانی دوسے مقام پر منتقل ہو سکے۔ یہود میں دیوتاوں کی پرستش کی ابتدا قبر پرستی سے پیدا ہوئی۔

خاندانی دیوتا یہود کے اپنے آباواجداد کی قبر پرستی سے مورتیوں میں بدلنے سے وجود میں آئے۔ ایسا سمجھا جاتا تھا کہ خاندان کی خوشحالی کا دارومدار ان ہی دیوتاؤں کی خوشنودی پر تھا، ان سے مشورے لیے جاتے اور ان کے لیے قربانی بھی دی جاتی لیکن ان دیوتاؤں کا قومی معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا، ان بتوں کو "ترافم" سے موسوم کیا جاتا تھا۔

---

(١) صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب{ودا ولا سواعا، ولا یغوث ویعوق}،حدیث نمبر:٤٩٢٠، ١٦٠/٦

(٢) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور،حدیث نمبر:١٣٣٠، ٨٨/٢

حجر پرستی:

سامی اقوام میں حجر پرستی کا عمل زمانہ قدیم سے ہی چلا آرہا تھا، پتھر نہایت مقدس خیال کیے جاتے اور ان پتھروں سے بت اور معبود تراشے جاتے۔

قوم یہود میں قربانی کے لیے پتھروں کی اہمیت بہت زیادہ تھی، قربان گاہ کے لیے خاص پتھر نشانی کا کام دیتے اور قربانی کی جگہ پتھر ضرور کھڑا کیا جاتا جیسے وہ "بیت ایل" کہتے تھے۔

قومی دیوتا:

جب قدیم قومِ یہود نے کنعان پر غلبہ پایا تو وہاں موجود دو دیوتا "بعل" اور "مولک" ان کے دیوتا میں شامل ہوئے، پہلا زرخیزی اور دوسرا آگ سے منسوب کیا جاتا۔[۱]

بعل دیوتا کو زرخیری کا دیوتا کہتے اور اپنے بچوں کو اس پر قربان بھی کرتے تھے حالانکہ قوم یہود کو جسمانی قربانیوں سے ان کی کتابوں میں روکا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہی بعل رفتہ رفتہ "یہواہ" کہلایا جانے لگا جو غالباً "یاہو" کی تخفیف شدہ ہئیت ہے اس کا ترجمہ ہے: "اے وہ جو ہے" یا "خداوند میں ہوں۔ یہی "یہواہ" یہودیوں کے دوسرے دیوی دیوتاؤں میں بلند رتبے والا خدا مانا جانے لگا تھا جیسے کہ یونانیوں میں زیوس، رومیوں میں جوپیٹر۔

لہذا مرورِ زمانہ سے اسی بعل سے بیماری کی شفا بھی طلب کی جانے لگی اور بائبل روایات میں ہے کہ شروع میں بعل پتھر کی شکل میں تھا، بعد میں چٹان بن گیا اور کبھی اسے یہواہ سے موسوم کیا گیا۔ اور اسے ایک بڑے صندوق میں رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ بائبل میں مذکور ہے۔

> "اور اخزیاہ اُس کی جھلملی دار کھڑکی میں سے جو سامریہ میں اُس کے بالاخانہ میں تھی گرا اور بیمار ہو گیا۔ سو اُس نے قاصدوں کو روانہ کیا اور کہا کہ جا کر عقرون کے دیوتا بعل زبُوب سے پُوچھو کہ مُجھے اس بیماری سے خلاصی مل جائے گی یا نہیں؟"[۲]

> "اب تک خداوند پر اعتماد رکھو کیونکہ خداوند یہواہ ابدی چٹان ہے۔"[۳]

---

(۱) دیکھیے: یہودیت عیسائیت اور اسلام، ص:۵۳

(۲) سلاطین ۲، باب ۱:۲

(۳) آیسعیاہ باب ۲۶:۴

"اور میں بھی اس شخص کا مخالف ہونگا اور اسے اسکے لوگوں میں سے کاٹ ڈالونگا۔ اسلئے کہ اس نے اپنی اولاد کو مولک کی نذر کر کے میرے مقدس اور میرے پاک نام کو ناپاک ٹھہرایا۔"[۱]

"اور ایلیاہ سب لوگوں کے نزدیک آکر کہنے لگا تُم کب تک دو خیالوں میں ڈانواڈول رہو گے ؟ اگر خُداوند ہی خُدا ہے تو اُسکے پیرو ہو جاو اور اگر بعل ہے تو اُسکی پیروی کرو۔ پر اُن لوگوں نے اُسے ایک حرف جواب نہ دیا۔"[۲]

نظم قرآن سے بھی یہ مضمون ثابت ہوتا ہے حضرت الیاس علیہ السلام (ایلیاہ) کے عہد میں بعل کو پوجا جاتا تھا۔ اور تاریخی روایات سے یہی ثبوت ملتاہے کہ بعل جس کی شکل بیل کی طرح تھی۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے اسی کے خلاف قوم کی اصلاح کی تھی۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ اللَّهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ سَلَامٌ عَلَىٰ إِلْ يَاسِينَ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ﴾[۳]

ترجمہ: اور بیشک الیاس رسولوں میں سے تھا جب اپنی قوم سے کہا، کیا تمہیں خوف نہیں؟ کیا تم بعل کو پوجتے ہو؟ اور سب سے احسن بنانے والے اللہ کو چھوڑ دیتے ہو جو تمہارا پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادوں پروردگار۔ پس قوم نے اس کو جھٹلایا، بیشک وہ سامنے کیے جائیں گے مگر جو اللہ کے خالص بندے ہیں اور ہم نے اس پر سابقہ لوگوں میں چھوڑا کہ الیاس پر سلامتی ہو بلاشبہ ہم اسی طرح نیکوکار کو جزا دیتے ہیں بے شک وہ ہمار ایماندار بندے میں سے تھا۔

مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ[۴] بعل کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

---

(۱) احبار باب ۲۰:۳

(۲) سلاطین ۱، باب ۱۸:۲۱

(۳) الصافات ۳۷:۱۲۳-۱۳۲

(۴) سیوہاروی، مولانا حفظ الرحمن (۱۹۰۱ء-۱۹۶۲ء) مدرسہ دیوبند سے دورہ حدیث سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ندوۃ المصنفین کی بنیاد رکھی اور کئی علمی و تحقیقی کتابوں کے مصنف تھے۔ قصص القرآن، اسلام کا اقتصادی نظام، اور اخلاق اور فلسفہ اخلاق اسی ادارے کی شائع کردہ ہیں۔ آپ بہت سارے دینی مدارس اسکولوں اور کالجوں کے سرپرست تھے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی ایگزیکٹیوں کونسل اور کورٹ کے ممبر دارالعلوم دیوبند کی شوری کے رکن اور بھارتی پارلیمنٹ کے ممبر تھے۔ (اکابر علماء دیوبند، ص: ۳۱۷)

"سامی اور عبرانی زبانوں میں بعل کے معنی مالک، سردار، حاکم اور رب کے آتے ہیں اسی لئے اہل عرب شوہر کو بھی بعل کہتے ہیں۔ لیکن یہ اس بت کا نام تھا جسے خاص طور پر حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم نے اپنا معبود بنایا ہوا تھا۔ بعل مشرق میں آباد سامی اقوام کا مشہور اور سب سے زیادہ مقبول دیوتا تھا۔۔ شام کا مشہور شہر بعلبک بھی اسی کے نام سے موسوم ہوا۔ بعل کی پرستش کی تاریخ بہت قدیم ہے، بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے اس بت کو مختلف شکلوں میں پوجتے چلے آتے تھے۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہل حجاز کا مشہور بت ہبل بھی یہی بعل ہے۔"(۱)

بعل کی طرح ایک اور قدیم دیوتا "الشدوائی" جس کے معنیٰ "خدائے قوی" کے ہیں، جو بعد میں یہوداہ کے نام سے پہچانا گیا، یہوداہ کو قومی دیوتا کا مقام حاصل رہا، بعض مؤرخین یہوداہ کو ہی خدا کا دوسرا نام قرار دیتے ہیں، دونوں صورتوں میں اس کو توحید ناقص ہی کہے گے۔ (۲)

یہودیوں میں دوسرے معبودوں کے مقابلے میں "یہواہ" کو آہستہ آہستہ بلند رتبہ حاصل ہوا۔ جنگ ہو یا اولاد کی خواہش، حتیٰ کہ یہواہ پرستی بنی اسرائیل کے ہر مرض کی دوا سمجھی جانے لگی۔ اپنی ذلت و نکبت کے زمانے میں وہ یہ باور کرتے تھے کہ اگر وہ صرف یہواہ پر بھروسہ رکھیں تو یہواہ آشوریہ کی طاقت توڑ دے گا۔

ترقی عمر اور اولاد کی خاطر اسی دیوتا کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، کتابِ مقدس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق مذکور ہے:

"جب ایک طویل عرصے تک ان کی اولاد پیدا نہ ہوئی تو اس کی شکایت یہوداہ سے کی"(۳)

اسی طرح بتدریج یہواہ کی پرستش میں وسعت پیدا ہو گئی تاوقتیکہ موسیٰ عَلَيْهِ ٱلسَّلَامُ تشریف لائے اور آپ پر تورات کا نزول ہوا تو آپ نے توحید کی دعوت دی جیسا کہ بائبل میں مذکور ہے:

"سُن اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔"(۴)

اکثر ایسا بھی ہوتا کہ بچے یہوداہ کے نام پر چھوڑ دیے جاتے تھے اسی یہودا کی پرستش کے لیے ہیکل سلیمانی کا معبد مشہور ہوا یہاں یہودا کی پرستش کی جاتی تھی۔

---

(۱) قصص القرآن، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، دارالاشاعت کراچی، ۲/ ۳۰

(۲) دیکھیے: یہودیت عیسائیت اور اسلام، ص:۵۶، - مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص:۳۶۱

(۳) ایضاً، ص:۵۷

(۴) استثنا باب ۶:۴

"یہوداہ کے متعلق یہ بھی عقیدہ تھا کو وہ صرف آبادیوں میں رہتا ہے جنگل اور بیابان اس کے وجود سے خالی تھے، سال میں ایک تہوار کے موقع پر کاہن اعلیٰ ایک جانور کے سر پر بیٹھتا، اعتقاد یہ وابستہ تھا ایسا کرنے سے تمام گناہ جانور کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، پھر اس جانور کو جنگل کی طرف ہانک دیا جاتا تھا۔"[۱]

ابتدا میں یہوداہ محض ایک قبائلی دیوتا تھا جو اسرائیل کے بچوں کی حمایت کرتا تھا، اور بت پرست اور مظاہر پرستی کے ماننے والوں کا اسرائیلوں پر یہ اثر پڑا کہ ان دیوتاوں کی پوجا بھی کی جانے لگی۔ زمانہ اسیری میں جب پہلا حکم الٰہی جاری ہوا۔ میرے علاوہ کوئی دوسرا خدا نہیں۔ تو یہ یہودیوں کے لیے ایک جدت ثابت ہوئی۔ یہودی خاص طور پر یونانیوں اور رومیوں کی ثقافتی و تہذیبی روایات سے بہت متاثر نظر آتے ہیں۔

برٹرینڈ رسل لکھتا ہے:

"بہت سی فرضی اور من گھڑت روایات اہل یہود نے اپنی مذہبی کتابوں میں شامل کیں۔ مثلاً یونانی میتھولوجی کی روایات یہودیوں کی کتاب اناخ (Book of Enoch) میں ملتی ہیں اس میں کتاب پیدائش جو عجیب وغریب پر امیتھس پر مبنی ہے۔"[۲]

انسانی طبیعت میں جدت اور ارتقائی جذبے کی وجہ سے فرضی روایات کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے تو کئی مظاہر پرستی کے تحت جنم لینے والے توہمات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

یہود کی توہم پرستی میں سے ایک تابوت کے ساتھ وابستگی ہے اہل یہود حضرت داوَد علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اسے بیت المقدس لائے تھے، اس کو جنگ میں بحیثیت قائد رکھا جاتا تھا، ہر غیر معمولی اور خلافِ توقع شئی یہوداہ میں محسوس کی جاتی تھی۔ تابوت کی حقیقت کے ضمن میں قرآنِ مجید صرف یہ بتاتا ہے کہ تابوت میں آلِ موسیٰ کی باقیات تھی اور بنی اسرائیل کے لیے باعث سکون تھا، عین ممکن ہے کہ اس سے آگے کی توہم پرستی اہل یہود نے اپنے مزاج کے مطابق خود بڑھالی ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

(۱) یہودیت عیسائیت اور اسلام، ص:۶۰

(۲) فلسفہ مغرب کی تاریخ، برٹرینڈ رسل، (مترجم: پروفیسر محمد بشیر)، پورب اکادمی ۲۰۱۰ء اسلام آباد، ص:۳۸۳

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ ءَايَةَ مُلْكِهِۦٓ أَن يَأْتِيَكُمُ ٱلتَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ ءَالُ مُوسَىٰ وَءَالُ هَٰرُونَ تَحْمِلُهُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ ۚ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾[1]

ترجمہ: اور بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے کہا کہ طالوت کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق واپس آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے اطمینان ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو موسیٰ اور ہارون کی اولاد چھوڑ گئی تھی اس صندوق کو فرشتے اٹھالائیں گے بیشک اس میں تمہارے لیے پوری نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

صندوق موسوی کے بارے میں مذکور ہے:

"اُس صندوق میں کچھ نہ تھا سِوا پتھر کی اُن دولوحوں کے جنکو وہاں موسیٰ نے حورب میں رکھ دیا تھا جس وقت کہ خُداوند نے بنی اسرائیل سے جب وہ مُلکِ مصر سے نکل آئے عہد باندھا تھا۔"[2]

تابوت کے بارے میں تصور موجود رہا ہے کہ یہود کی عظمت کا استعارہ تابوت تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ان کے پاس تھا لیکن بعد میں ان سے کھو گیا، وہ تابوت ایک دن ان کو دوبارہ ضرور حاصل ہو گا۔

"اُس میں سونے کا عُود سوز اور چاروں طرف سونے سے منڈھا ہُوا عہد کا صندوق تھا۔ اِس میں من سے بھرا ہوا ایک سونے کا مرتبان اور پھُولا پھَلا ہوا ہارون کا عصا اور عہد کی تختیاں تھیں۔"[3]

معلوم ہوا کہ یہودیت اپنی اصل کے اعتبار سے ایک توحیدی مذہب ہے، مگر قوم یہود اخلاقی انحطاط، ذہنی پستی اور مذہبی عقائد کے بگاڑ کا شکار رہے اور انبیا بنی اسرائیل نے انہیں دعوتِ توحید دی اور شرک بت پرستی اور تمام مظاہر سے اجتناب کرنے کی تلقین کی۔ لیکن قوم یہود کے تاریخی شواہد ظاہر کرتے ہیں کہ یہود ہمیشہ ایک محسوس معبود کی تلاش میں رہے ہیں جس کے نتیجے میں وہ کئی ہمسایہ اقوام کے دیوتاؤں کی پرستش کے مرتکب ہوئے، شرک بھی کیا اور بت پرستی بھی، اللہ تعالیٰ نے قومِ یہود کو اسی وجہ سے مختلف امتحانات میں بھی ڈالا۔

---

(۱) البقرۃ ۲:۲۴۸

(۲) سلاطین ا، باب ۸:۹

(۳) العبرانیین باب ۹:۴

یہود میں توہم پرستی کے مظاہر

اعداد پرستی:

یہودی تیرہ [۱۳] کے عدد سے بدشگونی محسوس کرتے ہیں، تیرہ کا عدد ان کے نزدیک نحوست کی شناخت ہے۔ خصوصاً جب وہ دن جمعہ کا بھی ہو، لیکن اس بدشگونی کی وجہ وہ نہیں ہے جو مسیحوں کے ہاں پائی جاتی ہے، یہود کا خیال ہے کہ جب ہابیل قابیل کے ہاتھوں مقتول ہوا وہ دن مہینہ کا تیرہواں دن تھا، جبکہ بعض کہتے ہیں کہ اس تاریخ کو حضرت حوانے آدم علیہ السلام کو پھل کھانے کے لیے دیا تھا۔

ترجمہ: اسی عدد کے بارے میں دوسرا خیال ہے کہ یہود اس ۱۳ کے عدد سے نیک شگون لیتے، کیونکہ یہود کے اعتقاد میں ہے: یہود کے بارہ قبائل تھے اور دجال تیرھویں قبیلے سے برآمد ہوگا، یوں ۱۳ کا عدد طاقت، نصرت اور فتح کا استعارہ ہے۔[۱]

دوسرا قول زیادہ درست اور روایات کے مطابق ہے کیونکہ اس کا تذکرہ بائبل میں تقدس کے حوالے سے ملتا ہے۔

"اور سُلیمان تیرہ سال اپنے محل کی تعمیر کرتا رہا اور اپنے محل کو ختم کیا۔"[۲]

"یہود میں عدد سات کو تقدس کا درجہ حاصل ہے۔ ہفتہ کے ساتویں روز کی طرح یہودیوں کے ہاں ساتویں مہینہ کو بھی باعث مقدس مسلم ہے۔ سال کے ساتواں مہینہ کا آغاز ہوتا تو یہودی عبادات وغیرہ میں قربانی کو دوگنا کر دیتے ہیں اور ساتویں مہینے کے آغاز کی خوشی میں دن بھر بگل بجتا رہتا ہے۔"[۳]

خودساختہ حرمت:

یہود سمندر کا شکار نہیں کھاتے تھے سوائے ایک خاص مچھلی کے، یہود کے ہاں گوشت اور دودھ یا گوشت اور انڈا ساتھ نہیں کھایا جاتا۔

"يحرم الجمع بين الحم والحليب أو بين اللحم والبيض".[۴]

ترجمہ: کھانے میں گوشت اور دودھ کا جمع کرنا حرام ہے یا گوشت اور انڈے کا۔

---

(۱) الشخصيات الأسطورية فى العهد القديم، جميل خرطبيل، مكتبة اثعب، ص:۷

(۲) سلاطین ا، باب ۷:۱

(۳) مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص:۴۲۴

(۴) الشخصيات الأسطورية فى العهد القديم، ص:۷

بنی اسرائیل کے علماء نے اپنے غلو فی الدین کی وجہ سے بعض کھانے کی اشیا کو حرام کر دیا جو پہلے سے تورات میں حلال تھیں۔ قرآن مجید یہودیوں کے حلت و حرمت کے معاملے کا تذکرہ کرتا ہے:

﴿كُلُّ ٱلطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَٰٓءِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ ٱلتَّوْرَىٰةُ ۗ قُلْ فَأْتُوا۟ بِٱلتَّوْرَىٰةِ فَٱتْلُوهَآ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ﴾[۱]

ترجمہ: سب کھانے کی چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں مگر وہ جو اسرائیل نے اپنے اوپر حرام ٹھہرالی تھیں توراۃ کے نازل ہونے سے پہلے، کہہ دیجیے! لاؤ تورات پھر اسے پڑھ کے سناؤ اگر تم سچے ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ملت ابراہیمی میں اونٹ کا گوشت اصلاً حلال تھا مگر یہود اس بابت اعتقاد تھا کہ تحریم کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے ہے۔ قرآن اس قضیہ کی توضیح کرتا ہے کہ تورات میں یہ کہیں مذکور نہیں بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی طبعی کراہت کی بنا پر یا کسی مرض کی بنا پر خاص اپنے لیے منع کیا تھا لیکن یہود نے اپنی شریعت میں اس طرح مداخلت کی کہ حلت و حرمت کے بنیادی تصور کو بگاڑ کر رکھ دیا۔

توہم پرستی پر مبنی تہوار

تاریخی شواھد سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود میں تہوراوں کا منانا یونانی تہذیب کے زیر اثر معاشرت گزارنے کے سبب پیدا ہوا۔ اسی لئے مختلف اقسام کی عیدیں اور تہوار عہد قدیم کا حصہ نہیں ہیں لیکن تالمود ان کو بیان کرتی ہے۔ اور آج بھی یہ تہوار یہودیوں میں مختلف شکلوں میں رائج ہیں۔

"۱۷۵ق م میں بقائے روح کا عقیدہ یونانی فلسفہ کے زیر اثر وسعت سے عام ہوا۔ یہ تسلیم کیا جانے لگا کہ نیکی کی جزا دنیا میں مل جاتی ہے۔ جس سے یہودیوں میں عقیدہ آخرت کی کمزوری پیدا ہونے لگی، یہی وہ دور تھا جب یونانی اور رومی تہذیب کی رسومات سرایت کرنے لگی۔"[۲]

ان میں سے کچھ مشہور تہوار اور ان کی صورتیں درج ذیل ہیں:

---

(۱) آل عمران ۳:۹۳

(۲) فلسفہ مغرب کی تاریخ، ص: ۳۸۰

عید فصح:

"عید فطیریا" فصح" نیسان (اپریل) کی چودھویں تاریخ کی شام کو شروع ہوتی ہے جو ہمیشہ کیلئے ہمارے آباؤاجداد کی یادگاری میں مصر سے رہائی کی یاد میں مقرر کی گئی اس عید کے دوران ہمیں ہر خمیری چیز کھانے کی ممانعمت ہے۔"[۱]

مذکورہ عید میں مخصوص کھانا یا خمیری چیز کھانے کی ممانعت یہود کی توہم پرستی پر مبنی ہے۔

پینتیکوست-یا-ہفتوں کی عید:

"جون کی چھٹی تاریخ کو منائی جاتی ہے۔اس عید کے موقع پر ہرے رنگ جُو کے پُولے پیش کیے جاتے تھے اور گندم کی ابتدائی فصل کے پہلے آٹے سے بنائی گئی دوروٹیاں پیش کی جاتی تھیں۔"[۲]

اسے پہلے پھلوں کی عید کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔جَو سال کی پہلی فصل ہوتی اس عید سے تصور یہ تھا کہ یہ سب خدا کے سامنے لائے جارہے ہیں اور یہ عید موسیٰ کوہ سینا پر دیئے گئے احکامات کی یادگاری کے طور پر بھی منائی جاتی، بعد میں یہود اس دن کو پاک روح کے نزول کی علامت اور کلیسا کے جنم کے طور پر منانے لگے۔

نیا سال یا یادگار دن:

"ساتویں مہینے یعنی تشری (اکتوبر) کی پہلی تاریخ دنیا کی تخلیق کی یادگار منانے کا دن ہے۔تب لوگوں میں اعلان کرنے کے لئے ایک چھوٹا نرسنگا پھونکا جاتا تھا کہ نئے سال کا آغاز ہو چکا ہے۔"[۳]

ہفتے اور سال کی ان رسومات کو مخصوص کرنا اور پھر نرسنگے کے پھونکنے کے ساتھ کئی قسم کے توہمات وابستہ ہیں۔

سکوت یا عید خیام:

"عید خیام ساتویں مہینے تشری (اکتوبر) کی پندرہویں تاریخ کو شروع ہوتی ہے اور اس عید کے دوران اسرائیلیوں کو سات دن خیموں میں رہنے کا حکم مشروع ہوا۔یہ عید اس لئے مقرر کی گئی تا کہ خیموں کے متعلق ان کی یادداشت تازہ رہے۔ اس عید کی علامت کھجور کے درخت کی شاخیں ہیں جنہیں آس، بید مجنوں اور چکوترے کی ڈالیوں کے ساتھ باندھا جاتا تھا۔ یہ تہوار رات بھر مختلف رسومات کے ساتھ جاری رہتا ہے۔یہ عید "پانی نکالنے کی عید" بھی کہلاتی ہے کیونکہ ہیکل کی

---

(۱) تالمود، مترجم: سٹیفن بشیر، ناشر مکتبہ عناویم پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص:۲۱۲

(۲) ایضاً، ص:۲۱۳

(۳) ایضاً، ص:۲۱۴

موجودگی کے دوران سوختنی قربانی کے لئے سال کے دوران مے پیش کی جاتی تھی۔ لیکن عید خیام پر وہ دوہدیے یعنی مے اور پانی پیش کرتے ہیں۔"(۱)

عید تجدید (حنوکا):

"یہ عید نویں مہینے یعنی کسلیو (دسمبر) کے دوران آٹھ دن منعقد ہوتی ہے اور عید کے بعد ہیکل کی تجدید یادگار منائی جاتی تھی جسے انطاکس نے بے حرمت کیا تھا اور اس کی فوجوں کو بہادر ہاشمونی مکابین نے شکست دی تھی۔"(۲)

"**پیوریم-یا-فوریم**" نام کا تہوار مناتے ہیں اور اس دن کو نیک شگون خیال کرتے ہیں، یہ تہوار فروری کے آخر میں یا یکم مارچ کو پڑتا ہے۔

تالمود میں مذکور ہے

> "اگرچہ عید فوریم پر استر (نوشتہ جات) کی کتاب پڑھنا تورات کا اصول نہیں ہے اور یہ ہم پر یا ہماری نسلوں پر بندھن نہیں ہے اس لئے یہ دن دعوت کرنے، خوشی کرنے کے لئے، اور غریبوں کو تحائف دینے کے لئے مقرر ہے تاکہ وہ بھی خوشی کر سکیں جیسا کہ ہامان کے فرمان میں امیر و غریب کے درمیان فرق نہ تھا اور سب نے ایک ہی طرح ہلاک ہونا تھا اور یہ مناسب ہے کہ سب آپس میں ایک دوسرے کے لیے خوشی کا باعث بنیں اس لئے تمام نسلوں کو اس دن پر فراخ دلی سے غریبوں کو یاد رکھنا چاہیے۔"(۳)

یہ دن عہد نامہ قدیم کی کتاب (Book of Esther) میں مذکور ہے جو خاص واقعہ کے ساتھ منسوب ہے۔ بموجب کتاب ہذا کے ایرانی شہنشاہ خشیارش اول کے وزیر ہامان نے تمام یہودیوں کو نیست و نابود کرنے کا حکم بادشاہ سے حاصل کر لیا تھا لیکن ایرانی بادشاہ کی نئی ملکہ جس نام "آستر" تھا جو یہودی النسل تھی، اس کی اور اس کے رشتہ کے بھائی (Mordecai) "مردکی" کی کوششوں سے ہامان کا زوال ہوا اور یہودیوں کو اپنے دشمنوں سے نمٹنے کی اجازت مل گئی، جس کے نتیجہ میں انہوں نے اپنے تمام دشمنوں کو چن چن کر ختم کر ڈالا، اور مردکی ہامان کے بعد وزیر کے عہدے پر فائز ہوا۔ یہودیوں کی اپنے

---

(۱) تالمود، ص:۲۲۷

(۲) ایضاً، ص:۲۲۸

(۳) ایضاً، ص:۲۲۳۰،۲۲۹

دشمنوں سے نجات کی خوشی میں ملکہ آستر اور مردکی نے پیوریم کے تہواروں کی بنیاد ڈالی جو کہ ایرانی تہذیب سے متاثر تہوار تھا لیکن یہودیوں میں اب تک یہ تہوار بہت دھوم دھام اور پُر مسرت ماحول میں منایا جاتا ہے۔ [۱]

"ان کے ایک عجیب و غریب رسم یہ بھی ہے کہ جب ایک شادی شدہ شخص فوت ہو جائے اور اس کا غیر شادی شدہ بھائی موجود ہو تو مرنے والے کی بیوہ کا جبراً اس کے بھائی کے ساتھ عقد باندھ دیا جاتا ہے اور ان سے جو بچہ جنم لیتا ہے اس کا نسب مر جانے والے شخص سے جوڑا جاتا ہے نہ کہ حقیقی والد سے۔" [۲]

یہودیت خالص توحیدی دین تھا جس کا شرکیہ توہم پرستی سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ لیکن یہودی مذہب ارتقاء کے کئی مراحل سے گزرا۔ خاص طور پر اسیری کے عرصہ سے کچھ پہلے اور بعد میں قبائلی اثرات قبول کیے بغیر نہ رہ سکا۔ تاہم یہود کی دوسری اقوام کے ساتھ بود و باش اور تہذہب نے بنی اسرائیل کی ذہنیت پر اس قدر اثر ڈالا کہ ان کی اصل مذہبی حالت اس درجہ مسخ ہو گئی کہ انبیا ورسل کے مسلسل سلسلہ بعثت کے باوجود بُت پرستی، عناصر پرستی، کواکب پرستی اور مظاہر پرستی کے پرستار بن کر رہ گئے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کی کوئی برائی ایسی نہیں تھی جس کے کرنے پر یہ حریص نہ ہوں اور کوئی خوبی ایسی نہ تھی جس کے یہ دلدادہ ہوں، یہودیت میں بے شمار توہم پرستی، شرکیہ اعتقادات اور رسومات یہودی مذہب کا حصہ بن گئے ہیں۔ باقی اقوام سے مختلف دین میں تاویل و تحریف کے باعث انہوں نے توہم پرستی کو جزو دین بنالیا۔ شرک اور توہم پرستی کو قانونی حیثیت دینے کے لیے یہودیوں نے آسمانی کتابوں میں لفظی اور معنوی تبدیلیاں کیں۔ اور قرآن مجید یہود کی انہی کوتاہیوں پر تنبیہ کے ساتھ اصلاح کرتا ہے۔ اور انہیں آفاقی اور عالمگیر دین کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اے اہل کتاب، ان اصولوں پر متفق ہو جاتے ہیں جو ہم دونوں فریقین کے مابین یکساں ہے، ہم خدائے تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معبود تصور نہ کریں اور اس کے سوا کسی کے قانون کی محکومی اختیار نہ کی جائے، نہ کائنات کی کسی شے کو اس کا سانجھا سمجھا جائے اور نہ ہی انسانوں میں سے کسی کو خدائی اختیارات کا حامل قرار دیا جائے۔ کیونکہ یہ تمام مظاہر فطرت ہیں اور ان کی تخلیق کا مقصد تمام انسانیت کے لئے نفع مندی ہے۔

---

(۱) دیکھیے: دنیا کے بڑے مذہب، ص:۳۵۹

(۲) الأساطير وعلم الاجناس، قيس النورى، دارعلياء للطباعة والنشر، طبعة ۲۰۰۶ء، ص:۱۵۱

مبحث ثانی: عیسائیت میں توہم پرستی

عیسائیت کی تعریف

مذہبِ عیسائیت کو متعارف کروانے کے لیے بے شمار تعریفیں کی گئی ہیں۔ مثلاً

Christianity: major religion, stemming from the life, teachings, and death of Jesus of Nazareth (the Christ, or the Anointed One of God). (۱)

ترجمہ: اہم مذہب ہے جس کی بنیاد یسوع ناصرہ کے باشندے کی زندگی، تعلیمات اور وفات کی طرف منسلک ہے، اور اسے مسیح یعنی خدا کا چُنیدہ مانا جاتا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس میں عیسائیت کی تعریف کو وضاحت سے بیان کیا ہے:

"عیسائیت اخلاقی اقدار، تاریخی راویات، عالمگیر (کائناتی) موحدانہ اور عقیدہ کفارہ پر تیقین والا مذہب ہے۔ عیسائیت میں خداوند اور نوع بشر کے واسطہ کو خداوند یسوع مسیح کی ذات و سیرت کے ذریعے سے مستحکم کیا ہے۔"(۲)

محمد بن عبد الکریم الشہرستانی(۳) عیسائیت کا تعارف یوں کرواتے ہیں:

"النصارى أمة المسيح ـعيسى ابن مريمـ رسول الله، و كلمته عَلَيْهِ ٱلسَّلَامُ. و هو المبعوث حقا بعد موسى عَلَيْهِ ٱلسَّلَامُ، المبشر به في التوراة". (۴)

ترجمہ: نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت ہے، جو مریم کے بیٹے، خدا کے رسول اور کلمہ تھے اور آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حق کے ساتھ مبعوث ہوئے، جن کی خوشخبری تورات میں دی گئی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عربی میں عیسیٰ اور مسیح دونوں کہتے ہیں یوں مذہب ہذا کو عیسائیت یا مسیحیت سے منسوب کیا جاتا ہے۔ عبرانی، سریانی اور انگریزی میں یسوع، جسوع اور جزز (Jesus) سے معروف ہے۔

---

(۱) Christianity: Britannica Encyclopedia of World Religions,۲۰۰۶, pg# ۲۰۳

(۲) Christianity: Encyclopedia of Religion and Ethics, ۱۹۱۰, vol: ۳, Pg# ۵۸۱

(۳) شہرستانی، محمد بن عبد الکریم خراسان کے شہر شہرستان میں ۴۷۹ھ بمطابق ۱۰۸۶ء میں متولد ہوئے۔ وجہ شہرت محدث، فقیہ، فلسفی، مؤرخ سے پائی۔ مشہور کتاب میں کتاب الملل والنحل شامل ہیں۔(لسان الميزان، أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت، لبنان، الطبعة الثانية، ١٣٩٠ھ، ٢٦٤/٥)

(۴) الملل والنحل، محمد بن عبد الكريم، الشهرستانی، (المتوفي:٥٤٨ھ)، مؤسسة الحلبي، ١٩٩٢ء، ٢٥/٢

بائبل کے مطابق مسیحیت کا ماخذ مسیح ہی ہے۔ لفظِ مسیح عبرانی اور پھر یونانی زبان سے ترجمہ ہو کر عربی میں منتقل ہوا۔ یونانی زبان میں "مشیاح–Mashiyach" کا لفظ موجود ہے جس کا مطلب (anointed) یعنی سر پر مسح کیا ہوا ہے۔ قدیم زمانے میں کسی کو اہم عہدہ کی سپردگی کے وقت تیل یا خوشبودار پانی وغیرہ سے مسح کیا جاتا تھا۔ اور حضرت عیسیٰ کے لئے یہ لفظ مَسح کیا ہوا یا مُردوں کو چلانے والا کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ مسیح کا لفظ حضرت عیسیٰ کے لئے بائبل میں کئی مقامات پر استعمال کی گیا ہے۔ مثلاً

"اور اُس کو روحُ القُدس سے آگاہی ہوئی تھی کہ جب تک تو خُداوند کے مسیح کو دیکھ نہ لے موت کو نہ دیکھے گا۔ وہ روح کی ہدایت سے ہَیکل میں آیا اور جس وقت ماں باپ اس لڑکے یسوع کو اندر لائے تاکہ اس کے لئے شریعت کے دستُور پر عمل کریں۔"[۱]

لیکن عربی زبان میں جب اس کا استعمال شروع ہوا تو عربی زبان کی وسعت کی وجہ سے کئی دوسرے معانی بھی شامل ہو گئے مثلاً گناہ معاف کرنے والا، نجات دینے والا اور خوش شکل۔

"سُمِّيَ الْمَسِيح لأَنّه كَانَ يَمسَح بيدِه على العَليل والأَكْمهِ والأَبرصِ فيُبْرِئه بإِذن الله تَعَالَى، لحُسْن وَجْهِه، والمسيحُ هُوَ الحسَنُ الوجْهِ الجميلُ." [۲]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے نجات دہندہ کا لفظ بائبل میں بھی استعمال ہوا ہے۔

"ابنِ آدم کھوئے ہوؤں کو ڈُھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے۔"[۳]

دورِ جدید کے انگریزی تراجم میں یونانی سے انگریزی میں "مسیح" کا ترجمہ "Christos" اور پھر کرائسٹ (Christ) ہوا۔ جس کا معنی عربی کے مفہوم کے بہت قریب ہے یعنی "نجات دینے والا"۔

عیسائیت کی ان تعاریف سے معلوم ہوا کہ عیسائیت یا نصرانیت کے الفاظ اس مذہب کے ماننے والوں کے لیے بعد میں وضع کیے گئے۔ دراصل جو لوگ یہودی مذہب چھوڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار بنے پہلے انہیں یسوع ناصری کا نام دیا گیا، کیونکہ شہر ناصرہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے ہمراہ بچپن میں کچھ عرصہ ٹھہرے تھے، اور لفظ عیسائی کا اطلاق یونانی الاصل کی خاطر مستعمل ہوا جو یہودیوں کے مظالم کی گرفت چھوٹنے کے واسطے فلسطین سے انطاکیہ آکر آباد ہوئے، بعد میں عیسائی کا اطلاق تمام فرقوں پر کیا جانے لگا۔

---

(۱) لوقا باب ۲:۲۶-۲۷

(۲) تاج العروس من جواهر القاموس، ۱۳۱/۷

(۳) متی باب ۱۸:۱۱

عیسائیت میں توہم پرستی کا ارتقاء

وقت کے گزرنے کے ساتھ عیسائیت اپنے عقائد کے فلسفے کو بیان کرنے میں ایک لاینحل داستان بن کر رہ گئی ہے اگر انجیل کے اپنے اصولوں کو دیکھا جائے تو عیسائیت کے عقائد انتہائی پیچیدہ اور مبہم ہیں، موجودہ اناجیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کے ساتھ اس طرح ملتبس کر دیا کہ اب عیسائیت کے عقائد میں خدا کو یسوع کے تصور کے بغیر سمجھنا ناممکن ہے۔ کبھی عیسیٰ علیہ السلام کو خداوند کا بیٹا، کبھی روح القدس کا بیٹا، کبھی داود علیہ السلام کا بیٹا کہہ کر ایک ناقابل فہم حقیقت بنا دیا ہے۔

"وہ بزرگ ہوگا اور خُدا تعالیٰ کا بیٹا کہلائے گا اور خُداوند اس کے باپ داؤد کا تخت اُسے دے گا۔"(۱)

"تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے۔"(۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ دین میں یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ وہ الگ دینِ عیسائیت یا نصرانیت کے داعی تھے یا پھر سابقہ شرائع کے داعی تھے۔ لیکن قرآن مجید، بائبل اور کتبِ تاریخ سے سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے دورِ تبلیغ میں یہودیوں کی پیدا کردہ بدعات، غلط رسومات کا ازالہ کر کے اصل دینِ الٰہی یعنی اصل یہودیت یا دینِ ابراہیمی قائم کرنا چاہتے تھے۔ اور قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اسی منصب کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ ٱلَّذِى حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ۚ وَجِئْتُكُم بِـَٔايَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُونِ﴾(۳)

ترجمہ: اور سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو تورات ہے اور (اس لیے بھیجا گیا ہوں) تاکہ کچھ اشیا جو تم پر حرام کی گئی، اب تم پر حلال کر دوں۔ اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے برھان لایا ہوں، لہذا اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔

عیسائیت میں شرک اور توہم پرستی کا آغاز کی بنیادی وجہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خارق عادت تخلیق ہونا اور ان کی وجہ سے مختلف امراض سے لوگوں کو شفا مل جانا شامل ہے اور بعد میں انہی جیسے اسباب کے تحت حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا یا پھر خدا کا بیٹا بنالیا گیا۔ نام پکارنے کے حوالے سے دینِ اسلام نے واضح ہدایات اسی لیے بیان فرمائی ہیں کہ ادیانِ سابقہ میں جو اسماء کے غلط اطلاقات سے ہوئی اس کی روک تھام ہو جائے، اسی خاطر آپ ﷺ نے ایسے نام رکھنے سے روک دیا جس میں گناہ کا معنی ہو یا پھر انتہائی عظمت جیسے ملک الملوک، سید الکل وغیرہ کیونکہ یہی عظمت مرور زمانہ سے توہم پرستی کو جنم دیتی ہے جس کے نتیجے

---

(۱) لوقا باب ۱:۳۲

(۲) متی باب ۱۶:۱۶

(۳) آل عمران ۳:۵۰

میں ایسی بدعات کو رواج ملتا ہے جن کا پیغمبر کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بعینہ عیسائیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بائبل میں نام کے حوالے سے عقیدہ کی کمزوری پیدا ہوئی اور اسی تناظر میں مذہبی اور معاشرتی توہمات کو بھی فروغ ملتا چلا گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں اسلامی موقف بڑا واضح ہے کہ اسلام نہ تو رسولوں کو خدا یا خدا کی اولاد کے برابر کرتا ہے، اور نہ انہیں عام انسان کے مرتبے میں لا کر کھڑا کرتا ہے بلکہ اسلام اس کی تصدیق کرتا ہے کہ سب رسول جو اپنے اپنے دور میں کامل اخلاق اور اعلیٰ صفات کے عملی مظہر ہوتے ہوئے معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں۔

قرآن کریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کو واضح کرتے ہو ارشاد فرماتا ہے:

﴿مَّا ٱلْمَسِيحُ ٱبْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ ٱلرُّسُلُ وَأُمُّهُۥ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ ٱلطَّعَامَ ۗ ٱنظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ ٱلْـَٔايَـٰتِ ثُمَّ ٱنظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: نہیں ہے مسیح ابن مریم مگر رسول، ان سے قبل رسول آچکے ہیں اور ان کی والدہ صدیقہ ہے، وہ دونوں کھانا تناول کرتے، دیکھ لیجئے! ہم کیسے ان کے لئے دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھئے کہ وہ لوگ کس طرح اوندھے ہوئے جارہے ہیں۔

آیت مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقتِ بشریت کی نشاندھی فرمائی گئی ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خارق عادت ولادت سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوئیں ان کا تدارک کیا گیا ہے۔ کہ عیسیٰ ابن مریم کی حقیقت صرف یہ تھی کہ ان کا تخلیق ہونا خارق عادت تھا جبکہ حضرت مسیح علیہ السلام ماہیت کے اعتبار سے بشر تھے اور وہ دنیا میں باقی رسولوں کی طرح رسالت کی اہم فرائض کی ادائیگی کی خاطر آئے تھے۔ نیز ان کی والدہ ایک سچی خاتون تھیں، ان کا دعویٰ تھا کہ مسیح میرا بیٹا ہے اور خود حضرت مسیح نے ہمیشہ اپنی ماں کا مطیع و فرمانبردار ہونے کا اعلان کیا اور یہ قضیہ انجیل اور قرآن مجید میں مذکور ہے لہذا جو کسی کا بیٹا ہو وہ مخلوق (انسان) ہو گا اور انسان خدا نہیں ہو سکتا۔ مزید یہ کہ دلیل ہے دونوں ماں اور بیٹا کھانا کھاتے تھے۔ یعنی اپنی زندگی کو باقی رکھنے کے لئے کھانے کے محتاج تھے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے ان تمام اوصاف سے بے نیاز ہے۔ اُس دور کے لوگوں نے عقیدہ ہذا میں فلسفیانہ منہ شگافیاں کر کے گمراہی اور شرک میں ملوث ہو گئے۔ عیسائیوں نے سینٹ پال کی پیروی کرتے ہوئے سیدھی سادی حقیقت کو ایک گورکھ دھندا بنا کے رکھ دیا۔ اور حضرت عیسی عَلَيْهِ ٱلسَّلَامُ کو ابن اللہ قرار دے کر الٰہیات کے تصورات میں پیچیدگی پیدا کی گئی۔

عیسائیت میں حضرت مسیح کو خداوند کی اولاد قرار دیا جاتا ہے قرآن مجید نے کئی مواضع پر تردید کی۔ اللہ تعالیٰ اولاد سے منزہ ہے نیز خدائے تعالیٰ کے لئے اولاد نہ ہونے کی فطری دلیل پیش کرتے ہوئے ابن جریر الطبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

---

(۱) المائدۃ۵:۷۵

"تنزيهًا لله و تبرئة له أن يكون له ما أضاف إليه الكافرون القائلون؛ عيسى ابن الله. و قوله؛ (إِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ) يقول جل ثناؤه: إنما ابتدأ الله خلق عيسى ابتداء، و أنشأه إنشاء من غير فحل افتحل أمه، و لكنه قال له (كُنْ فَيَكُونُ) لأنه كذلك يبتدع الأشياء و يخترعها، إنما يقول، إذا قضى خلق شيء أو إنشاءه؛ كن فيكون موجودا حادثا، لا يعظم عليه خلقه، لأنه لا يخلقه بمعاناة و كلفة، و لا ينشئه بمعالجة و شدّة."[۱]

ترجمہ: کفار اللہ تعالیٰ کی جانب جو کچھ منسوب کرتے ہیں وہ ذات اقدس اس سب سے پاک ہے جیسا کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ اور ارشاد الٰہی ہے: جب وہ کسی چیز کے ہونے کا قصد کرتا تو صرف کہتا: ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ سے صرف ماں کے بطن سے تخلیق کرنا (کن فیکون) کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اشیا کو پہلی بار عدم سے تخلیق اور اس کو پروان چڑھاتا ہے جب وہ کسی چیز کے تخلیق یا ہونے کا قصد کرتا ہے تو صرف کُن" کہتا ہے اور وہ شیٔ وجود میں آجاتی ہے۔ اس کی پیدائش میں مشقت اور مشکل پیش نہیں آتی۔

﴿ذَٰلِكَ عِيسَى ٱبۡنُ مَرۡيَمَۖ قَوۡلَ ٱلۡحَقِّ ٱلَّذِي فِيهِ يَمۡتَرُونَ مَا كَانَ لِلَّهِ أَن يَتَّخِذَ مِن وَلَدٍۖ سُبۡحَٰنَهُۥٓۚ إِذَا قَضَىٰٓ أَمۡرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ﴾[۲]

ترجمہ: یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم، ہم نے حق بات کہی ہے لوگ اس میں تردد کر رہے ہیں یہ اللہ کے شایانِ شان نہیں، وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے وہ اس سب سے مبرا ہے، جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو یوں فرما دیتا ہے کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتا ہے۔

ہر شخص کو اولاد کی خواہش کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ بڑھاپے میں باپ کا سہارا بنے اور ضعفِ خلقی میں اس کا سہارا بنے۔ اور پھر جہانِ فانی سے رخصت ہونے کے بعد اس کے نام کو زندہ رکھے لیکن خدائے تعالیٰ کو بیٹے کی کیا احتیاج ہے کیونکہ وہ اپنی کامل قدرت کے باعث ان سب کا محتاج نہیں، اور جب وہ کسی کام قصد کرتا ہے تو اسے کسی سہارے یا مدد کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ کُن کہتا ہے اور وہ کام ہو جاتا ہے۔ اور کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کُن کہنے سے وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو زوال نہیں وہ ازلی اور ابدی ہے تو اسے اپنے نام کی بقا کے لیے بیٹے کی ضرورت ہی نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہر طرح کے احتیاج سے پاک ہے۔ اور وہ اولاد کی احتیاج سے بھی پاک ہے۔

---

(۱) جامع البيان فی تاويل القرآن، محمد بن جرير، أبو جعفر الطبري (المتوفي: ۳۱۰هـ)، المحقق: أحمد محمد شاكر، مؤسسة الرسالة،الطبعة الأولى، ۱٤۲۰هـ، ۱۹٦/۱۸

(۲) مریم۱۹: ۳۴-۳۵

مولانا مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی حواری آپ کو صرف نبی مانتے اور بنی اسرائیل کی شریعت کا اتباع کرتے تھے۔ یہودیوں سے ان کا اختلاف صرف اس معاملے میں تھا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح (نجات دہندہ) تسلیم کر کے ان پر ایمان لائے تھے اور یہودی ان کو مسیح ماننے سے انکار کرتے تھے۔ لیکن جب سینٹ پال اپنے تمام بدعات، عقیدہ تثلیث کے فلسفے کے ساتھ عیسائیت میں داخل ہوا تو یہ مٹھی بھر لوگ کسی طرح ان کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور اسی طرح عیسائیت میں عقیدہ تثلیث نے رواج پایا۔"[۱]

مسیح علیہ السلام کو صرف اس بات سے خدا کا بیٹا مان لیا جائے کہ بائبل میں کچھ مواضع پر ابن کا استعمال کیا ہے جبکہ بائبل میں لفظ ابن دیگر افراد کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔

"تمام انسانوں کو خدا کا بیٹا کہا گیا۔"[۲]

حضرت داود علیہ السلام کو بیٹا کہا: "میں اُس کو اپنا پہلوٹھا بناؤں گا اور دُنیا کا شہنشاہ۔"[۳]

"مبارک ہیں جو مصالحت کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔"[۴]

اللہ تعالیٰ کے نزدیک توحید خالص پر ایمان رکھنے کی طرح، رسالت کلی پر اعتقاد رکھنا بھی لازمی ہے، اسلام نے رسالت کو نہایت واضح اور غیر مبہم روبرو کیا ہے۔ نیز رسالت صرف حضرت محمد ﷺ کو ماننے کا نام نہیں بلکہ آپ کی رسالت کو دل وجان سے مان لینے ساتھ یہ اعتقاد بھی اس کا حصہ ہے کہ خاتم النبیین ﷺ کے بعد ہرگز کوئی نبی نہیں آسکتا نیز آپ ﷺ سے پہلے جتنے انبیائے کرام مبعوث ہوئے ان پر ایمان لانا، اور ان سب کے مابین کسی قسم کی تفریق نہ کرنا عقیدہ اسلام کا حصہ ہے۔

عیسائیت میں توہم پرستی کے مظاہر

بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت اس دور میں ہوئی جب رومی کی حکمرانی کا عروج تھا۔ رومیوں کا مذہب اپنے مذہبی عقائد میں پراسراریت اور دیومالائیت پر مشتمل تھا۔ مذہب عیسائیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جس تیزی کے ساتھ عقائد، عبادات اور دیگر سماجی امور میں انحراف پیدا ہونا شروع ہوا اس کی مثال کسی اور مذہب کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ وحی الٰہی (انجیل) میں ایسی لفظی اور معنوی تبدیلیاں کر دی گئی جس سے انجیل کی روح اور تعلیمات کو ختم کر دیا

---

(۱) سیرت سرور عالم، ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن: لاہور ۱۹۹۹ء، ۱/ ۶۴۷، ۶۴۸

(۲) پیدائش باب ۶: ۲-۴

(۳) زبور باب ۸۹: ۲۷

(۴) متّی باب ۵: ۹

گیا۔ مرحلہ وار اس مذہب کے ہر شعبے میں تغیرات رونما ہونے لگے ان تغیرات کی بنیاد خیالی فلسفے اور جھوٹے انسانی تصورات وتوہمات پر رکھی گئی۔

مشہور فلسفی برٹرنڈ رسل لکھتا ہے:

"یہودیت کی طرح عیسائیت میں بھی یونانی عنصر شامل ہوتا گیا، اور اس فلسفہ کو علم دینیات (theology) کا درجہ ملتا گیا۔ یونانی تہذیب سے متاثر ہوتے ہوئے سینٹ یوحنا کے صحیفے میں حضرت عیسیٰ کو افلاطونی اور رواقی کلمہ (Logos) قرار دیا گیا۔ یسوع کو بحیثیت بشر کم اور بحیثیت الوہی زیادہ پیش کیا گیا۔ سینٹ پال کے خطوط میں یونانی فلسفہ کا اثر بہت ملتا ہے۔ اوریجن (۱۸۵ء-۲۵۴ء) عیسائیت میں نو افلاطونیت کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ کوئی شے مادی نہیں مگر خدا، باپ، بیٹا اور روح القدس۔"[(۱)]

مسیحیت کے ایسے عقائد اور رسومات شامل بحث ہیں جس کی بنیاد میں کہیں نہ کہیں توہم پرستی کا عنصر شامل ہے۔

کفارہ (Atonement):

عیسائیت کی دینیات میں کفارہ (خطا کا بدلہ) سے مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعہ ایک خطاکار انسان یک لمحہ میں خداوند کی رحمت وشفقت کا مقرب ہو جاتا ہے۔[(۲)]

مسیحوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ نجات کے لیے عمل کی کوئی ضرورت نہیں صرف مسیح پر ایمان لے آنا کافی ہے۔ نسل انسانی کے گناہوں کی بخشش اور معافی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا بیٹا اس جہان میں ارسال کیا اور اس نے مصلوب ہو کر اپنی جان کا نظرانہ دے دیا، یوں وہ مکمل انسانیت کے خطا کا کفارہ بن گیا لہذا عمل کی کوئی ضرورت نہیں رہی صرف مسیح پر ایمان کافی ہے یہی نجات کے لیے ضروری ہے۔

گناہ آدم سے ان کی اولاد میں نسلاً بعد نسل چلا آرہا ہے مسیح سے پہلے جتنے لوگ اس دنیا میں گزرے جن میں مسیح کے آباءواجداد بھی شامل تھے وہ مسیح پر ایمان نہیں لائے۔ لہذا مسیح ایسے افراد کی لغزشوں کا کفارہ نہیں ہوئے اور وہ لوگ ان کے عقیدے کے مطابق جہنمی ٹھرے۔

بائبل میں ہے کہ:

"جو عورت سے پیدا ہو وہ پاک نہیں ہو سکتا"[(۳)]

---

(۱) فلسفہ مغرب کی تاریخ، ص:۳۹۱-۳۹۲

(۲) atonement: Britannica Encyclopedia of World Religions,۲۰۰۶

(۳) ایوب باب ۲۵:۴

جبکہ بائبل کے مطابق اس واقعہ کو دیکھا جائے تو عیاں ہوتا ہے مسیح خود عورت ہی سے پیدا ہوئے۔ بائبل میں مذکور ہے۔

"لیکن جب وقت مکمل ہو گیا تو خداوند نے اپنے بیٹے کو بھیجا جس نے خاتون سے جنم لیا اور شریعت کے تابع پیدا ہوا"[۱]

عیسائیت کے اسی اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ جب مسیح نے بھی عورت سے جنم لیا اور عورت سے جنم لینے والا پاک نہیں ہوتا لہذا پاک نہ ہونے کی وجہ سے وہ انسانیت کا کفارہ کیسے بن سکتا ہے کیونکہ کفارہ کے لیے خود پاک ہونا ضروری ہے۔ انسانی فہم وفراست بھی اس کو ماننے سے قاصر ہے کہ گناہ کوئی کرے اور سزا گناہ کرنے والے کی بجائے کسی دوسرے کو ملے۔ یہ اصول خود بائبل کا بھی بیان کردہ ہے۔

"بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ۔ صادق کی صداقت اسی کے لئے ہو گی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے۔"[۲]

صلیب مقدس:

عقیدہ کفارہ کے ہی ذیل میں ایک اور رسم جو توہم پرستی مکمل شکل اختیار کر گئی ہے وہ صلیب مقدس ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہو کر انسانیت کے گناہوں کا کفارہ بنے لہذا وہ صلیب بھی ان کے ہاں مقدس ہو گئی جس پر انہیں مصلوب کیا گیا۔

صلیب کا نشان عیسائیت کا شعار ہے عیسائی ہر ضرورت اور خوف کے موقع، عبادت کے شروع اور اختتام پر نیز متعدد اہم مواقع پر صلیب کا نشان بناتے ہیں۔[۳]

چوتھی صدی عیسوی تک صلیب کو اجتماعی سطح پر کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہیں تھی، شاہ قسطنطین کی طرف یہ روایت منسوب کی جاتی ہے۔ ۳۱۲عیسوی میں قسطنطین نے ایک معرکہ کے دوران آسمان پر علامتِ صلیب دیکھی، اور ۳۲۶عیسوی میں قسطنطین کی ماں سینٹ ہلینا کو کسی جگہ سے صلیب مل گئی، اسکے بارے میں یہ خیال کیا گیا ہے کہ اسی پر حضرت مسیح کو مصلوب کیا گیا۔ صلیب کی دریافت میں عیسائی لوگ ہر برس ۳مئی کو تہوار کا دن مناتے ہیں۔[۴]

عقلیت کے زمانہ، یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور انجیل کے آپس کے تضادات کی وجہ سے عقیدہ کفارہ خود عیسائی راہبوں کے ہاں مخدوش نظر آتا ہے اور یہ عقیدہ حضرت مسیح کے حلول اور تجسم پر مبنی ہونے کی وجہ سے سابقہ ادیان کے فلسفہ اور تخیلاتی

---

(۱) گلتیوں باب ۴:۴

(۲) حزقی ایل باب ۱۸:۲۰

(۳) CROSS: Britannica Encyclopedia of World Religions,۲۰۰۶, pg#۲۷۰

(۴) دیکھیے: بائبل سے قرآن تک، مولانا تقی عثمانی، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۲۰۱۰ء، ۱/۷۰

توہم پرستی کا پروردہ اور شاخسانہ ہے کیونکہ عیسائیت کا مذکورہ عقیدہ حضرت مسیح کے کسی ارشاد سے ثابت ہے اور نہ ہی کوئی حواری اس کا قائل تھا۔

بپتسمہ(Baptism):

عیسائیت میں راہب (مسیحی علماء) عام لوگوں کو بپتسمہ (Baptism) دیتے ہیں جسے عربی میں تعمید کہا جاتا ہے۔ زندگی میں ایک بار ہر مسیحی کو بپتسمہ لینا ضروری ہوتا ہے کیونکہ انکے ہاں یہ خیال عام ہے کہ اس عمل سے گناہ یکسر ختم ہو جاتے ہیں اور قبولِ نصرانیت کا عمل یہی ہے۔ چنانچہ بائیبل میں ہے:

"جو یقین رکھے اور بپتِسمہ لے گا وہ چھٹکارا حاصل کرے گا اور جو یقین نہ رکھے وہ گنہگار ٹھہرایا جائے گا۔"[۱]

مقارنۃ الادیان کے مشہور مصری محقق عبد الفتاح الزیات بپتسمہ (Baptism) کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"لم يتفق المسيحيون على وقت التعميد؛ فبعضهم يعمد فی طفولته، و هذا هو الغالب، و بعضهم يعمده فی أي وقت مِن حياته؛ المهم أنه لا يموت من غير أن يعمد، و إلاّ كان عاصياً، و بعضهم يجيز التعميد حتى لو كان الشخص على فراش الموت، إذا إن التعميد فی زعمهم يذهب السّيات من النفوس".[۲]

ترجمہ: عیسائیوں کے ہاں بپتسمہ کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے، بعض لوگ بچپن میں دلوالیتے ہیں اور یہی عام ہے، جبکہ دیگر لوگ زندگی میں کسی بھی وقت دلوالیتے ہیں، اہم یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص بپتسمہ دلوائے بغیر فوت نہ ہو وگرنہ گناہگار مرے گا، کچھ حضرات اس کو بستر مرگ پر بھی دلوالیتے ہیں کیونکہ ان کا گمان ہے بپتسمہ سے گناہ زائل ہو جاتے ہیں۔

عیسائیت کے گرجاگھروں میں یہ رسم موجود ہے کہ پادری صلیب کی شکل والی بوتل سے ابن اللہ اور روح القدس کے نام سے تین مرتبہ پانی سر پر پھنکتا ہے اور تین بار پانی کا پھینکنا اشارہ ہوتا ہے کہ حضرت مسیح تین دن قبر میں رہے تھے پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔ برٹانیکا میں اس حوالے کی وضاحت یوں مذکور ہے:

"Baptism: a sacrament of admission to the Christian Church. The forms and rituals of the various churches vary, but Baptism almost invariably involves the use of water and the Trinitarian invocation, "I baptize you، In the name of the Father, and of the Son, and of the Holy Spirit." The candidate may be wholly or partly immersed

---

(۱) مرقس باب ۱۶:۱۶

(۲) ماذا تعرف عن المسيحية، مركز الراية للنشر والإعلام، طبعة ثالثة ۲۰۰۱ء، ص:۱۳۸

in water, the water may be poured over the head, or a few drops may be sprinkled or placed on the head[۱]".

بپتسمہ: مسیحی چرچ میں داخل ہونے کے لیے یہ ایک رسم ہے۔ مختلف چرچوں میں اس کی رسم مختلف طریقوں سے ادا کی جاتی ہے، تاہم پانی اور ٹرینٹیرین دعا اس کا تقریباً لازما شامل ہوتی ہے کہ "میں تمھیں بپتسمہ دیتا ہوں، الاب، ابن اور روح القدس کے نام پر۔" بپتسمہ کا امیدوار مکمل یا جزوی طور پر پانی میں ڈبکی لیتا ہے۔ یا پانی اس کے سر پر بہا دیا جاتا ہے یا چند قطرے اس پر جھڑک یا ڈال دیتے ہیں۔

بپتسمہ کا تصور تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو یونانیوں، رومیوں اور قدیم مصر کی تہذیب سے جا ملتا ہے۔ بچوں کی پیدائش کے موقع پر مذکوہ تہذیبوں میں اس روایت کا عنصر ملتا ہے۔[۲]

محمد مجدی مرجان[۳] لکھتے ہیں:

"صار العماد بالماء أهم شعائر الكنيسة فبمجرد ولادة الطفل يحضره والده إلى الكنيسة لتعميده، وإلاّ ظل كافراً، فبالعماد فقط يصير الانسان مسيحياً، وطريقة العماد فى الكنائس هى أنهم صنعوا بئراً أو بركة صغيرة وملأوا البركة بالماء، فاحتاجوا لتعميد شخص لتنصيره سواءً كان طفلاً حديث الولادة ولد لأبوين مسيحيين، أم كان رجلاً أم إمرأة اعتنقت المسيحية حديثاً، فإنه يخلع ملابسه ويصير عارياً كما ولدته أمه، ثم يأتى الكاهن ومساعدوه ويحملونه ويغصونه فى داخل البئر، ويقومون بتغطيسه بأكمله ثلاث مرات فى البحيرة حتى يتطهر من دنس الحمل وخطيئة الميلاد ويصير مباركاً".[۴]

ترجمہ: پانی کے ساتھ بپستمہ دینا گرجا کے اہم شعائر میں داخل ہو چکا ہے، بچے کی ولادت کے وقت اس کا والد اسے گرجا میں لاتا ہے تا کہ بپستمہ دلوا سکے، وگرنہ وہ کافر رہے گا، صرف اسی عمل کے ذریعے انسان مسیحی رہ سکتا ہے، گرجوں میں بپستمہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ چھوٹا تالاب بناتے ہیں جسے پانی سے بھر دیا جاتا ہے، پھر جب کسی کو بپستمہ دینا ہو چاہے وہ مسیحی

---

(۱) Baptism: Encyclopedia Britannica Concise, pg# ۱۲۴

(۲) العقائد الوثنية في الديانة النصرانية، محمد طاهر التنير، دار الشواف الرياض، ص۱۱۵

(۳) محمد مجدی مرجان الشماس مصری، اللہ تعالیٰ نے عیسائیت سے اسلام قبول کرنے کی سعادت بخشی، دین اسلام کو اختیار کرنے کے بعد حقیقتِ نصرانیت پر کتابیں لکھیں۔[سر إسلام رواد الفكر الحر في أوربا وعلماء الدين المسيحي الأجلاء، محمد عبد العظيم علي،دار المنارة، ص:١٤٦-١٤٧]

(۴) المسيح إنسان أم إله، دارالنهضة العربية، ١٩٧٥ء، ص:١١٢

جوڑے کا نومولود بچہ ہو، یا مرد یا پھر عورت جنہوں نے ابھی عیسائیت قبول کی ہو، وہ فرد اپنے کپڑے اتارے گا اور بالکل برہنہ ہو جائے گا گویا کہ اسے ابھی اس کی ماں نے جنم دیا ہو، اس کے بعد راہب اور اس کے معاون آتے ہیں، اسے اٹھا کر تالاب میں رکھ دیتے ہیں اور اس کو تین بار ڈبکی دیتے ہیں، یوں وہ حمل کی نجاست اور ولادت کی خطا سے پاک ہو جاتا ہے۔

عیسائیوں کے مطابق بپتسمہ کی رسم یہودیوں میں حضرت مسیح سے پہلے جاری تھی۔ اہل یہود غیر اقوام کے اشخاص کو بپتسمہ اور مختون کرنے سے یہودیت میں داخل کر لیا کرتے تھے۔ صرف انجیل میں اس کا تذکرہ ملتا ہے خاص طور پر حضرت یحیٰ علیہ السلام کو یوحنا بپتسمہ دینے والا کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔

"ان ایام میں یوحنا (بپتسمہ دینے والا) آیا اور یہودیہ کے جنگلات میں یہ پکارنے لگا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمانی بادشاہی قریب آگئی ہے۔"[1]

بپتسمہ کے بنیادی تصور کو دیکھا جائے تو اس کی اساس حضرت مسیح کا نجات دہندہ ہونے سے ماخوذ ہے مسیحی یہ گمان کرتے ہیں کہ جس طرح توبہ کے ذریعے حضرت آدم علیہ السلام کی خطا معاف کر دی گئی تھی اسی طرح بپتسمہ کے ذریعے ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور یہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے بپتسمہ کے بعد اسے نیا جنم مل گیا ہے۔ نصرانیت میں بپتسمہ کا عقیدہ سابقہ ادیان سے ماخوذ ہے کیونکہ اس کا ذکر توارات میں موجود نہیں اور اہل یہود بھی اس رسم کے قائل نہیں ہیں۔ انجیل میں کہیں بھی یہ ذکر موجود نہیں کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کسی ایک شخص کو بپتسمہ دیا ہو۔ لہذا قوی امکان یہ ہے کہ عیسائیت میں یہ رسم توہم پرستی یعنی انسان کو خطا سے نجات دلانے کے لئے انبیا اور ان کے حواریوں کی طرف تحریفاً منسوب کر دی گئی ہے۔

مزید یہ کہ اگر بپتسمہ سے انسان کو گناہوں سے نجات مل جاتی ہے تو پھر حضرت مسیح کو بپتسمہ کیوں دیا گیا کیا وہ خدا کی صورت میں گناہگار بھی تھے، اور اگر حضرت مسیح کو بپتسمہ سے پاک کرنا تھا تو بعد اس تکلف کے صلیب اور کفارہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ وہ بپتسمہ لے کر خطا سے آزاد ہو چکے تھے۔

عشائے ربانی (Lord's Supper) یا تناول (Eucharist):

مسیحیت میں توہم پرستی اور خرافتی تصورات پر مبنی رسم عشاء ربانی (Lord's Supper) یا تناول (Eucharist) بھی ہے، اس رسم میں کچھ لوگ جمع ہو کر روٹی کھاتے اور شراب پیتے ہیں، عیسائی سمجھتے ہیں عشائے ربانی نجات دہندہ کی مبارک موت کی یادگار ہے اور یہ وہ عمل ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قربانی سے قبل کیا تھا، انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ روٹی کھائی تھی اور نبیذ[2] پی تھی۔ اس رسم میں روٹی ایک علامت ہے جس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسد ہوتا ہے جسے

---

(۱) متّی باب ۳:۳

(۲) ایک خاص قسم کی ہلکی شراب ہوتی ہے جس میں نشہ نہیں ہوتا۔

انسانیت کی نجات کے لیے توڑا گیا یعنی پیغمبر کی قربانی دی گئی، اور شراب بھی ایک رمز ہے جس سے آپ کا خون مراد لیا جاتا ہے جو اس غرض کے لیے بہایا گیا۔

"Eucharist: In Christianity, ritual commemoration of Jesus' Last Supper with his disciples, at which (according to tradition) he gave them bread with the words, This is my body, and wine with the words, This is my blood. "(۱)

عشائے ربانی: مسیحیت میں ایسی رسم ہے جو مسیح عَلَیۡهِ ٱلسَّلَامُ کے رات کے آخری کھانے کی یاد دہانی میں منائی جاتی ہے۔ انھوں نے اپنے شاگردوں کو یہ کہتے ہوئے روٹی دی تھی کہ یہ میرا جسم ہے اور شراب یہ کہہ کر دی تھی کہ یہ میرا خون ہے۔

اسی مجلس کا حال بائبل میں یوں مذکور ہے:

"جب وہ تناول کر رہے تھے تو یسوع نے چپاتی کو پکڑا اور نیک بختی دیتے ہوئے توڑا، اور اپنے شاگردوں کو دیتے ہوئے کہا لو کھاؤ، یہ میرا جسم ہے۔"(۲)

اسی فکر کو موسوعۃ (انسائیکلوپیڈیا) میں مزید واضح کیا گیا ہے:

"و يستعمل فى العشاء الّربانى قليل من الخبنر، و قليل من الخمر لذكرى، ما فُعل بالمسيح ليلة (موته) و كذالک ليكون هذا طعاماً روحياً للمسيحين؛ فمن أكل هذا الخبز و شرب هذا الخمر، استحال الخبز إلى لحم المسيح و الخمر إلى دمه، فيحصل امتزاج بين الأكل، وبين المسيح و تعاليمه".(۳)

ترجمہ: عشاء ربانی میں تھوڑی سی روٹی اور تھوڑی سی شراب استعمال کی جاتی ہے، تاکہ اس کو یاد کیا جائے جو قربانی کی رات حضرت مسیح کے ساتھ ہوا، اور تاکہ یہ کھانا مسیحیوں کے لیے روحانی غذا بن جائے، جو شخص اس روٹی کو کھائے اور یہ شراب تناول کرے تو روٹی مسیح کے جسد میں اور شراب آپ کے خون کی شکل میں بدل جاتے ہیں، اس طرح کھانے، مسیح اور آپ کی تعلیمات کے درمیان امتزاج پیدا ہو جاتا ہے۔

عشاء ربانی کی یہ رسم ہر اتوار کو چرچ میں منائی جاتی ہے اس رسم کو تشکیل دینے کا مقصد حضرت مسیح کے کفارہ ہونے کے عمل کو یاد رکھنا ہے۔ یہ بات خود عیسائیت میں محل بحث رہی ہے کہ روٹی اور شراب دیکھتے ہی دیکھتے بدن اور خون میں کیسے تبدیل ہوتی ہے۔ پروسٹسٹنٹ فرقہ عشائے ربانی کی رسم کو محض یادگار کے طور پر مناتا ہے جبکہ کیتھولک کے ہاں روٹی اور

---

(۱) Eucharist: Encyclopedia Britannica Concise, pg# ٦٤٠

(۲) متّی باب ۲٦:۲٦

(۳) موسوعة وحدة الدين والفلسفة والعلم، مركز الدراسات الدينية بغداد طبعة الأولى، ص:١٤٥

شراب حقیقتاً حضرت مسیح کے گوشت اور ہڈیاں اور خون میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ عشاء ربانی اپنی ابتدا سے موجودہ شکل تک توہمات انسانی کا مکمل مظہر نظر آتی ہے۔

سِرّ مقدس (Confession):

مسیحیت میں ایک سِرّ مقدس (Confession) کی رسم موجود ہے، اس رسم کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خواب میں ہدایت کی تھی کہ جو شخص گناہ کرے اور پھر راہب کے آگے اس کا اعتراف کر لے تو تقصیر معاف کر دی جائے گی، شروع میں کوئی حد مقرر نہیں تھی، کوئی شخص زندگی میں جتنی بار بھی چاہے گناہ کے بعد راہب کے آگے اعتراف کر سکتا تھا اور اس کی ہر دفعہ مغفرت بھی ہو جاتی تھی، لیکن ۱۲۱۵ء میں مسیحی گرجانے فیصلہ کیا کہ سِرّ مقدس کا عمل صرف زندگی میں ایک بار کیا جا سکتا ہے۔[۱]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو توبہ و مغفرت کی ہدایات جاری فرمائی تھی اور نجات کا مدار ایمان اور خدا کے احکام کی پابندی کو قرار دیا تھا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد توبہ کے عمل کو سرّ مقدس جیس بے بنیاد اور توہماتی رسم سے تبدیل کر دیا جس کی ایمان و عمل سے حقیقتاً کوئی نسبت نہیں۔ سرِ مقدس کی رسم در حقیقت پاپائیت کو فروغ دینے کے لیے اختراع کی گئی تھی۔

متفرق توہمات:

ایک دور میں صفائی کو نگاہِ حقارت سے دیکھا جاتا تھا جوؤں کو خدا کے موتی کہا جاتا اور انہیں پاکبازی کی علامت قرار دیا جاتا۔ پانی کے عدم استعمال کو فخریہ انداز میں بیان کیا جاتا گویا یہ ایک بزرگی کی علامت میں سے ہے۔ نیکی صرف بدنی گناہ سے بچنے کا نام ہے۔ مذہبی کتابوں کو پڑھنے اور سمجھنے کا مجاز صرف پادری و راہب ہے۔[۲]

قدیم مسیحی رسومات کے مطابق مسیحی جوڑے کا نکاح ابدی ہوتا ہے، دونوں کا نکاح ہو جائے کے بعد اسے توڑا نہیں جا سکتا، البتہ صرف ایک صورت میں کہ جب عورت زنا کرے تو اس کا نکاح خود بخود ٹوٹ جائے گا، نکاح کے جواز کو کنیسہ کے اندر ہونے کی تقریب سے مشروط کیا، جبکہ کنیسہ سے باہر کیا جانے والا نکاح غیر مشروع متصور ہو گا۔ ہر مسیحی صلیب کو گلے میں لٹکانے یا ساتھ رکھنے کے عمل کو مبارک خیال کرتا ہے، کیونکہ اس سے حضرت مسیح علیہ السلام کی قربانی کی یاد تازہ رہتی ہے اور اجر بھی ملتا ہے۔[۳]

---

(۱) انظر: ماذا تعرف عن المسيحية، ص:١٤٢

(۲) دیکھیے: فلسفہ مغرب کی تاریخ، ص:۴۴۷

(۳) انظر: ماذا تعرف عن المسيحية، ص:١٤٤

بعض مسیحی اپنی دعاؤں میں ایک روحِ دوست (Familiar Spirit) سے مدد مانگتے ہیں، جس کا عبرانی تلفظ "جانا" ہے جس کا مطلب ہوتا ہے دوست روح (Familiar Spirit)، بعض مسیحیوں کا اعتقاد ہے کہ دنیا میں کچھ روحیں انسان دوست بھی ہیں جو بوقت ضرورت ان کی مدد کر سکتی ہیں، اس لیے مسیحی اپنی دعاؤں میں ان کو یاد کرنا نہ بھولتے اور استمداد بھی کرتے ہیں۔ بائبل کے اردو تراجم میں (Familiar Spirit) کو "جنات کے یار" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ روحیں جنات کے اسرار و رموز کی شریک ہوتی ہیں۔ اور استشہاد کے لیے عہد قدیم کی عبارات سے مدد لی گئی۔ مثلاً بائبل میں ہے:

"اور اُس نے اپنے بیٹے کو آگ میں چلایا اور وہ شگون نکالتا اور افسوں نگری کرتا اور جنات کے یاروں اور جادوگروں سے تعلق رکھتا تھا اُس نے خُداوند کے آگے اُس کو غصہ دلانے کے لیے بڑی شرارت کی۔"[۱]

"جو جنات کے یار ہیں اور جو جادوگر نجس بنا دیں۔"[۲]

اسی طرح بعض مسیحی مرنے والے کی روح سے مشورہ لینے کا ایک عمل بھی کرتے ہیں یعنی جب کسی کو کوئی مشکل درپیش ہو اور وہ یہ سمجھے اس کا حل فلاں مر جانے والے کے پاس ہے تو وہ بعض مخصوص دعاؤں اور عملیات کے ذریعے اسے بلا کر ان سے مشورہ لیتے اور ان کو جنات کا آشنا سمجھا جاتا ہے جس کی سند وہ عہد قدیم کی کتاب استثنا سے لیتے ہیں۔

"یا منتری یا جنات کا آشنا یا رمال یا ساحر ہو"[۳]

عیسائیوں کے اس اعتقاد کے مطابق مُردوں کی ارواح اور جنات کو مختلف عملیات سے طلب کر کے مدد کے لیے پکارنا عہد قدیم کو کتابوں میں ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ لیکن عیسائیوں کے کچھ گروہوں نے عہد قدیم کی عبارات سے مدد لیتے ہوئے ان عملیات کو فروغ دیا جس سے عیسائیت میں توہم پرستی کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں۔

"اور جب وہ تم سے کہیں تم جنات کے یاروں اور افسونگروں کی جو پُھسپُھساتے اور بڑبڑاتے ہیں تلاش کرو تو تم کہو کیا لوگوں کو مناسب نہیں کہ اپنے خدا کے طالب ہوں؟ کیا زندوں کی بابت مردوں سے سوال کریں؟۔ شریعت اور شہادت پر نظر کرو۔ اگر وہ اس کلام کے مطابق نہ بولیں تو انکے لیے صبح نہ ہو گی۔"[۴]

ہر سال ۲۵ دسمبر کو مسیحی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم ولادت مناتے ہیں اور اس تہوار کو کرسمس کہا جاتا ہے یہ عمل ان کے لیے خیر، برکت اور نیک شگون کا باعث ہوتا ہے۔

---

(۱) سلاطین ۲ باب ۶:۲۱

(۲) احبار باب ۳۱:۱۹

(۳) استثنا باب ۱۱:۱۸

(۴) آیسعیاہ باب ۱۹:۸-۲۰

ایسٹر: "یہ دن ۲۱ مارچ کو مسیح کے مر کر دوبارہ زندہ ہونے کی دیا میں منایا جاتا ہے۔"[(۱)]

مسیحی لوگوں میں {۱۳} کا عدد بدشگونی کی علامت سمجھا جاتا ہے، وہ ہر مہینے کی ۱۳ تاریخ کو کوئی بھی اچھا یا کوئی خوشی کا کام انجام دینا پسند نہیں کرتے، اس بدشگونی کے حالات واسباب کا قصہ یوں ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک پیروکار نے جس رات خیانت کر کے آپ کے دشمنوں کو آپ کے بارے میں اطلاع دی تھی اس رات آپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آخری کھانا کھایا تھا اور اس وقت آپکے ساتھیوں کی تعداد ۱۳ تھی، بائبل کے مطابق یہ جمعرات کا دن تھا اور (مسیحیوں کے اعتقادی زعم میں) جمعہ کے روز یسوع مسیح کو صلیب دی گئی۔

خلاصہ کلام: معلوم ہوا کہ عیسائیت کی موجودہ تعلیمات ان اساسیات پر مشتمل نہیں رہیں جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس جہان سے آسمان پر منتقل ہونے کے بعد سینٹ پال نے عیسائیت میں غیر معمولی تبدیلیاں کیں جس سے موجودہ مسیحیت کا مذہب سامنے آیا۔ اور سینٹ پال نے الوہی تصور مذہب کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا، جس میں کفارہ کے عقیدے کی وجہ سے شریعت سے جان چھڑانا، مصلوبیت کی نشانی کو موجودہ مسیحیت کی بنیادی شناخت بنانا، اور تمام اشیا میں حلت کو فروغ دینا، شرکیہ امور سے لے کر کھانے پینے کی تمام چیزیں حلال قرار دے دی گئیں۔ عقیدہ الوہیت کے بنیادی تصور کو تبدیل کرنے کے لیے توہمانہ رسومات کو فروغ دیا گیا۔

مذہبِ مسیحیت میں عقیدہ کفارہ ہی کی وجہ سے حیاتِ دنیا اور اس کے جائز مشاغل سے قطع تعلق اختیار کیا اور بعد کے مبتدعین نے اس میں اضافہ کرتے ہوئے اسے رہبانیت تک پہنچا دیا اور پھر رہبانیت عیسائیت کی پہچان بن گئی۔ راہب شادی بیاہ اور دنیا کی زیب وزینت سے اپنے آپ کو بچاتے۔ انسانی فطرت کو کچلنے کی وجہ سے ان میں بہت سی اخلاقی بیماریاں در آئیں تھیں۔ لہٰذا اس رسم کو قرآن مجید بدعت کہہ کر متعارف کرواتا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَرَهْبَانِيَّةً ٱبْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ٱبْتِغَآءَ رِضْوَانِ ٱللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ...﴾[(۲)]

ترجمہ: اور رہبانیت انھوں نے خود پیدا کر لی، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا، مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب، پھر اس کی رعایت نہ کر سکے جیسے اس کے نبانے کا حق تھا۔

عیسائیت کو سرکاری مذہب کا درجہ ملنے پر رہبانیت پر مبنی تصور پاپائیت کو فروغ ملا۔ ۸۰۰ء سے ۱۶۰۰ء تک یورپ کے بادشاہوں کا تخت وتاج عملاً پوپ کے ہاتھ میں رہا، پوپ کے محلات کی وسعت کے ساتھ ساتھ اس کے اختیارات بھی لا محدود ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ پوپ کی اطاعت کو خدا کی ہی اطاعت کا درجہ مل گیا اس طاقت کا پوپ اور اس کے حواریوں نے بے دریغ استعمال کیا۔

---

(۱) یہودیت عیسائیت اور اسلام، ص:۲۳۵

(۲) الحدید ۵۷:۲۷

رہبانیت یاپاپائیت کی ابتداخودایک تحریک تھی جو کلیسا کے نظام سے باہر تھی لیکن بعد میں کلیسا کالازمی حصہ بن گئی۔ رہبانیت کو عبادت وریاضت اور قرب کا درجہ ملتے ہی عیسائیت میں پاکیزگی و طہارت دور ہو گئی۔ مذہبی تعلیم اور مقدس کتابوں کی تشریح کا حق ایک مخصوص اور محدود طبقے کے سپرد کر دیا گیااور "کلرجی" یاپادری کے نام سے پاپائیت ایک نئے روپ سے سامنے آئی، عوام کو یہ سمجھایا گیاکہ خداتک بندے کی رسائی کاواحد ذریعہ یہی لوگ ہیں۔اور ان کے متعلق عجیب وغریب توہماتی روایات پیش کیں جن کا عقل ومذہب سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ اسی دور میں پوپ کو پیسے لے کر دستاویز مغفرت جاری کرنے کالامحدوداختیار حاصل ہوا۔

فصل سوم: عہد جاہلیت اور عصر حاضر میں توہم پرستی

مبحث اول: عہد جاہلیت میں توہم پرستی

مبحث ثانی: عصر حاضر میں توہم پرستی

فصل سوم: عہد جاہلیت اور عصر حاضر میں توہم پرستی

اس فصل میں عرب کے عہد جاہلیت اور عہد حاضر میں رائج توہمات پر بحث وتنقید پیش کی گئی ہے۔

مبحث اول: عہد جاہلیت میں توہم پرستی

جاہلیت کا معاشرہ ایک صحرائی معاشرہ تھا، صحراء کی لا محدودیت فطری طور پر قبائلی فرد کے تخیل کو بے لگام کر دیتی ہے جس کی بہترین تمثیل زمانہ جاہلیت کی شاعری ہے، شاعری انسان سے وسیع خیال کا تقاضا کرتی ہے جو کہ قبائلی معاشرے میں بدرجہ اتم موجود تھا، لیکن پڑھنے لکھنے سے دوری کی وجہ سے یہ حسّ اختراع (innovation and creativity) کی شکل کو نہ پہنچ سکی، اس شاعری میں ظاہری تشبیہات (Similies/Metaphors) کو بنیادی حیثیت حاصل تھی نہ کہ معنویت کو، جس طرح معنویت کا عباسی دور میں نظارہ بخوبی دیکھنے کو ملا، کیونکہ عباسی دور میں عربی ذہنیت فکر و فن اور پڑھنے لکھنے کے ساتھ وابستہ ہونے کی وجہ سے اختراعی شکل اختیار کر چکی تھی۔

جاہلی معاشرے کی حِسّی تخیل کی اس وسعت نے زندگی کے ہر شعبے میں توہمات کو جنم دیا، توہمات کا مرحلہ اگرچہ اختراعی مرحلے سے پچھلا درجہ ہے لیکن یہی مرحلہ انسانی شعور اور قدرت عقلیہ کی بیداری کا آغاز بھی ہے، کیونکہ توہمات اور خرافات قدرت عقلیہ کی بیداری کے بغیر وجود میں نہیں آسکتے، انسان کے اندر کی حساسیت اور خوف جنہیں علم کا سہارا میسّر نہیں ہوتا اساطیر اور توہمات کو گھڑنے کا وسیلہ بنتے ہیں، آہستہ آہستہ یہی توہمات معاشرے میں تقدس کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں، جس طرح کہ مذہبی عقائد۔ اسی وجہ سے بعض لوگ جو مذاہب کے سچا ہونے کے منکر ہیں دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ ادیان کو انسانی ذہن کی عدم پختگی اور اساطیر نے جنم دیا ہے۔[۱]

یونان، روم اور فارس میں توہمات و خرافات کو دینی شعائر کا رتبہ حاصل تھا، ان تہذیبوں میں اساطیر کا ایک طویل سلسلہ تھا جو کہ افراد کی زندگی کے ہر چھوٹے بڑے معاملے کو محیط تھا، زمانہ جاہلیت میں عربوں کے بہت سارے توہمات روم اور فارس کی تہذیبوں سے مستعار لیے گئے تھے۔[۲]

قرآن کریم بھی صراحت سے بیان کرتا ہے کہ جاہلیت کے دور میں توہمات، خرافات اور اساطیر پر ایمان رکھا جاتا اور ان کو مذہبی شعائر کا درجہ ملتا تھا۔ معبودوں جنات اور ارواح کے متعلق مختلف توہمات ان کی زندگی کا حصہ تھے اور وہ انہیں مذہبی عقائد خیال کرتے تھے۔ جاہلی معاشرے میں بہت سارے مذہبی توہمات ایسے تھے جو یہود و نصاریٰ سے بھی ماخوذ

---

(۱) انظر: الحیاۃ العربیة فی الشعر الجاهلي، احمد الحوفی، دارنهضة مصر، طبعة ۱۹۴۷ء، ص:۱۶

(۲) انظر: ملامح اسطوریة فی الشعر الجاهلي، محمود شکیب انصاری، مجلة آفاق الحضارة الاسلامیة، العدد الخامس و العشرون، ۱۳۸۹ھ، ص:۶

تھے۔ یہود ونصاری چونکہ اپنی کتب میں تحریف کر چکے تھے اور اپنی عقل کے بل بوتے پر کئی ایسی کہانیاں گھڑ چکے تھے جنہیں وہ مقدس سمجھتے تھے۔ ان سے متاثر ہو کر بُت پرست عربوں نے بھی توہمات کو قبول کر لیا تھا، لیکن قرآن ان کے عقائد کو سابقین اور آباؤاجداد کے توہمات وخرافات کہہ کر رد کرتا ہے۔

عقائد وعبادات میں توہم پرستی

حجر پرستی:

قدیم عربوں کے ہاں بت پرستی بطور فن رائج نہیں رہی یہی وجہ ہے کہ عرب بت پرست تو تھے لیکن بت تراش نہ تھے اسی لیے انہوں نے بتوں کو دوسری اقوام سے مستعار لیا تھا جن میں سے بابل مصر اور یونان سے بت درآمد کیے گئے اور بت پرستی کو فروغ عیسائیوں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں سے ملا۔

غلط توہمات اور خرافات جن بُتوں کی طرف منسوب تھیں ان میں سے ایک ہُبل بھی تھا، یہ انسانی شکل کا بت تھا اور مکہ میں سب سے بڑا دیوتا خیال کیا جاتا تھا، شادی بیاہ، ولادت، اثبات نسب اور سفر وحضر کے کئی معاملات میں ہبل کے فیصلے کو حتمی تصور کیا جاتا تھا، مجاور مسائل کے حل کی خاطر قرعہ ڈالتا، جو اشارہ قرعہ کے ذریعے ملتا اس کو برحق مانا جاتا تھا عربوں کے نزدیک نسب (genealogy) کا معاملہ نہایت اہم رہا ہے اگر کسی شخص کے نسب میں شک پیدا ہو جاتا تو قبیلہ والے اس کو لے کر ہبل کے سامنے حاضر ہوتے، ایک سو درہم کا نذرانہ پیش کرتے اور اس شخص کے نسب کی صحت معلوم کرنے کے لیے قرعہ ڈالنے کی درخواست کرتے، مجاور قرعہ ڈالتا، اس میں جو نتیجہ نکلتا اس کو ہی صحیح خیال کیا جاتا تھا۔[۱]

تفسیر قرطبی میں بت ھبل کے بارے میں مذکور ہے:

"عمرو بن لحي خرج من مكة إلى الشام، فلما قدم مآب من أرض البلقاء، رآهم يعبدون الأصنام فقال لهم؛ ما هذه الأصنام التي أراكم تعبدون؟ قالوا: هذه أصنام نستمطر بها فنمطر، ونستنصر بها فننصر؛ فقال لهم: أفلا تعطوني منها صنما أسير به إلى أرض العرب فيعبدونه؟ فأعطوه صنما يقال له: [هبل] فقدم به مكة فنصبه، وأخذ الناس بعبادته و تعظيمه".[۲]

عمرو بن لُحی الخزاعی سب سے پہلے حجاز میں بتوں کے متعلق مختلف توہمات گھڑنے اور ان کے بارے میں خرافات پر اعتقاد رکھنے کا سبب بنا تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوا تو شام کے علاقے بلقاء گیا جو اس وقت یونانی تسلط میں تھا اپنے علاج کی غرض

---

(۱) انظر: ملامح اسطورية فى الشعر الجاهلي، ص:۴۲

(۲) تفسير قرطبی، ۳۳۸/٦

سے اس نے دیکھا کہ لوگ خاص پتھروں کے آگے جھکتے، بارش طلب کرتے، دشمن پر غلبہ کی مدد بھی مانگتے تھے۔ عمرو بن لُحی نے پوچھا یہ کیسا عمل ہے؟ جواباً انہوں نے کہا: ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ پتھر ہماری حاجات پوری کر سکتے ہیں، عمرو بن لُحی نے ان سے کہا مجھے بھی ایک پتھر دیدو، انہوں نے ایک بت دیا جس کا نام ہبل تھا اس نے لاکر کعبہ کے پاس نصب کر دیا، یوں لوگوں نے اس پتھر سے متعلق حکایات گھڑنی شروع کر دیں اس طرح بتوں کے حوالے سے توہمات نے جنم لیا۔

اس تاریخی قصے سے ثابت ہوتا ہے کہ عمرو بن لحی بلخصوص کعبۃ اللہ میں بت پرستی کا سبب بنا تھا کیونکہ اس نے پہلی بار کعبہ ہی میں بت نصب کیا تھا وگرنہ عرب میں بت پرستی کا رواج پہلے سے ہی پڑ چکا تھا۔

مکہ میں نصب ایک بت مناۃ کو موت کا دیوتا خیال کیا جاتا تھا۔

"و كانت مناة مِن آلهة الموت، و القدر عند البابليين، و تعرف بإسم "مامناتو" و كانت الأوس، و الخزرج يحجون إليه و يحلقون رؤسهم إلّا عنده".[۱]

ترجمہ: اہل بابل کے ہاں منات موت اور تقدیر کے دیوتاؤں میں سے ایک تھا اور اسے "مامناتو" نام سے جاتا تھا، قبیلہ اوس وخزرج کے لوگ اس کا حج کرتے اور اپنے سر کا حلق اسی کے پاس کراتے تھے۔

جاہلی معاشرے میں بتوں کی پوجا کی جاتی، لوگ اسے مقدس خیال کرتے تھے، آدم عَلَيۡهِ ٱلسَّلَامُ کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ زمانہ جاہلیت میں لوگوں نے پتھر اور مٹی سے بنی مورتیوں سے برکت کے حصول کی خاطر عبادت شروع کر دی۔[۲]

عرب قبائل نے اسلام سے قبل پتھروں، درختوں اور پہاڑوں کے بارے میں عجیب وغریب حکایتیں گھڑ رکھی تھیں، بیت اللہ کے قریب واقع دو پہاڑوں صفا اور مروہ کے متعلق یہ تاثر پایا جاتا، دونوں پہاڑ اصل میں مسخ شدہ انسان ہیں، یہ دونوں مرد وعورت تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ممسوخ کرتے ہوئے پہاڑ کر دیا، اسی طرح زمزم کے کنویں کے پاس واقع دو پتھروں اساف اور نائلہ کے متعلق بھی یہی اعتقاد عام تھا کہ یہ ایک مسخ شدہ جوڑا ہے، عرب ان کی عبادت بھی کیا کرتے تھے۔[۳]

جاہلی معاشرے کا فرد اگر یہ ان بعض جمادات کی تعظیم وپرستش کرتا تھا، لیکن عام اعتقاد یہ تھا کہ یہ خدائے تعالیٰ کے ہاں سفارشی ہیں لیکن بہت سارے لوگ ایسے بھی تھے جو یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ یہ بت نفع نقصان دینے پر بھی قادر ہیں، مرداس بن ابی العباس جو کہ ایک جاہلی شاعر تھا، اس کا ذاتی بت ضمار تھا، وہ عبادت کیا کرتا، جب موت قریب آئی تو اپنے بیٹے

---

(۱) ملامح اسطورية فى الشعر الجاهلي، ص:۸

(۲) ایضاً، ص:۸

(۳) انظر: السيرة النبوية لابن هشام، عبد الملك بن هشام (المتوفي: ۲۱۳ھ)، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر، الثانية، ۱۳۷۵ھ، ۸۴/۱

عباس کو بلا کر کہا؛ "اعتبد ضماراً فإنه ينفعک ويضرک" ترجمہ: ضمار کی عبادت کرنا کہ یہ تمہیں نفع ونقصان دینے پر قادر ہے۔[۱]

عرب ان جمادات وحیوانات کو خدا نہیں سمجھتے تھے، یعنی ایسا نہیں تھا کہ وہ ان کو اس کائنات کا خالق خیال کرتے ہوں بلکہ وہ ان کو مبارک اور مقدس سمجھ کر خدا کے ساتھ قرب کا وسیلہ جانتے تھے قرآن کریم نے اسی نکتہ کو بیان کیا:

﴿وَيَعۡبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنفَعُهُمۡ وَيَقُولُونَ هَٰٓؤُلَآءِ شُفَعَٰٓؤُنَا عِندَ ٱللَّهِ ...﴾[۲]

ترجمہ: اور وہ خدا کے علاوہ ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ ضرر دے سکتے ہیں اور نفع دینے پر قادر ہیں وہ کہتے کہ یہ چیزیں خدا کے قرب کا ذریعہ ہیں۔

أبو القاسم الأندلسي[۳] کہتے ہیں:

"و كانت عبادة العرب للأوثان و الأصنام ضرباً من التديّن بدين الصابية فی تعظيم الكواكب، و الأصنام الممثلة بها فی الهياكل، لا علی ما يعتقده الجهال بديانات الأمم؛ و آراء الفرق مِن أن عبدة الأوثان يعتقدون أن الأوثان هی الآلهة الخالقة للعالم".[۴]

ترجمہ: عربوں کا بتوں کی عبادت کرنے کا عمل صابیہ فرقہ کی مانند تھا جو کہ ستاروں اور معبد خانوں میں بتوں کی تعظیم کرتے تھے، بتوں کی عبادت کا مقصد سابقہ اقوام کے ادیان اور مسالک کی آراء سے مختلف تھا جن کے ہاں بتوں کی پرستش اس لیے ہوتی تھی کہ وہ لوگ انہیں کل مخلوقات کا خالق سمجھتے تھے۔

اسی حقیقت کا اعتراف جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے شاہِ حبشہ نجاشی کے سامنے بھی کیا تھا جیسے ابن ہشام نے سیرت میں ذکر کیا:

"أيُها الملک كنا اقواماً جاهلية، نعبد الاصنام و نأكل الميتة، ونأتی الفواحش، ونقطع الأرحام، ونسئی الجوار، و يأكل القوی منّا الضعيف؛ فكنّا علی ذالک حتّی بعث الله

---

(۱) انظر: معجم البلدان، ياقوت بن عبد الله الحموی، دارصادر، طبعة ١٩٩٣ء، ٢٠٤/١

(۲) یونس ۱۸:۱۰

(۳) ابو القاسم صاعد بن احمد اندلسی القرطبی (۴۱۹ھ - ۴۶۲ھ)، صاحب کتاب طبقات الأمم، دیگر کتابوں میں علم الملل والنحل اور علم التاریخ شامل ہیں۔ Encyclopaedia of the History of Science, pg # ۱۹۱۱

(۴) طبقات الأمم، ابو القاسم صاعد الأندلسی(٤٦٢ھ)، دارالمعارف مصر، تحقيق حسين مؤنس، طبعة ١٩٩٣ء، ص:٤٢

إلينا رسولاً منّا نعرف نسبه وصدقه وأمانته وعفافه؛ فدعانا إلى الله لنوحده و نعبده و نخلع ماكنّا نعبد نحن و آباؤنا من دونه من الحجارة و الأوثاون".[۱]

ترجمہ: اے بادشاہ ہم جاہل قوم، بتوں کی پوجا کرنے والے تھے، مردہ جانور کھاتے، فواحش کا ارتکاب کرتے، اقرباء سے قطع رحمی کرتے، پڑوسیوں کی حق تلفی کرتے اور طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا، ہم یہاں تک آگئے کہ اللہ نے ایسے شخص کو رسول بنا کر مبعوث کیا جس کے حسب ونسب، صداقت، امانتداری اور پاکیزگی کے ہم گواہ تھے، انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا کہ ہم خدائے تعالیٰ کو واحد مانیں، اس کو معبود جانے اور ان پتھروں اور بتوں سے دستبرداری اختیار کریں جن کی ہمارے آباؤاجداد عبادت کرتے تھے۔

قبائلی معاشرہ پہاڑوں کے متعلق الگ الگ توہمات کا شکار تھا، جبل ابی قبیس کے بارے میں وہ اعتقاد رکھتے تھے اس کے پاس جا کر دعا مانگنے سے سر کا درد ختم ہو جاتا ہے اور جبل خود قور کی تاثیر یہ بتائی جاتی کہ یہ پہاڑ معلم السحر ہے، اگر کسی شخص کو جادو سیکھنا ہو تو وہ یہاں آیا کرے اور مراقبہ کیا کرے، اس طرح وہ جادو سیکھ جائے گا۔[۲]

زمانہ جاہلیت کے قبائلی لوگ آٹے اور دیگر کھانے کی اشیا سے بھی بت بناتے تھے، اس سے وہ رزق میں برکت کا شگون حاصل کرتے تھے، وہ بت جو آٹے وغیرہ سے گوندھا جاتا اس کو کھانے سے اجتناب کرتے اور بدبختی کی علامت قرار دیتے تھے، لیکن قحط اور بھوک کے موسم میں مجبوراً اس کو کھانا بھی پڑ جاتا تھا، قبیلہ بنو حنیفہ نے ایک ایسے آٹے کے بنے ہوئے بت کو کھالیا تھا جس پر ایک شاعر نے کہا تھا:

أكلت حنيفة ربها   زمن التقحم المجاعة

لم يحذروا من ربهم   سوء العواقب والتباعة[۳]

ترجمہ: بنو حنیفہ نے قحط اور بھوک کے موسم میں اپنے رب کو کھالیا، وہ اپنے رب کی جانب سے برے انجام اور مصیبت سے نہ ڈرے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ عرب بعض بتوں کے اندر سے کلام سننے کا دعویٰ بھی کرتے تھے، اور بعض پہاڑوں کو اس طرح مخاطب کرتے تھے جس طرح کسی جاندار انسان کو مخاطب کیا جاتا ہے، مکہ کے پاس ایک پہاڑ تھا جس کا نام ثبیر تھا، اس کے قریب جا کر وہ اسے کہتے: " أَشْرِقْ ياثبير كما نُغير "اے ثبیر طلوع تا کہ ہم حملہ کر سکیں (یا اونٹ کو قربان کر سکیں)، چونکہ سورج ثبیر

---

(۱) السيرة النبوية لابن هشام، ۱/ ۲۵۹

(۲) انظر: ایضاً، ص: ۱۶

(۳) البدأ والتاريخ، المطهر بن طاهر المقدسى، مكتبة اثقافة الدنيية، بورسعيد، طبعة ۲۰۱۰ء، ۲۳/۴

پہاڑ کی جانب سے طلوع ہوتا تھا تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس کو اگانے والا یہی پہاڑ ہے جس کے اندر دنیا کو روشن کرنے کی صلاحیت ہے۔[۱]

بتوں کے بارے میں توہماتی اعتقاد تھا کہ جو شخص ان بتوں کو جھٹلائے اور ان سے منسوب خرافات کو غلط کہے تو اس پر مصیبتیں نازل ہو جاتی ہیں، وہ شخص اندھا ہو سکتا ہے، اسے برص یا جذام کا موذی مرض بھی لاحق ہو سکتا ہے، ایک صحابیہ حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا تو اس کے کچھ عرصے بعد ان کی بینائی رخصت ہو گئی، اس پر قریش نے کہا کہ: "ما أذهب بصرها اِلاّ اللات والعزّی" ترجمہ: اس کی بینائی کو لات و عزی نے چھینا ہے۔[۲]

اسلام سے قبل بعض عرب یہ خیال کرتے تھے کہ پتھروں کے اندر ہماری طرح کی زندگی ہوتی ہے، وہ سن سکتے ہیں اور ہماری مدد کرنے پر بھی قادر ہیں، عرب پہلی اقوام کے مسخ ہو کر پتھر بن جانے کے بارے میں علم رکھتے تھے، اگرچہ جمادات سن نہیں سکتے اور نہ ہی مسخ ہو جانے والوں کی اولاد کا سلسلہ آگے چل سکتا ہے لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ اعتقاد بھی سرایت ہو گیا کہ یہ پتھر سنتے بھی ہیں اور مسخ اقوام کی اولاد کا سلسلہ بھی آگے چل رہا ہے۔

چوتھی صدی کے ادیب اور مؤرخ جاحظ[۳] اسی عقیدے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ومنهم زعم أنه يبقى ويتناسل حتى جعل الضب والأرانب والكلاب من أولاد تلك الأمم التى مسخت فى هذه الصور".[۴]

ترجمہ: انہی میں سے کچھ کا گمان تھا کہ وہ باقی رہے گا اور اس کی نسل بھی چلتی رہے گی اور وہ گوہ، خرگوش اور کتوں کو انہی مسخ شدہ قوموں کی اولاد سمجھتے تھے۔

شجر پرستی:

عرب جمادات کے علاوہ اشجار کے حوالے سے عرب عجیب و غریب توہمات کا شکار تھے، جزیرہ عرب میں کئی ایسے درخت تھے جن کی عبادت کی جاتی تھی اور انہیں جانداروں کی طرح گمان کیا جاتا تھا، ان درختوں میں سے کھجور کو بھی احترام

---

(۱) انظر: كتاب الأصنام، هشام بن محمد الكلبى، دارلكتب المصرية، طبعة ١٩٩٥ء، ص:١٢

(۲) انظر: السيرة النبوية لابن هشام، ٣٤/١

(۳) جاحظ ابو عثمان عمر بن بحر بن محبوب بصری (۱۶۰ھ بمطابق ۷۷۵ء - ۲۵۵ھ بمطابق ۸۶۸ء)، دورِ عباسی میں عربی زبان کا مشہور ادیب تھا۔ آنکھوں کے بدوضع اور اُبھری ہوئی ہونے کی وجہ سے جاحظ کہلایا، معتزلی عقائد کا حامل رہا۔ جاحظ کی تصانیف کی تعداد دو سو سے زائد ہے۔ البیان والتبیین، کتاب الحیوان، فضل السودات علی البیضات وغیرہ۔ (المختصر فى اخبار البشر، ابوالفداء عماد الدين اسماعيل بن على، المتوفى:٧٣٢ھ، المطبعة الحسينية المصرية، الأولى،٤٧/٢)

(۴) الحيوان، جاحظ، تحقيق عبدالسلام هارون، ناشر مصطفى الحلبى، طبعة ١٩٦٥ء، ٢٣/٤

کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، عرب کہتے تھے کہ کھجور کا درخت انسانوں کو سن سکتا ہے اور ان کی باتوں کو سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے، جب کوئی کھجور کا درخت کسی سال پھل نہ دیتا تو اس کا مالک کلہاڑا لے کر اس کے پاس جاتا اور یہ مکالمہ کرتا جس کے بعد اگلے سال وہ درخت خوب پھل دیتا۔ محمود شکري [1] نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

"إنی أريد قطع هذه الشجرة لأنها لا تثمر؛ فيقول الأخر: لاتفصل فانها تثمر هذه السّنة، فيقول الرجل: إنها لاتفعل شيأً، و يضربها ضربتين أو ثلاثاً، فيمسک الأخر بيده و يقول: لاتفعل فإنها شجرة حسنة و اصبر عليها هذه السّنة، فإن لم تثمر فاصنع بها ماشئت؛ قال فإذا فعل ذالک فإن الشجرة تثمر ثمراً كثيراً؛ و كذالک غير النخل من الاشجار إذا فعل بهذا يثمر". [2]

ترجمہ: میں اس درخت کو کاٹ دینا چاہتا ہوں کیونکہ یہ پھل نہیں دیتا، دوسرا شخص کہتا: ایسا مت کرو یہ اس سال ضرور پھل دے گا، مالک کہتا: یہ کچھ نہیں کرتا اور پھر اس پر کلہاڑے سے دو تین ضربیں لگاتا، دوسرا شخص اس کا ہاتھ پکڑ کر روکتا اور بولتا: نہ کرو یہ ایک اچھا درخت ہے، اس سال صبر کر لو اگر یہ پھل نہ دے تو جو تمہارا جی چاہے اس کے ساتھ کر دو، اس مکالمے کے بعد وہ درخت بہت پھل دیتا تھا، یہ صرف کھجور کا معاملہ نہیں تھا بلکہ ہر اس درخت کے ساتھ اسی طرح کیا جاتا ہے اور وہ پھل دید تا تھا۔

بعض درختوں کے اندر مخفی طاقتوں کے وجود کا وہم بھی پایا جاتا تھا، عرب بعض درختوں کو سفر پہ جاتے وقت اپنی بیویوں پر نگران مقرر کر جاتے تھے۔ محمود شکري نے اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا:

"إن العرب فی الجاهليته كانوا إذا أراد أحدهم أن يسافر عن حليلته، عمد إلى هذه الشجرة و شد غصناً منها إلى الآخر و تركها، فإذا عاد من سفره ذهب إليها، فإن وجدها بحالهما مشدودين، استدبهما على أن حليلته ماخنته فی غيبته، و إن وجد هما محلولين استدل بهما على خيانتها." [3]

---

(۱) محمود بن عبد اللہ بن شہاب الدین شکري الآلوسي (۱۸۵۶ء-۱۹۲۴ء)، عراقی ادیب و مورخ اور کثیر التصانیف ہیں۔ مشہور کتابوں میں "تجرید السنان في الذب عن أبي حنيفة النعمان" وغیرہ شامل ہے۔ (البغداديون أخبارهم ومجالسهم، إبراهيم عبد الغني البغدادي، مطبعة الرابطة بغداد، ۱۹۸۵ء، ص:۲٦)

(۲) بلوغ الأرب في معرفة أحوال العرب، محمود شكري البغدادی، تحقيق:محمد بهجة الأثرى، دارالكتاب المصرى، طبعة ۱۹۹٦ء، ۳۱٦/۲

(۳) ایضاً، ۳۱٦/۳

ترجمہ: زمانہ جاہلیت میں اہل عرب سے کوئی سفر کی نیت کرتا تو درخت کی طرف جاتا اور اس کی دو ٹہنیوں کو آپس میں باندھ دیتا، سفر سے واپس آکر وہ اس درخت کی جانب جا کر دیکھتا ٹہنیاں کس حالت میں ہیں، اگر وہ تاحال بندھی ہوئی ہوتیں تو یہ دلالت ہوتی کہ بیوی شوہر کی عدم موجودگی میں خائنہ ثابت نہیں ہوئی، بر عکس اگر وہ کھلی ہوئی ملتیں تو مراد یہ لیا جاتا کہ بیوی نے خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔

مکہ سے دور یمن کے پاس ایک مقام تھا جسے "ذوالخلصہ" کہا جاتا تھا، اس مقام کو بھی کعبہ کی طرح کا تقدس حاصل تھا، اس جگہ پر دو چیزیں اہم تھیں، ایک بُت اور دوسرا درخت، اس درخت کو شجرۂ ذوالخلصہ کہا جاتا، عرب اس کے متعلق بھی وہی سوچ رکھتے تھے جو شجرۂ ذات انواط سے متعلق تھی، اس مقام پر لوگ شگون حاصل کرنے کے لیے بھی آتے تھے، یہاں قرعہ ڈالا جاتا اور جو نتیجہ نکلتا اس کو درست مان لیا جاتا تھا اور اس پر عمل کیا جاتا، جب مشہور جاہلی شاعر امرؤ القیس[1] کے باپ کا قتل ہوا جو عیسائی تھا تو وہ اپنے والد کا بدلہ لینے یا نہ لینے کے حوالے سے متذبذب تھا، وہ ذوالخلصہ آیا اور یہاں اس نے قرعہ ڈالا، جواب میں اس کی خواہش کے بر عکس یہ نتیجہ نکلا کہ وہ بدلے میں قتل نہ کرے، امرؤ القیس کو غصہ آیا، اس نے ذوالخلصہ بت کو گالی اور پتھر مارا اور پھر اسے مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا:

لو كنتَ يا ذاالخلص الموتورا   مثلى وكان شيخك المقبورا

لِمَ تَنْهَ عن قتلِ العُداة زُورا[2]

ترجمہ: اے ذوالخلص اگر تو میری طرح ہوتا کہ جس کا شیخ مار دیا گیا ہو اور وہ قبر میں مدفون ہو تو کبھی بھی ناحق قتل کرنے والے دشمنوں کو نہ چھوڑتا۔

درختوں کے بارے میں بھی توہم پرستی عروج پر تھی، اس دور میں مکہ کے قریب ایک بہت بڑا سرسبز و شاداب درخت تھا جسے "ذات أنواط" کہا جاتا تھا، اس کے بارے میں عرب اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ ان کی حاجات پوری کر سکتا ہے نیز سال

---

(۱) امرؤ القیس بن حجر الکندي، (۴۹۷ء-۵۴۵ء) عرب کے مشہور شعراء میں سے ایک ہے. یماني الأصل ہے۔ نجد میں پیدا ہوا اور اپنے لقب سے ہی مشہور ہوا۔ (تاريخ دمشق، أبو القاسم علي بن الحسن المعروف بابن عساكر، (۵۷۱ھ)، دار الفكر،للطباعة و النشر و التوزيع، ۱٤۱٥ھ، ۲۲۲/۹)

(۲) كتاب الأصنام، ص:۳٥

میں یک بار گی حاضری سے لاتعداد فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں، یوں اہل عرب سال میں ایک دفعہ وہاں ضرور حاضر ہوتے، اس کی ٹہنیوں کے ساتھ اپنا ہتھیار باندھتے، اس کے سائے میں جانور ذبح کرتے اور ایک دن کا اعتکاف کرتے تھے۔[۱]

ارواح پرستی:

اسلام سے قبل جزیرہ عرب میں ارواح اور جنّات کے ساتھ بھی شگون اور بدشگونی کی متعدد خرافات اور حکایتیں منسوب تھیں، فطرت کے تمام مناظر اور اشیا میں ارواح کا کم اور جنات کا زیادہ تصرف ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کیا جاتا تھا، مثلاً ایک توہم یہ بھی تھا کہ جب کوئی مؤنث جانور تالاب میں پانی پلانے کے لیے لایا جاتا اور وہ پینے سے منع کر دیتا تو تالاب میں اس کے مذکر جانور کو چھوڑا جاتا تاکہ اس کے پیچھے مؤنث بھی چل پڑے، اگر اس صورت میں بھی وہ پانی پینے پر مائل نہ ہوتا تو یہ مان لیا جاتا کہ مذکورہ جانور پر جنات کا اثر ہو گیا ہے، وہی اس کو پانی پینے سے روک رہے ہیں۔[۲]

جاہلی معاشرے کا فرد ایک ایسے ماحول میں زندگی گزارتا تھا جس میں معبود (بُت) اور ارواح ہر شے میں دخیل سمجھے جاتے تھے، اس لیے جاہل انسان بعض نباتات، جمادات اور حیوانات میں مخفی قوتوں کا قائل ہو گیا تھا، جو عام انسانی قوتوں اور صلاحیتوں سے ماوراء ہوتی تھیں۔

مشہور ناقد اور مؤرخ الازرقی[۳] ارواح پرستی کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"كان الشخص الجاهلى يعيش فى عصر تنبعث فيه الآلهة والأرواح فى كل شئ حوله، فآمن بقوى خفية كثيرة فى بعض النباتات، والجمادات و الحيوانات، ونسب إليها قدرة تفوق قدرة الانسان".[۴]

ترجمہ: جاہلی فرد ایک ایسے معاشرے میں رہتا تھا کہ جس میں ہر طرف معبودوں اور ارواح کا بسیرا تھا، لہٰذا وہ کئی نباتات، جمادات اور حیوانات میں مخصوص مخفی قوتوں کے وجود کا اعتقاد رکھتا تھا اور اس کی طرف انسان سے بڑی اور ماورائی طاقتوں کی نسبت کرتا تھا۔

جنات کی تاثیر پر اعتقاد قبائلی معاشرے کی زندگی کا جزو لازمی تھا، وہ جناتی مخلوق سے ہر وقت خائف رہتے تھے اور ان کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے تدابیر اختیار کرتے، اس بارے قبائل میں کئی قسم کی حکایتیں مشہور تھیں، انہیں ہر وقت یہ

---

(۱) انظر: أخبار مكة وما جاء فيها من الأثار، أبو الوليد محمد بن عبد الله الأزرقي (۲۵۰ھ)، المحقق: رشدي الصالح ملحس، دار الأندلس، بيروت، ص:۷۷

(۲) انظر: الحيوان لجاحظ، ۱/۱۸

(۳) محمد بن عبد اللہ الأزرقی مشہور مؤرخ، یمانی الأصل تھے۔ (معجم المؤلفين، ۱۰/۱۹۸)

(۴) أخبار مكة وما جاء فيها من الأثار، ص:٦٦

اندیشہ رہتا تھا کہ جنات ان کے یا ان کے جانوروں میں حلول نہ کر جائیں یا ان کے بچوں کو غائب نہ کر دیں، بلکہ جنات کے ساتھ مقابلہ اور تفاخر اس حد تک تھا کہ ان کے خیال میں انسانوں اور جنوں کی آپس میں لڑائی بھی ممکن ہے، علقمہ بن صفوان بن امیہ یوں مشہور تھا کہ اس کی جن کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی، جس کے نتیجے میں دونوں کی موت واقع ہو گئی، جاہلی شاعر تأبط شراً کے متعلق کہا جاتا تھا:

"أنه رأى كبشاً في الصحراء، فاحتمله تحت إبطه، فجعل يبول طول الطريق عليه فلما قرب من الحيّ ثقل عليه، فرأى به فإذا هو الغول".[1]

ترجمہ: تابط شراً نے صحراء میں ایک مینڈھے کو دیکھا، اس کو پکڑ کر اپنی بغل میں داب لیا، مینڈھا سارا رستہ پیشاب کرتا گیا، جب شاعر بستی کے قریب پہنچا تو اچانک مینڈھا بھاری ہو گیا، جب اس نے دیکھا تو وہ جن تھا۔

بعض لوگ جنات کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے بھی اپنے قبائل کے نام ان کے ناموں پر رکھ لیا کرتے تھے، اور قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ جنات کی عبادت بھی کرتی تھی تاکہ جنات ان پر رحم کریں اور کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں، قبیلہ بنو مالک، بنو شیعیان اور بنو یربوع کو جنات کے قبائل کہا جاتا تھا۔ مشہور تھا کہ عمرو بن یربوع نے ایک جنیہ سے شادی کی تھی اور اس سے ان کے بچے پیدا ہوئے جو بنو یربوع کہلائے:

"إنّ عمرو بن يربوع تزوج الغول، و أولدها بنين، و مكثت عنده دهراً؛ فكانت تقول له: إذ الاح البرق من جهته بلادی، و هی جهته كذا فاستره عنیّ، فإن لم تستره عنّی تركت ولدک علیک، و طرتُ إلی بلاد قومی، فكان عمرو بن يربوع كلّما برق البرق غطی وجهها بردائه فلا تبصره".[2]

ترجمہ: عمرو بن یربوع نے ایک جنیہ سے نکاح کیا تھا اس سے بہت بچوں نے جنم لیا، وہ جنیہ اس کے ساتھ طویل عرصہ ٹھہری رہی، وہ اس سے کہتی: جب اس سمت سے بجلی چمکے تو اسے میری آنکھوں سے دور رکھنا، اگر ایسا نہیں کرو گے تو تمہارا بیٹا تمہارے پاس چھوڑ کر اپنی قوم کی جانب اڑ جاؤں گی، جب بھی بجلی چمکتی تو عمرو بن یربوع اپنی چادر سے اس کا چہرہ ڈھانپ لیتا، یوں وہ بجلی کو دیکھ نہ پاتی۔

جنات اہل عرب کے نزدیک شر اور بدی کا استعارہ تھے، جہاں وہ ان سے سخت نفرت کرتے وہیں جنات کے طاقتور ہونے کے باعث ان سے پناہ و استمداد لیتے اور ان کے نام پر جانور بھی قربان کرتے، بغدادی کہتے ہیں:

---

(۱) بلوغ الأرب، ۳٤٥/۲

(۲) ایضاً، ۳٤٠/۳

"و إذا طالت علة الواحد منهم ظنوا به مساس من الجن؛ و إذا قتل حية أويربوعاً أوقنفذاً صنعوا جمالاً من طين وجعلوا عليها جوالق وملأوها حنطة وشعيراً أو تمراً، و جعلوا تلك الجمال فی باب حجرٍ إلى جهته الغرب وقت غروب الشمس، و باتوا ليلتهم تلک؛ فإذا أصبحوا نظروا تلک الجمال فإذا رأوا أنها بحالها قالوا؛ لم تقبل الدية فزادوا فيها، و إن رأوها قد تساقطت و تبدد ما عليها من الميرة، قالوا: قد قبلت الدية و فرحوا و ضربوا بالدف، و إذا کان الشئ المقدس من النبات حرموا إحراق عيدانه".[۱]

ترجمہ: اگر کسی شخص کی بیماری کی مدت طویل ہو جاتی تو وہ گمان کرتے کہ اس پر جن کا سایہ ہو گیا ہے، اور اگر کوئی شخص سانپ، جنگلی چوہے یا خارپشت کو مار دیتا تو اس کے بدلے میں مٹی سے ایک اونٹ بنایا جاتا اس کے اوپر ایک کجاوار کھا جاتا جسے گندم اور جو یا کھجور کے ساتھ بھر دیا جاتا، پھر اس کو غروب کے وقت مغربی سمت میں ایک سوراخ کے آگے رکھ دیا جاتا، اس کے بعد وہ رات وہیں گزاری جاتی، صبح کے وقت اونٹوں کو دیکھتے، اگر وہ اسی طرح اپنی حالت میں موجود ہیں تو کہا جاتا کہ دیت قبول نہیں ہوئی اور نذرانے میں اضافہ کر دیا جاتا، اس کے برعکس اگر اونٹ گراہوا اور اس پر کا نذرانہ بکھرا ہوا ملے تو کہا جاتا دیت قبول ہو گئی، تب وہ بہت خوشی کا اظہار کرتے اور دف بجاتے، اگر کوئی نبات مقدس خیال کی جاتی تو اس کی لکڑی کو جلانے سے گریز کرتے۔

﴿وَجَعَلُوا۟ لِلَّهِ شُرَكَآءَ ٱلْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ ۖ وَخَرَقُوا۟ لَهُۥ بَنِينَ وَبَنَـٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحَـٰنَهُۥ وَتَعَـٰلَىٰ عَمَّا يَصِفُونَ﴾[۲]

ترجمہ: اور لوگوں نے جنات کو اللہ کے ساتھ خدائی میں شریک قرر دے لیا، حالانکہ اللہ نے ہی ان کو تخلیق کیا اور سمجھ بوجھ کے علاوہ اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تراش لیں۔ حالانکہ اللہ ان سب باتوں سے پاک اور بالا و برتر ہے جو وہ اس (اللہ) کی طرف نسبت کرتے ہیں۔

قرآن مجید سے عیاں ہو جاتا ہے کہ عرب میں بعض فرقے ایسے بھی تھے جو جنات اور شیطانوں کی عبادت کرتے تھے اور مصیبت کے وقت ان کو پکارا کرتے تھے اور کائنات میں ان کا تصرف مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس امر کی تردید فرما رہے ہیں ان کو پیدا کرنے والی ذات اللہ ہی ہے، لہٰذا جنات اور فرشتے سب اللہ کی مخلوق ہیں اور مخلوق الہ نہیں ہو سکتے۔ ہو سکتا ہے کہ جنات اور شیاطین کے توجہ دلانے سے مشرکین بتوں اور جنات کی عبادت کرنے لگے اور یہ سمجھتے تھے کہ ان جنات کی ناراضگی ہمارے لیے مشکلات پیدا کر سکتی ہے۔ اس لیے ان کو خوش رکھنا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ یہ لوگ ان سے طرح طرح کی مرادیں مانگتے، ان کے آگے سجدے کرنے لگے۔

---

(۱) بلوغ الأرب، ۳/۳٤۲

(۲) الأنعام ۶:۱۰۰

کواکب پرستی:

عرب چاند ستاروں اور سورج کے متعلق بھی کئی قسم کی توہمات کا شکار نظر آتے تھے۔ مثلاً: سورج ہمیں نئے دانت دیتا ہے جب کسی بچے کا دانت ٹوٹتا تو وہ اس کو اٹھا کر سورج کی جانب اچھالتا اور کہتا: "أبدلینی بھا سنّاً أحسن منھا" ترجمہ: مجھے اس کے بدلے اچھا دانت عطا کرو۔ (۱)

چونکہ سورج کے ساتھ ایک تصرف وابستہ تھا یوں بعض لوگوں نے پوجنا شروع کر دیا تھا، جس طرح کہ ہر وہ شے جس سے کوئی فائدہ ملے اس کی جانب اسی طرح کے توہمات اور اساطیر منسوب کر دیے جاتے۔

زہرہ ستارے کے متعلق عرب یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اس کی طرف دیکھنے سے سرور حاصل ہوگا ہے نیز کوئی عاشق اسے دیکھے تو اس کی جنسی خواہش بڑھتی ہے:

"فالتحدیق بھا یثیر الفرح، و النظر إلیھا یثیر غریزة الجنس؛ إذا کان عاشقاً ". (۲)

ترجمہ: اس کی طرف غور سے دیکھنا خوشی کا باعث اور اس پر نظر ڈالنا جنسی خواہش کو بڑھا دیتا ہے اگر عاشق ہو۔

زہرہ ستارے کے بارے میں یہ خرافاتی حکایت بھی مشہور تھی کہ یہ دراصل عورت تھی جس پر ہاروت اور ماروت دو فرشتے عاشق ہوئے تھے۔ ھبوط زمین کے بعد، انسان اچھے اور برے اعمال کرتے تو فرشتے طنز کرتے کہ کیا یہی وہ مخلوق ہے جس کو تعریف و توصیف سے مزین کیا گیا، آزمائش تکوینی کی خاطر دو فرشتوں کو زمین پر انسانی شکل میں بھیج دیا، وہ فرشتے ہاروت اور ماروت تھے۔ یہ دونوں زمین پر زہرہ نامی عورت کے عشق میں مبتلا ہو گئے، تب انہیں احساس ہوا کہ وہ غلط تھے، پھر جب آسمان کو واپس جانے لگے تو زہرہ نے ان سے آسمان پر چڑھنے کا کلام پوچھا انہوں نے بتا دیا تو زہرہ اسے پڑھ کر آسمان پر چلی گئی وہاں جانے کے بعد اسے کلام بھول گیا، تو وہ وہیں کی ہو کر رہ گئی اور ستارہ بن گئی۔ (۳)

وحشی اور جاہلی معاشروں میں ہر طاقتور شے کو مقدس مان لیا جاتا تھا۔ عربوں میں سے جو لوگ آسمانی مخلوقات کی پوجا کرتے تھے یا خیال کرتے تھے کہ خدا آسمان میں موجود ہے وہ لوگ آگ کو بھی بابرکت سمجھتے تھے، کیونکہ آسمان میں جو بادل گرجتے اور بجلی چمکتی تو اس آگ کی طرح کی بجلی کو خدائی نظارہ تصور کر لیا جاتا تھا کہ یہی آگ یا بجلی زمین پر بارش کے برسنے کا ذریعہ ہے جس سے صحرائی فرد کو پانی حاصل ہوتا ہے اور قحط زائل ہوتا ہے، گویا آسمان پر آگ اور بجلی کا ظہور قبائلی فرد کے

---

(۱) انظر: تاریخ العرب قبل الاسلام، جواد علی، دار بیروت لبنان، طبعة ۲۰۰۲ء، ۱۲۳/۵

(۲) عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات، زکریا بن محمد القزوینی، (۶۸۲ھ)، بیروت لبنان، طبع الاولی ۱۴۲۱ھ، ص:۲۲

(۳) تفسیر الطبری، محمد بن جریر الطبری، مؤسسة الرسالة، تحقیق عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، طبعة ۲۰۰۱ء، ۳۴۳/۱

لیے خیر کا باعث تھا، پھر یہی آگ جب انہیں درخت اور پتھر میں بھی نظر آتی تو اس کے متعلق یہ توہم مزید پختہ ہو گیا کہ یہ انسانوں کے لیے مبارک شے ہے، یوں بعض لوگ اس کو مقدس اور خدا کا نظارہ مان کر اس کی پوجا میں مصروف ہو گئے۔

انہوں نے اس کے متعلق جھوٹی کہانیاں بھی گھڑ رکھی تھیں:

"لما قتل قابيل أخاه هابيل، و هرب من أبيه آدم إلى اليمن جاءه ابليس و قال له: إنما قبل قربان هابيل و أكلته النار؛ لأنه كان يخدمها و يعبدها، فانصب أنت أيضاً ناراً تكون لک و لعقبک، فبنى بيت نار". (۱)

ترجمہ: جس وقت قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو مار دیا تو اپنے والد آدم کے خوف سے یمن بھاگ آیا، یہاں قابیل کے پاس ابلیس آکر کہنے لگا: ہابیل کی قربانی قبول کر لی گئی ہے اسے آگ نے کھالیا ہے کیونکہ وہ اس کی تعظیم کرتا اور عبادت کرتا تھا، تم بھی آگ کی پوجا میں مصروف ہو جاؤ تاکہ تمہارا اور تمارے بعد والوں کا بھلا ہو، قابیل نے پھر ایک آگ کا گھر بنالیا۔

طوتمیہ (Totemism):

اس سے مراد جانوروں کی پوجا سے یا جانوروں کی شکل کے خُدا بنا پوجنا ہے۔ عربوں کے ہاں حیوانات کو تقدس کا درجہ حاصل تھا، ہر حیوان کے ساتھ کوئی نہ کوئی اچھائی یا برائی منسوب ہوتی تھی اور اس سے شگون یا بدشگونی پہ دلالت کی جاتی تھی، عام طور پر حیوانات کے ساتھ اچھائی کی خرافات منسوب تھیں، بلکہ حیوانات کے ساتھ توہم پرستی کی یہ حد تھی کہ بعض قبائل خود کو ان کے ناموس کے ساتھ منسوب کر دیا کرتے تھے، جزیرہ عرب میں کئی ایسے قبائل موجود تھے جو مختلف حیوانات کے ناموں کے ساتھ مصروف تھے جیسے:

"بنو اسد، بنو جعده، بنو ضبع، بنو كلب، بنو بكر، بنو نعامه، بنو ثعلب، بنو فهد، بنو قرد، بنو ذئب، بنو ثور، بنو عنز، بنو جحش." (۲)

حیوانات کو مقدس خیال کرنے کا اعتقاد مصری اور بابلی تہذیبوں میں بھی موجود تھا، اس اعتقاد کو "طوتمیه" کا نام دیا جاتا تھا۔ (طوتمیہ) ہر وہ حیوان ہے جس کو مقدس سمجھ کر پرستش کی جائے، اس اعتقاد کے بارے میں درج ذیل امور مشہور تھے:

(۱) کوئی قبیلہ کسی حیوان کے نام سے انتساب کر لیتا

(۲) قبیلہ اس حیوان کو اپنی نسل کی بنیاد تصور کر لیتا

(۳) حیوان سے منسوب قبیلہ اس حیوان کو نہ ایذا دیتا اور نہ ہی اسے کھاتا

---

(۱) تاريخ الأمم والملوک، محمد بن جرير الطبرى، بيت الأفكار الدولية، طبعة ۱۹۸۹ء، ۸۲/۱

(۲) انساب العرب القدماء، جرجى زيدان، دارالهيئة المصرية، طبعة ۱۹۷۰ء، ص:۲۱

(۴) اس کو چھونا اور اس کو نام کے ساتھ پکارنا حرام سمجھا جاتا

(۵) جب انتساب شدہ حیوان کی موت ہوتی تو اس قبیلہ والے جمع ہو کر ماتم کرتے اور اس کے جسد کو دفن کرتے

(٦) طوتمی حیوان کے بارے یہ تصور پختہ تھا کہ وہ اپنے قبیلے کا دفاع کرتا ہے اور انہیں آنے والے خطرے سے بچاتا ہے کسی علامت کے ذریعے، جیسے تطیر وغیرہ کے عمل سے

(۷) اس طوتمی حیوان کی عبادت کی جاتی

کسی حیوان کے ساتھ قبیلے کی نسبت کی غرض یہ ہوتی، قبائل کو حیوانات کے اثرات سے بچایا جاسکے، عرب گمان کرتے تھے کہ جن اور روحیں انسانوں پر اثر انداز ہوتی ہیں یہاں تک کہ انہیں ہمیشہ کے لیے غائب بھی کر سکتی ہیں، البتہ جنات اور روحیں حیوانات پر اس طرح اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ وہ ان میں حلول (Incarnation) کر جاتیں اور حیوانات کو غائب نہیں کرتے، اس لیے بعض لوگ اپنے قبائل کا نام حیوانات کے نام پر رکھ لیتے اور اس سے شگون حاصل کرتے کہ وہ اس طرح جنات وارواح کے منفی اثرت سے محفوظ ہو جائیں گے۔

کچھ قبائل اس کے علاوہ اپنے بچوں کے نام حیوانات کے نام پر رکھ لیا کرتے تھے، اس سے ان کا مقصد اپنے بچوں کو نظر بد اور جنات کے اثر سے بچانا ہوتا تھا۔ القلقشندی[1] نے اسی کو بتایا:

"قيل لأبى قيش الأعرابى؛ لم تسمون أبناء كم بشر الأسماء نحوكلب و ذئب، و عبيد كم أحسنها نحو مرزوق ورباح، فقال؛ إنما نسمّى أبناءنا لأعداءنا، و عبيدنا لأنفسنا".[2]

ترجمہ: ابو قیش اعرابی سے پوچھا گیا کہ تم لوگ اپنے بیٹوں کے برے نام رکھتے ہو جیسے کلب اور ذئب، جبکہ اپنے غلاموں کے اچھے اچھے نام منتخب کرتے ہو جیسے مرزوق اور رباح، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس نے جوابدیا ہم اپنے بیٹوں کے نام دشمن کی وجہ سے رکھتے ہیں اور غلاموں کے نام اپنی خاطر رکھتے ہیں، یعنی بیٹوں کے نام اس لیے برے رکھتے ہیں تاکہ دشمن کی نظر نہ لگے اور غلاموں کے اچھے نام اپنے طیب خاطر کے لیے رکھتے ہیں۔

---

(۱) القلقشندی، شہاب الدین احمد بن علی، (۷٦۵ھ-۸۲۱ھ) قاھرہ، اسکندریہ میں تحصیل علم میں مصروف رہے، شہرہ آفاق کتاب صبح الأعشى في صناعة الإنشا، یہ کتاب ادب میں موسوعۃ کی حیثیت رکھتی ہے۔ (معجم المؤلفين، ۳۱۷/۱)

(۲) صبح الأعشى، أبو العباس أحمد القلقشندي، دارالكتب المصرية، طبعة ۱٤۳۰ھ، ۳۱۳/۱

عرب جس جانور کی طرف اپنے قبیلے کا انتخاب کرتے، یعنی حیوان طوطمی، اس کو وہ حقیقی نام کے ساتھ نہیں پکارتے تھے، مثلاً شیر کو "**ابو الحارث** "کہتے، بھیڑے کو "**ابن آوی**"، گوہ کو " **أم عامر**"، اور کوّے کو "**حاتم**" کہہ کر پکارتے تھے۔ (۱)

حیوانات سے احترام کا تعلق اور ان کے حقوق اسلام نے متعارف کروائے اگرچہ یہاں نیت جاہلیت میں شرک کی طرف سے مائل کرنے والی نہیں تھی۔ ایک قصہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ (۲) کی طرف منسوب ہے:

"بينما عمر بن عبدالعزيز يمشى فى أرض فلاة فإذا حيّة ميتة فكفنها بفضلة من درائه ودفنها". (۳)

ترجمہ: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک ویران زمین پر چل رہے تھے اچانک انہوں نے ایک مردہ سانپ دیکھا، اسے انہوں نے اپنی چادر کے ایک ٹکڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب منسوب ہے:

"إنه كان نفرٌ من اصحاب رسول الله يمشون فرفع لهم إعصار، ثم جاء إعصار اعظم منه؛ ثم انقشع فإذا حية قتيل، فعمد رجل منّا إلى ردائه فشقّه و كفن الحية ببعضه و دفنها". (۴)

ترجمہ: اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کچھ لوگ کہیں جا رہے تھے، اچانک آندھی چل پڑی، تھوڑی دیر بعد اس سے بڑی آندھی چلی، پھر جب غبار چھٹا تو ایک ہلاک شدہ سانپ سامنے تھا، ہم میں سے ایک شخص آگے بڑھا، اس نے اپنی چادر سے ایک ٹکڑا پھاڑا اور سانپ کو اس میں لپیٹ کر دفن کر دیا۔

---

(۱) الحيوان، ۱۳٦/۳

(۲) عمر بن عبد العزیز بن مروان الاموی (۱۰۱ھ) ولید کے عہد میں انہیں مدینہ کا گورنر بنایا گیا تھا۔ اور سلیمان کے ساتھ بھی وزیر کے طور پر رہے۔ بعد ازاں انہیں خلیفہ بنا دیا گیا۔ (تقريب التهذيب، أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد حجر العسقلاني، سوريا، الطبعة الأولى، ١٤٠٦ھ، ص:٢٥٥)

(۳) الحيوان، ص:۱۳٦/۳

(۴) الروض الأنف في شرح السيرة النبوية، أبو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله السهيلي (٥٨١ھ)، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الأولى، ١٤١٢ھ، ١٣٦/١

ان دونوں قصوں میں حیوانات کے ساتھ احترام کا درس ضرور ملتا ہے۔ جبکہ زمانہ جاہلیت سے متعلق طوتمی حیوان یعنی حیوان کی طرف قبیلہ کا انتساب کرنا، یہ امر ممنوع ہے اور زمانہ جاہلیت کے انتسابِ حیوانات کے بارے میں اعتقاد رکھا جاتا تھا وہ اپنے قبیلے کے افراد کا معجزاتی طور پر تحفظ بھی کرتا ہے۔

کتاب عجائب المخلوقات میں جانوروں پر بداعتقادی سے متعلق حکایت منقول ہے:

"خرج عبيد بن الأبرص يريد الشام، فلما كان ببعض الطريق عرض له شجاع يلهث عطشاً؛ فعمد عبيد إلى رابية و نزل عن بعيره وسقى الشجاع حتى روى، ثم مضى حتى أتى الشام، و قضى حاجته و انصرف، فإذا فى بعض الليالى أضل بعيره و نكب عن الطريق وساء ظنه، فرأى بعيراً فاستوى على ظهره، فلم يلهث أن رأى باب داره، و كان على مسيرة عشرين مرحلة".[۱]

ترجمہ: عبید بن الابرص[۲] شام کی طرف سفر پر جارہا تھا، راستے کے درمیان میں ایک شیر سامنے آیا جو تشنگی کی تکلیف سے ہانپ رہا تھا، عبید ایک ٹیلے کی جانب گیا، اونٹ سے اترا اور شیر کو پانی پلایا یہاں تک کہ وہ سیر ہو گیا، پھر وہ اپنی راہ پر چل پڑا، شام پہنچا، اپنا کام سر انجام دیا اور واپس ہو لیا، ایک رات اس کا اونٹ گم ہو گیا اور عبید راستہ بھٹک گیا، اسے برے خیالات آنے لگے، اچانک اس نے ایک اونٹ دیکھا، وہ اس پر سوار ہو گیا اور پلک جھپکتے ہی وہ اپنے گھر کے دروازے پر تھا حالانکہ اس کا گھر بیس کوس دور تھا۔

"و حكى بعض الرواة أنه نزل وادياً بغنمه، فسلب ذئب شاةً من غنمه، فجاء الذئب بالشاة و تركها."

و تذكر أسطورة متأخرة، أن العربى رأى الإله يغوث يدافع عن قبيلته فى ساحة القتال. كما قال الشاعر:

وسارбна يغوث مراد فنا جزينا هم قبل الصباح[۳]

---

(۱) عجائب المخلوقات، للقزوینی، ص: ۳۱۳

(۲) عبید بن الابرص بن عوف الاسدی کا ہجرت سے تقریباً ۲۵ سال قبل انتقال ہوا۔ کنیت ابو زیاد تھی۔ مضر قبیلے سے تعلق تھا۔ جاہلیت کے شعراء اور حکماء میں سے تھے۔ اس کا ایک شعری دیوان بھی ہے۔ اس کا معلقہ عشرہ معلقات کے میں شامل ہے یہ امرؤالقیس کا ہمعصر تھا۔(تاريخ الأدب العربى العصر الجاهلي،أحمد شوقي عبد السلام ضيف، دار المعارف ۱۹٦۰ء، ص:۲٤۸)

(۳) کتاب الاصنام، ص:۲۳

ترجمہ: عُبید اپنے مویشیوں کے ساتھ وادی میں موجود تھا، اچانک بھیڑیا اس کی ایک بکری اُچک کر لے گیا، تھوڑی ہی دیر میں ایک اور بھیڑیا اس کی بکری کو واپس لاکر چھوڑ گیا۔ خرافتی حکایت یہ ذکر کی جاتی کہ ایک عرب قبائلی نے اپنے معبود یغوث کو میدان جنگ میں اس کے قبیلے کا دفاع کرتے ہوئے دیکھا، اسی کے بارے میں شاعر نے بھی کہا: ہمارے ساتھ یغوث منزل کی طرف چلا، پس ہم نے دشمن کو صبح سے پہلے شکست دیدی۔

شگون یا بد شگونی کے پیش نظر اپنے قبائل کے نام صرف حیوانات کے ناموں تک محدود نہیں تھے بلکہ اپنے بتوں یا معبودوں کے نام پر بھی قبائل کے نام رکھ لیے جاتے تھے، جزیرہ عرب میں ایسے بہت سارے قبائل تھے جن کی نسبت اپنے معبودوں کی جانب تھی، اس کا مقصد نیک شگون کا حصول تھا۔ بعض قبائل کے نام یہ تھے: بنو هلال، بنو بدر، بنو شمس، بنو نهم، بنو غنم. اسلام سے قبل یہ قبائل ان چیزوں کی پرستش کرتے تھے اور انہی کی طرف اپنے قبائل کا انتساب بھی کر لیا تھا۔ (۱)

مختلف جانوروں اور پرندوں سے برا شگون بھی لیا جاتا تھا، ایسا بیل جس کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں کو لوگ برا شگون سمجھتے تھے، ایسے ہی کوے کو بھی بد شگونی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

روایات میں یہ ذکر بھی ملتا ہے کہ نیک شگون کے حصول کے لیے عرب اپنے گھروں یا اجتماعی مجالس کے نام حیوانات کے نام پر رکھا کرتے تھے، قبیلہ بنی کلاب کے ہاں ایک بیٹھک دارۃ الذئب کے نام سے موجود تھی، اسی نام کی ایک مجلس بنو الاَضبط کے ہاں بھی بنائی گئی تھی، جبکہ بنو جعفر قبیلہ میں دارۃ الکبشات کے نام سے ایک اجتماعی مجلس بنائی گئی تھی۔ (۲)

عرب جن پرندوں سے بد شگونی لیتے ان میں سے ایک کوا بھی تھا، کوے کو دیکھ کر وہ یہ تصور کرتے تھے انہیں جلد سفر در پیش ہوگا اور اپنوں سے جدا ہونا پڑے گا، جاہلی شاعر نابغہ ذبیانی اس تصور کو اشعار میں بیان کرتا ہے:

زعم الغداف أن رحلتنا غداً   وبذاك خبرنا الغراب الأسود

مرحباً بغدٍ ولا أهلاً به   إن كان تفريق الأحبة في غد(۳)

ترجمہ: غداف (سیاہ گھنے بالوں والا کوا) نے خیال کیا ہے کہ ہمارا سفر کل ہوگا اور کالے کوے نے بھی ہمیں یہی خبر دی ہے، کل ہم مرحبا اور خوش آمدید نہیں کہیں گے اگر اپنوں سے جدائی کل کو مقرر ہے۔

---

(۱) انظر: انساب العرب القدماء، ص: ٤٠

(۲) انظر: معجم البلدان، ٤/١٠-١٨

(۳) ديوان الشاعر، جمعه طاهر بن عاشور، الناشر فوشيه للتوزيع، ١٩٩٦ء، ص:٩٣

جانوروں میں اونٹنی کو عربوں کے ہاں ایک خاص مقام حاصل تھا، وہ اس کو برکت اور اچھائی کی علامت خیال کرتے تھے، اس کی وجہ دو واقعات تھے، ایک واقعہ تو یہ تھا کہ جب قوم صالح نے پہاڑ سے بر آمد ہونے والی اونٹنی کے پاؤں کاٹے تو خدا ان سے ناراض ہو گیا اور ان پر عذاب نازل کر دیا، عرب قبائلی اس واقعے کا علم رکھتے تھے اور اسی لیے وہ اونٹنیوں کو ایذا دینے سے گریز کرتے تھے، اور گھر میں اس کے وجود کو برکت اور خیر کی علامت گرادنتے تھے، جبکہ دوسرا واقعہ حرب بسوس کا ہے، جب بسوس کی اونٹنی کو تیر مارا گیا تو اس کے بعد عرب قبائل کے مابین ایک خونریز جنگ کا آغاز ہو گیا جو تقریباً چالیس سال تک جاری رہی، اس دوران جزیرۂ عرب اقتصادی طور پر پس ماندہ زندگی گزارنے پر مجبور ہوا اور امن ناپید ہو گیا، اس جنگ نے عربوں کے اذہان میں یہ تصور پختہ کر دیا تھا کہ اونٹنی بابرکت جانور ہے اس کو ایذا دینے سے آسمان سے آفات نازل ہوتی ہیں اور زمین پر فساد پھیل ہوتا ہے۔

نیز مرنے والے کی قبر کے ساتھ ایک اونٹنی باندھ دی جاتی تھی، وہ اونٹنی اپنی موت تک وہی بندھی رہتی، قبائل یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جب مرنے والا شخص قبر سے اٹھتا تو اس اونٹنی پر سوار ہو کر دوسرے جہان منتقل ہوتا جسے بلیہ کی رسم کہتے تھے۔

بلوغ الأرب في معرفة أحوال العرب میں ہے:

"و البلية لا تكون إلاّ ناقة تعقل إلى جانب القبر حتى يدركها الموت؛ فإذا نهض الميت من قبره وجدها قريبة منه، و امتطاها عابراً عليها إلى العالم الآخر".[1]

ترجمہ: بلیّہ ایک اونٹنی ہوتی تھی جو قبر کے ساتھ باندھ دی جاتی تھی یہاں تک کہ اسے موت آن لے، جب مرنے والا قبر سے اٹھتا ہے تو اسے اپنے پاس پا کر اس پر سوار ہو جاتا ہے اور دوسرے جہاں روانہ ہو جاتا ہے۔

عمرو بن زید اشعار میں اپنے بیٹے کو وصیت کرتا ہے وہ اس کی موت کے بعد قبر پر اونٹنی ضرور باندھے تاکہ حشر میں اس پر سوار ہو کر آسکے:

ابنی زوّدنی إذا فارقتنی — فی القبر راحلة برحل فاتر

للبعث أركبها إذا قيل اظعنوا — مستوثقين معاً لحشر الحاشر[2]

ترجمہ: میرے بیٹے قبر میں جب تم مجھ سے جدا ہو تو ایک بوسیدہ کجاوے کے ساتھ اونٹنی کا زاد ضرور دینا، تاکہ جب بعث ثانی کے لیے کہا جائے کہ خدا کے حضور باادب پیش ہونے کے لیے حاضر ہو تو میں اس کا استعمال کر سکوں۔

---

(١) بلوغ الأرب، ٣٠٧/٢

(٢) ایضاً، ٣٠٧/٢

خرافاتی توہمات میں سے تھا کہ کسی کا اونٹ بیمار ہو جاتا تو اس کی تندرستی کے حصول کی خاطر صحیح اونٹ کے ہونٹ، کندھے اور ران کو آگ کے ذریعے داغا جاتا، اس طرح یہ خیال کر لیا جاتا کہ اس عمل سے دوسرا بیمار اونٹ ٹھیک ہو جائے گا، کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ صحیح اونٹ کو اس لیے داغا جاتا تاکہ بیماری اس کی طرف سرایت نہ کر جائے، مگر یہ تاویل درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اگر یہی مقصد ہوتا تو پھر صرف ایک اونٹ کو ہی کیوں داغا جاتا، یہ عمل صرف خرافتی ہے اور سراسر توہم پرستی پر مبنی ہے۔[۱]

جب کوئی مہمان نواز شخص مر جاتا تو اس کی قبر پر ایک اونٹ لا کر تلوار کے ذریعے اس کے پاؤں کاٹ دیے جاتے، اس کا مقصد مرنے والے مہمان نواز اور سخی شخص کی روح کو خوش کرنا ہوتا تھا، اس عمل کو عقر کہتے ہیں اور اسلام نے عقر کو باطل قرار دیدیا اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: «لَا عَقْرَ فِي الْإِسْلَامِ».[۲]

ترجمہ: اسلام میں عقر کے عمل کا کوئی تصور نہیں ہے۔

اونٹنی کے علاوہ گھوڑا عربوں کے اعتقاد میں ایک مقدس اور بابرکت جانور شمار ہوتا تھا، چونکہ صحرا کی زندگی ایک کٹھن زندگی تھی لہذا سہولت و آسائش، بنیادی ضروریات کی تکمیل کی خاطر بہت قلیل چیزیں میسر تھیں، عربوں کے پاس انہیں اشیاء میں سے ایک گھوڑا تھا جو اصلاً جنگ کے لیے استعمال ہوتا، جنگ عربی معاشرے اور ان کی زندگی کا ایک اہم حصہ تھا لہذا جنگ کے لوازمات میں سے گھوڑے کا تعلق ان کے لیے بہت بڑی نعمت تھا۔ بعض عرب قبائل کہتے تھے کہ ایک عزت دار شخص بھوکا موت کے گھاٹ تو اتر سکتا ہے لیکن گھوڑے کو بیچ نہیں سکتا۔

الدکتور علي البطل[۳] کہتے ہیں:

"إن الحصان كان يلعب دور حيوان الشمس المقدس؛ لذالک فهو ينوب عن إله الشمس".[۴]

ترجمہ: جاہلی زندگی میں حیوانات میں سے گھوڑا شمسِ مقدس کی حیثیت رکھتا تھا اسی سبب سے گھوڑے کو الٰہ شمس کا قائم مقام سمجھا جاتا تھا۔

---

(۱) انظر: تاريخ العرب قبل الاسلام، ١/١٦٥

(۲) سنن أبي داود، فی کتاب الجنائز، فی كراهية الذبح عند القبر، حديث نمبر: ٣٢٢٢، ٣/٢١٦، [حكم الألباني]: صحيح

(۳) علی عبد المعطی البطل (۱۳۶۰ھ-۱۴۱۸ھ)، عہد حاضر کے مصری، عربی شاعر اور محقق۔[مقالہ نگار]

(۴) الصورة في الشعر العربي حتى آخر القرن الثاني الهجري، د/علي البطل، دار الأندلس، الثانية ١٤٠١هـ، ص:١٥١

حیوانات میں بیل کو جس طرح قدیم مصری اور آشوری تہذیبوں میں نیک شگون اور بابرکت تصور کیا جاتا تھا اسی طرح عرب قبائلی زندگی بھی اس کو یہی تقدس حاصل تھا، بیل کے ساتھ تقدس کا سبب یہ تھا کہ بعض عرب چاند کی پرستش کرتے تھے اور بیل کے سینگ ہلال کی شکل میں نظر آتے ہیں، یوں وہ بیل کو زمین پر اپنے معبود کا استعارہ یا قائم مقام سمجھتے تھے۔ عربوں نے اپنے ایک بت کا نام بھی تبرک کے طور پر بعل یعنی بیل رکھ چھوڑا تھا۔

قحط کے ایام میں استسقاء کے لیے بیل کی کھال کا استعمال کیا جاتا تھا، بیل کو ذبح کرکے اس کی کھال میں دانے بھر دیتے پھر اس میں تیر مارتے، جس سے کھال پھٹ جاتی اور دانے اِدھر اُدھر بکھر جاتے تھے، اس سے فال نکالتے کہ اب بارش ہوگی جس طرح کہ دانے پھیل گئے ہیں۔ [(۱)]

معلوم ہوا کہ توہم پرستی کی انسانی تاریخ میں عربوں کا اس میں حصہ رہا ہے بلکہ اس خاص وصف میں وہ بھی دیگر اقوام سے پیچھے نہیں رہے۔ مشرکین کے اعتقادات میں توہمات پر مبنی رسومات یقیناً اللہ تعالیٰ نے کرنے کا ہرگز نہیں کہا تھا بلکہ یہ تمام توہم پرستانہ رسومات ان کے زعم باطل میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے میں ممد ومعاون ہوتیں تھیں۔ مختلف اقسام کے جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑنا۔ کوے، کبوتر، سانپ، خرگوش، چوہے کو جنات کی سواری خیال کرنا، فخر اور تکبر کے اظہار کے لیے قبروں پر اونٹ کی قربانی دینا۔ بیماری، خوف اور افلاس میں اہل عرب اکثر ان توہمات کا شکار ہو جاتے تھے۔ حالانکہ ان کی محض حقیقت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی رسم مشروع کی ہی نہیں یہ لوگ سراسر اللہ پر جھوٹ باندھتے اور اپنی بیوقوفی اور جہالت کی وجہ سے اس میں مبتلا رہتے۔

سماجی امور میں توہم پرستی

جزیرہ عرب کا بدوی اور قبائلی ماحول انسانی زندگی کے لیے آسان نہیں تھا، اس معاشرہ میں مشقت، تھکن اور زیادہ محنت ہوتی جبکہ سہولیات اور نعمتوں کی کمی کے اس ماحول نے عربوں کے مزاج میں ایسی کئی عادات آگئی تھیں جو عقائد لے لحاظ سے یقیناً اچھی نہیں تھیں۔ انہیں عادات میں سے ایک یہ تھی کہ وہ ہر شے میں شگون یا بدشگون کو تلاش کرنے لگے۔

افلاس اور جنگ:

ہر وہ امر جو زندگی میں مشکلات کا سبب بنتا اس کو بھی نحوست اور بدشگونی کے زمرے میں داخل کر لیا جاتا تھا، ان امور میں سے ایک فقر اور غربت بھی تھا، کیونکہ فقر معاشرے میں آدمی کے وقار کو کم کر دیتا ہے، اور عرب جاہلی معاشرہ تو اس حوالے سے زیادہ حساس تھا، قبائل کے ایسے افراد جو انتہا کے غریب ہوتے تھے وہ عموماً بستیوں سے دور کسی جگہ پر رکھتے رہتے

---

(۱) انظر: الأساطير و علم الاجناس، ص:۱۹۲

تھے، ان کا قبائل کے درمیان میں رہنا آسان نہیں تھا، اس لیے کہ انہیں نحوست کا باعث سمجھ جاتا تھا، عروہ بن الورد[۱] اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتا ہے:

ذَرِینی للغِنی أسعَ فإننی رأیتُ الناسَ شرُهم الفقیر

و أبعدُهم و أهونُهم علیهم وإن أمسی له حسبٌ وخیرٌ[۲]

ترجمہ: چھوڑو اور مجھے کسب مال کی کوشش کرنے دو، میں نے لوگوں میں بدتر اس شخص کو دیکھا ہے جو فقیر ہوتا ہے، لوگوں سے دور اور ان کے سامنے کمتر چاہے اس کا نسب اور اخلاق اچھے ہی کیوں نہ ہوں۔

عبید بن الأبرص سے اس کی بیوی اس لیے دور ہو گئی، کیونکہ اس کے پاس مال کی فراوانی نہیں تھی، اسی سبب سے گھر میں بھی تکریم کا معاملہ نہیں کیا جاتا تھا، وہ اپنی زوجہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

تلك عِرسی غَضبَی ترید زِیالی أَلِبَینٍ ترید أم لِدَلالٍ

أن یکن طِبُّك الفراق فلا أَحفُ لِ أن تُعطِفی صدورَ الجمال

فاترکی مَطَّ حاجبیكِ وعِیشی معنا بالرجاء والتأمل[۳]

ترجمہ: اے غضب کہ میری شریکہ حیات میری تنقیص کرتی ہے، اور مجھ سے جدائی کا مطالبہ کرتی ہے، اگر تمہیں مجھ سے جدا ہی ہونا ہے تو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ تمہیں مال کی آرزو ہے، دیکھو بھنویں سکیڑنا چھوڑ دو اور میرے ساتھ امید اور رجا کے ساتھ زندگی بسر کرو۔

عرب قبائل میں جنگ کو بھی بدشگونی خیال کیا جاتا تھا، وہ کہتے تھے کہ جب دو قبائل کے مابین جنگ ہوتی ہے اور اس کا عرصہ طویل ہو جاتا ہے تو آپس میں خیانت، دھوکہ دہی اور مایوسی جیسے امراض جنم لیتے ہیں جو معاشرے کی خرابی کا باعث بنتے ہیں، جاہلی شاعر زُہیر بن ابی سُلمی[۴] قبیلہ بنو عبس اور بنو ذبیان کے درمیان جنگ کے اثرات کے بارے میں کہتا ہے:

---

(۱) عروۃ بن الورد العبسي عروۃ الصعالیک کے نام سے بھی معروف تھا(۶۰۷ء) زمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر اپنی سخاوت کی وجہ سے پہچانا جاتا تھا۔(تاریخ الأدب العربي العصر الجاهلي، ص:۳۸۲)

(۲) دیوان عروۃ بن الورد، دارصادر بیروت، طبعة ۱۹۹۸ء، ص:۴۰

(۳) دیوان عبید بن الأبرص، دارصادر بیروت، ۱۹۷۶ء، ص:۹۶

(۴) زہیر بن ابی سُلمی ربیعہ المزنی،(۵۳۰ء–۶۲۷ء) عہد جاہلیت کا ممتاز اور صاحب دیوان شاعر تھا۔ اس کی شاعری صداقت لہجہ کی بنا پر ممتاز اور غریب الفاظ سے خالی اور بیہودہ خیالات اور فحش گوئی سے صاف ہے۔ اس کا کلام قلیل الفاظ مگر کثیر معانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ واحد شاعر ہے جسے مدح، ضرب الامثال اور حکیمانہ مقولے نظم کرنے میں کمال حاصل ہے۔ وہ ان سات شعراء میں سے

متى تبعثوها تبعثوها ذميمة   وتضرّ إذا ضريتموها فتضرم

فتنتج لكم غلمان أشائم كلهم   كأحمر عادثم ترضع فنقطم[۱]

ترجمہ: یہ جنگ حقیر اور بدتر ہے، نقصان دینے والی ہے آگ کی طرح جو شدید ہوتی چلی جاتی ہے، یہ نوجوانوں کے اس طبقے کو جنم دیتی ہے جو تشاؤم اور بدشگونی کی علامت ہوتے ہیں، احمر عاد (قدار بن سالف) کی طرح کے، یہ جنگ مایوسی کو بڑھاتی ہے پھر ہم ایک دوسرے پر جھپٹ پڑتے ہیں۔

ان اشعار میں جاہلی شاعر زھیر نے کہا کہ جنگ نوجوانوں کے ایک گروہ کو جنم دیتی ہے جو نحوست کی علامت ہوتے ہیں جس طرح کہ اونٹنی کے پاؤں کاٹنے والا قدار بن سالف نحوست اور بدشگونی کا استعارہ بن گیا تھا۔

جب کوئی شخص دوسرے قبیلہ میں جاتا اور اندیشہ لاحق یہ ہوتا اس قبیلہ میں رہن سہن سے کسی مرض میں مبتلا ہو جاوں گا تو اس اندیشے سے بچنے کا طریقہ یہ اختیار کرتا: وہ شخص بستی کے کنارے پر کھڑا ہو کر گدھے کی طرح آواز نکالتا، جب وہ یہ عمل کر لیتا تو اسے یقین ہو جاتا اب اسے کوئی وباء یا مرض لاحق نہیں ہو گا۔[۲]

نار (آگ) پرستی:

قحط کے موسم میں بارش طلب کرنے کا ایک عجیب طریقہ وضع کیا گیا تھا، اس عمل کو نیران الاِستمطار کا نام دیا جاتا تھا، یعنی بارش کی آگ، جب زیادہ وقت گزر جاتا اور بارش نہ ہوتی تو بعض لوگ پہاڑوں کے اندر غاروں میں جاتے اور وہاں آگ جلا کر دعا کرتے ایسے عمل سے گمان لیا جاتا اس طرح کرنے سے جلد بارش ہو جاتی ہے۔[۳]

ایک آگ "نارالحلف" کے نام سے بھی جانی جاتی تھی، جس کا مطلب صلح یا معاہدہ کی آگ، عرب جب کوئی معاہدہ کرتے تو طرفین آگ جلا کر اس کے گرد بیٹھ جاتے اور آگ کے فوائد اور منافع ذکر کرتے اور آخر میں یہ کہتے کہ جو شخص بھی اس معاہدہ کو توڑے گا خدا اس کو آگ کے منافع سے محروم کر دے گا۔

تھا جس کا معلقہ بیت اللہ کی دیوار کے ساتھ معلق تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے سچے اشعار کی وجہ سے شاعر الشعراء کا لقب دیا تھا۔ (تاريخ الأدب العربي العصر الجاهلي، ص: ۳۰۰)

(۱) معلقة زهير بن ابى سلمى، شرح المعلقات العشر، تحقيق احمد بن امين، اشيقطى، مكتبة النهضة بغداد، ص: ۱۱۷

(۲) انظر: نهاية لأدب فى فنون الأدب، احمد بن عبدالوهاب النويرى، دارالكتب والوثائق القومية القاهرة، طبعة ۱۴۲۳ھ، ۱۲۵/۳

(۳) انظر: الحيوان لجاحظ، ۴۶۹/۴

أبو هلال العسكري[1] کہتے ہیں:

"و إنما كانوا يخصون النار، بذالک دون غيرها من المنافع لأن منفعتها تختص بالإنسان لايشركه فيها شئ من الحيوان".[2]

ترجمہ: عرب صرف آگ کو اس لیے مخصوص کرتے تھے کیونکہ اس کا فائدہ صرف انسانوں کے ساتھ خاص ہے کوئی اور جاندار اس میں شریک نہیں۔

عرب قبائل میں جب کوئی شخص غداری کرتا تو حج کے ایام میں سوق عکاظ میں ایک مقام پر آگ جلا کر اعلان کیا جاتا کہ اس شخص نے اپنی قوم سے غداری کی ہے۔[3]

اگر کوئی شخص قبیلہ میں گم ہو جاتا اور اس کا کوئی پتہ نہ چلتا تو وہ کسی پرانے کنویں کو پاس آتے اور اس میں زور سے آواز لگا کر گم شدہ شخص کا نام پکارتے، اگر کوئی آواز سنائی دیتی تو سمجھ لیا جاتا کہ وہ شخص زندہ ہے اور اگر کوئی آواز نہ آتی تو اس کو مردہ تصور کر لیا جاتا۔[4]

عورت کو نحوست خیال کرنا:

عرب ایسی بیٹی کو بھی بدشگونی تصور کرتے تھے جو معذور پیدا ہوتی تھی، وہ ایسی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی در گور کر دیتے تھے، ان کے زعم باطل میں معذور بیٹیوں کا گھر میں پیدا ہونا عار کا سبب بنتا ہے، لہٰذا یہ نحوست ہیں نیز ان کو زندگی گزارنے کا استحقاق نہیں ہے۔[5]

عورت کی نحوست کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول حدیث میں رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں:

---

(۱) ابو هلال الحسن بن عبد الله اللغوي العسكري (۹۲۰ء- ۱۰۰۵ء) عربی لغت و أدب کے شاعر و عالم تھے۔ صاحب دیوان تھے۔ مثلاً: المحاسن في تفسير القرآن، ديوان المعاني، الفروق في اللغة، شرح الحماسة، اور الأوائل۔ (تاريخ الإسلام للذهبي، ۳۳۸/۹)

(۲) الأوائل، ابو هلال العسكرى، دارالبشير طنطا، طبعة ۱٤۰۸ھ، ۳۵/۱

(۳) الشعر الجاهلى، محمد النويهي، الدارالقومية للطباعة والنشر، طبعة، ۱۹۹۸ء، ۲۱۸/۱

(۴) انظر: ایضاً، ۲۱۸/۱

(۵) انظر: تاريخ العرب قبل الاسلام، السيد عبدالعزيز سالم، مؤسسة شباب الجامعة، الاسكندرية، ۳۸۷/۱

«إِنَّمَا الشُّؤْمُ فِي ثَلاَثَةٍ؛فِي الفَرَسِ، وَالمرْأَةِ، وَالدَّارِ».(۱)

ترجمہ: نحوست صرف تین چیزوں میں ہے گھوڑے میں عورت میں اور گھر میں۔

جس طرح علم تفسیر کا اصول ہے قرآن کا ایک حصہ دوسرے کی تفسیر ہوا کرتا ہے(القرآن یفسر بعضہ بعضاً)، ایسے ہی مختلف الحدیث کے اصولوں سے واضح ہوتا ہے ایک حدیث دوسری حدیث کے واسطے بیان ووضاحت ہیں۔ حدیث پر اعتراض یا اشکال کی صورت میں اس حدیث کے تمام میسر متون کا تجزیہ کیا جانا ضروری ہے۔ بعض اوقات تمام متون کو سامنے رکھے بغیر غلط نتیجہ پر پہنچنے کی امکانیات غالب رہتی ہیں، سبب یہ ہوتا ہے؛ حدیث کے راوی بعض اوقات کچھ تفصیلات بیان نہیں کرتے اور بات کو اجزا میں بیان کرتے ہیں۔

اس واقعہ کی مکمل تفصیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے جس کو احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مسند میں ذکر کیا ہے:

«أَنَّ رَجُلَيْنِ، دَخَلَا عَلَى عَائِشَةَ فَقَالَا؛ إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يُحَدِّثُ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَقُولُ: " إِنَّمَا الطِّيَرَةُ فِي الْمَرْأَةِ، وَالدَّابَّةِ، وَالدَّارِ " قَالَ: فَطَارَتْ شِقَّةٌ مِنْهَا فِي السَّمَاءِ، وَشِقَّةٌ فِي الْأَرْضِ، فَقَالَتْ؛ وَالَّذِي أَنْزَلَ الْقُرْآنَ عَلَى أَبِي الْقَاسِمِ مَا هَكَذَا كَانَ يَقُولُ، وَلَكِنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ؛ " كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ: الطِّيَرَةُ فِي الْمَرْأَةِ وَالدَّارِ وَالدَّابَّةِ " ثُمَّ قَرَأَتْ عَائِشَةُ: {مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ}».(۲)

ترجمہ: دو آدمی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئے اور کہا: ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ (نحوست) بدشگونی تو صرف عورت، جانور اور گھر میں پائی جاتی ہے۔ یہ بات سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت ناراض ہوئیں اور کہا: قسم اس ذات کی جس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز یہ نہیں فرمایا، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا؛ دور جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ نحوست عورت، گھر اور جانور میں پائی جاتی ہے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی؛ کوئی مصیبت زمین میں اور تمہارے نفوس میں نہیں آتی مگر اس کے مقدر ہونے سے پہلے وہ ایک صحیفے میں لکھی ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے واضح ہوا کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ یا پھر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جو حدیث بیان کی ہے وہ غالباً صحیح الفاظ میں نقل نہیں ہوئی ہے۔ جیسا کہ دیگر روایات میں حدیث کو لفظ {إنْ} شرطیہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر صرف دو روایات کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسير، باب ما يذكر من شؤم الفرس، حدیث نمبر:۲۸۵۸، ۲۹/٤

(۲) مسند احمد، حدیث نمبر:۲٦۰۸۸، ۱۹۷/٤۳، [حكم شعيب الأرنؤوط]:إسناده صحيح على شرط مسلم

«إِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ؛ فَفِي المَرْأَةِ، وَ الفَرَسِ، وَ المِسْكَنِ».[1]

«إِنْ يَكُنْ مِنَ الشُّؤْمِ شَيْءٌ حَقٌّ، فَفِي الْفَرَسِ، وَالْمَرْأَةِ، وَالدَّارِ».[2]

عورت کی نحوست سے متعلق روایات کو یکجا کرنے سے مترشح ہوتا ہے کہ اصلاً نحوست کسی چیز میں نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے مذکورہ اشیا میں نحوست کو مشروط کیا ہے کہ اگر بالفرض نحوست کا کوئی وجود ہوتا تو یہ گھوڑے، عورت اور گھر میں ہوتی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَ لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ، سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ».[3]

ترجمہ: یعنی اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لا جانے والی ہو تو وہ نظر بد ہوتی۔

معلوم ہوا کہ ایسی کسی چیز کا حقیقی وجود ہے ہی نہیں جو تقدیر پر سبقت لانے والی ہو، ہاں اگر کوئی ایسی چیز ہوتی تو وہ نظر بد ہوتی۔ تاہم حدیث کے الفاظ کو بغیر مشروط درست مان بھی لیا جائے تو اسکی معقول توجیہ بھی ممکن ہے۔

اولا: نحوست سے مراد کسی چیز کا ناموافق اور ناساز گار ہونا ہے۔ یہ مفہوم معقول بھی ہے اور شریعت میں معتبر بھی۔ چنانچہ حدیث میں مکان کے منحوس ہونے کا جہاں ذکر ہے وہاں مطلب یہ نہیں ہے کہ مکان میں کوئی ایسی چیز موجود ہے جو رہنے والوں کی قسمت بگاڑ دیتی ہے بلکہ اس کا مدعا یہ ہے کہ تجربے اور مشاہدے نے اس مکان کو سکونت کے لیے ناموافق ثابت کر دیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ قاتل کی طرف موت کی نسبت کر دینا، یہاں مجاز کا استعمال کرتے ہوئے سبب کو مسبب کی جگہ سمجھ لیا گیا ہے۔

یہی معاملہ عورت اور گھوڑے کا بھی ہے۔ متعدد آدمیوں کو ایک گھوڑے کی سواری راس نہ آئی ہو، یا کئی آدمی ایک عورت سے یکے بعد دیگرے نکاح کر کے خاص مرض کے شکار ہوئے ہوں تو یہی سمجھا جائے گا کہ اس عورت یا گھوڑے میں کوئی نامعلوم خرابی ہے۔

ثانیا: یہ کہ اس مقصد کے لئے گھوڑے، عورت اور گھر ہی نامزد کیا گیا؟ عموماً انسان کو سواری، عورت (بمعنی بیوی) اور گھر (بمعنی گھر یا مال و دولت) سے محبت ہوتی ہے۔ یہ چیزیں اس دنیا میں انسان کی آزمائش کا سبب ہیں۔ نحوست

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب ما یذکر من شؤم الفرس، حدیث نمبر: ۲۸۵۹، ٤/ ۲۹

(۲) مسلم، صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج أبوالحسن القشیری، المحقق: محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحیاء التراث العربي بیروت، کتاب السلام، باب الطیرة والفأل وما یکون فیه من الشؤم، حدیث نمبر: ۲۲۲۵، ٤/ ۱۷٤٦۔ وفی سنن أبي داود، حدیث نمبر: ۳۹۲۱، ٤/ ۱۹

(۳) صحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطب والمرض والرقی، حدیث نمبر: ۲۱۸۸، ٤/ ۱۷۱۹

کی نسبت ان کی جانب کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ یہ چیزیں بعینہ منحوس ہیں، کیونکہ یہ تو حدیث سے ثابت ہے کہ نحوست نہیں ہوتی۔

لہٰذا یہاں نحوست سے مراد ان چیزوں کا انسان کے لئے فتنہ وآزمائش ہونا ہے۔ نیز فتنہ ہونے کی علت یہ رہی کہ تینوں چیزیں زیب وزینت اور آرائش سے بھرپور ہیں۔ ان میں انسانوں کے لئے خوب کشش رکھی ہے۔ اور یہی کشش ان کے فتنہ ہونے سبب بنتا ہے۔ لہٰذا انسان فخر وغرور، بالاتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور یہی فرائض میں کوتاہی اور فکرِ آخرت سے بے رغبتی کا باعث بنتی ہیں۔

امورِ نکاح میں توہم پرستی:

زمانہ جاہلیت میں نکاح کے حوالے سے عربوں میں کئی طرح سے توہم پرستی موجود تھی جس کا ذکر ایک طویل روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے:

أَنَّ النِّكَاحَ فِي الجَاهِلِيَّةِ، كَانَ عَلَى أَرْبَعَةِ أَنْحَاءٍ... «فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالحَقِّ، هَدَمَ نِكَاحَ الجَاهِلِيَّةِ كُلَّهُ إِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ اليَوْمَ».(۱)

روایت کا خلاصہ اس طرح ہے سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ دور جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں تھیں:

پہلی صورت: مروجہ نکاح کی تھی یعنی ایک شخص دوسرے شخص کی بیٹی یا زیر کفالت لڑکی (ولیہ) سے نکاح کے لیے پیغام بھیجتا، پھر اس کا مہر ادا کر کے اسے بیاہ لاتا تھا۔

دوسری صورت: شوہر اپنی بیوی سے کہہ دیتا تھا کہ جب تو ایام سے پاک ہو جائے تو فلاں مرد کے روبرو جانا اور فائدہ حاصل کر لینا، اس عرصہ میں شوہر خود اس سے جدا رہتا اور اس سے ہم بستر نہ ہوتا، جب تک کہ اس مرد کا حمل ظاہر نہ ہو جاتا، جب اس کا حمل ظاہر ہو جاتا تو اگر خاوند کی طبیعت چاہتی تو اس کے پاس چلا جاتا، یہ تمام عمل سے مقصود تھا کہ اولاد اچھی نسل کی پیدا ہو، اسے "نکاح استبضاع" کہتے تھے۔

تیسری صورت: چند آدمی دس سے کم جمع ہو کر ایک عورت سے صحبت کرتے تھے، جب اسے حمل ٹھہر جاتا اور اس کا بچہ پیدا ہو جاتا اور اسے کئی دن ہو جاتے تو وہ سب کو بلواتی، کسی کو یہ طاقت نہیں ہوتی کہ وہ آنے سے انکار کر دے، جب سب جمع ہو جاتے تو وہ کہتی کہ تم سب کو اپنا معلوم ہے جو کچھ تھا اور میرے ہاں تمہارا بچہ پیدا ہوا ہے، اے فلانے یہ تیرا بیٹا ہے، جو تیرا دل چاہے اس کا نام رکھ (تجھے اختیار ہے) وہ اس کا ہو جاتا تھا اور اسے انکار کرنے کی مجال نہ ہوتی تھی۔

چوتھی صورت: بہت سے آدمی ایک عورت سے صحبت کرنے جایا کرتے تھے۔ فاحشہ عورت اپنے دروازں پر جھنڈے لگا لیتی تھیں یہ ان کا امتیازی نشان ہوتا، ہر کوئی ناجائز خواہش کے ساتھ اس کے پاس چلا جاتا، جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب لا نكاح إلا بولي، حديث نمبر:٥١٢٧، ص:١٥/٧

بچہ جن دیتی تو اس سے صحبت کرنے والے لوگ اکھٹے ہو جاتے اور قیافہ شناس کو طلب کرتے وہ جس کے ساتھ بچے کی مشابہت دیکھتا اس کے ساتھ بچے کا نسب ملا دیتا اور وہ آدمی اس کا انکار نہیں کر سکتا تھا۔

جب کوئی شخص شادی کرنا چاہتا تو پہلے وہ قرعہ اور فال نکالتا، تا کہ معلوم ہو سکے کہ اسے یہ شادی کرنی چاہیے یا نہیں۔ (۱)

زمانہ جاہلیت کے توہمات میں سے تھا کہ جب مرد و عورت آپس میں محبت کرتے تو دوامِ محبت کے لیے ضروری سمجھا جاتا کہ مرد عورت کے حجاب میں سوراخ کرے اور عورت مرد کی چادر میں چھید کرے، اس طرح کرنے سے محبت کو دوام حاصل ہوتا تھا۔ (۲)

جب کسی شخص سے متعلق اندیشہ ہو کہ اس کو پاگل پن اور جنون لاحق ہو گا تو بچاؤ کا یہ طریقہ اختیار کیا جاتا کہ اس کے کپڑوں کے ساتھ نجاست چپکا دی جاتی، اس سے اس شخص کو جنون لاحق نہیں ہو سکتا تھا، نجاست میں حیض کے خون میں لتھڑا کپڑا ہوتا تھا اور کبھی مردے کی ہڈی اس کے ساتھ باندھ دی جاتی۔ (۳)

آپ ﷺ نے اپنے دور نبوت میں زمانہ جاہلیت کے تمام معاشرتی رسوم کو کالعدم کر دیا اور صرف مروجہ نکاح کو برقرار رکھا۔ مختصر یہ کہ عرب کا جاہلی معاشرہ مختلف اور عجیب قسم کے توہمات کا شکار تھا اور یہ فطری عمل تھا کیونکہ صحراء کی سخت زندگی اور تہذیب و تمدن سے دوری نے انہیں زندگی کا سہارا لینے کے لیے مختلف قسم کے توھمات کے سپرد کر دیا تھا۔ اور انہی توھمات کے سہارے وہ زندہ تھے اور زندگی کا لطف اٹھاتے تھے اور یہ توھمات ان کی طبیعت ثانیہ بن گئے تھے۔ اس لیے جب اسلام آیا اور اس نے عربوں کے توھمات اور شرکیات کے خلاف آواز اٹھائی تو انہوں نے سخت مزاحمت کی اور کسی صورت میں اس کو چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ لیکن اسلام کا معجزہ تھا کہ آپ ﷺ نے تائید ایزدی اور قرآن کریم کے ذریعے موثر و متوازن رہنمائی کی جس کی مثال نہ تو تاریخ میں تھی اور نہ ہو گی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی منتخب و مرتضیٰ جماعت تیار کی جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا و خوشنودی کا اظہار کیا۔

مبحث ثانی: عصر حاضر میں توہم پرستی

(Superstition in the contemporary Era)

اس فصل میں دورِ جدید کے معاشروں میں رائج توہمات کا جائزہ لیا ہے۔ نیز سیکولر معاشروں میں رائج توہمات کو بھی زیر بحث لائے ہیں۔

---

(۱) انظر: العمدة فی محاسن الشعر وآدابه، ابن رشيق القيروانی، تحقيق: احمد محمد عزوز، دارالجبيل، ۱۹۸۱ء، ۲۵۹/۲

(۲) انظر: الاساطير و علم الأجناس، ص:۴۹

(۳) ایضاً، ص:۴۱

موجودہ صدی کو علم، عقل، سائنس، اور تجربہ کی صدی کہا جاتا ہے دورِ جدید کا انسان ہر چیز کو علم و شعور سے جاننا چاہتا ہے مشہور ماہر طبیعیات البرٹ آئن اسٹائن نے کہا تھا کہ سائنس مذہب کے بغیر لنگڑی ہے اور مذہب سائنس کے بغیر اندھا ہے۔یعنی دور جدید میں مذہب کا انحصار سائنس کے مفروضوں پر رکھا گیا اور تسلیم شدہ حقائق کو اس حد تک بڑھایا گیا کہ مذہبی نظریات میں بھی سائنس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ لیکن سب کے باوجود توہم پرستی اور بدشگونی جیسے عقائد یا واقعات ہر دور میں رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اور دنیا کی ترقی یافتہ اقوام میں بھی توہم پرستی کے اثرات نمایاں ہیں۔ دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف صورتوں میں توہم پرستی موجود ہے، جن میں سے بعض کے تانے بانے مذہبی اساطیر یا حکایات سے ملتے ہیں جبکہ بعض خالص من گھڑت ہیں جن کی کوئی بنیاد نہیں۔

ماضی کی طرح عہد حاضر میں توہم پرستی کا رجحان عورتوں میں مردوں کے مقابلہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ گھروں میں ایسے مجلات اور میگزین لائے جاتے ہیں جن میں قسمت کا حال برجوں کی معلومات اور علم نجوم سے متعلق مضامین ہوتے ہیں۔

توہم پرستی کا مرض جس طرح جاہلوں کو لاحق ہوتا ہے اسی طرح پڑھے لکھے افراد بھی ان امور پر اعتماد کرتے ہیں۔

عصر حاضر اور توہم پرستی کے مظاہر

(Phenomena of Superstition in the Contemporary Era)

دنیا کا کوئی علاقہ اور قوم توہمات سے آزاد نہیں، انتہائی ترقی یافتہ معاشرے بھی مذہبی یا علامتی طور پر اپنی اتھلیٹک ٹیموں، کھیلوں، سکولوں وغیرہ کو حیوانات مثلاً عقاب، ریچھ یا شیر کی علامت دیتے ہیں، اور ان ٹیموں کے ولولے کی علامت کے طور پر مبارک نشان منتخب کرتے ہیں۔ پرندے کے ماننے والے کسی نہ کسی سطح پر اس خیال میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ انتہائی ترقی یافتہ معاشروں میں یہ ایک یادگاری رسم ہے جو قدیم زمانے کی ٹوٹم ازم (Totemism) کی ہی نئی شکل معلوم ہوتی ہے۔

دراصل اعتقادات کی بنیاد وہم و خیال سے شروع ہو کر ظن اور یقین کی حد میں داخل ہو جاتی ہے، اور شعور میں شامل توہمات ہمیشہ تصور پر غالب نظر آتے ہیں جس کے باعث ہر آدمی بے بنیاد اور خیالی باتوں کو شعوری طور پر ماننے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ ان اعتقادات کو مذہبی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی ضرورت مند فقیر کو کچھ دینا اخلاقی اعتبار سے فرض میں شامل ہے بلکہ مذہبی نکتہ نظر سے ثواب بھی ہے دونوں ہی خیالات کو ذہن میں رکھتے ہوئے سوال کرنے والے کو خالی ہاتھ واپس نہیں کیا جاتا۔ توہمات پر جب یقین بڑھ جاتا ہے تو خوف بڑھنے لگتا ہے اور انسان غیر فطری قوت کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔

اصل ایمانی جذبہ یعنی توحید میں جب کمزوری ہوتی ہے تو جھوٹے اعتقادات اور توہمات پر یقین مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے، انسان ظاہری اشیا کی طرف پہلے خوف سے مائل ہوتا ہے اور پھر جلد اس پر یقین کر کے ایمان لے آتا ہے۔ توہم پرستی صرف سادہ اور اَن پڑھ معاشروں میں نہیں ہے بلکہ ترقی یافتہ معاشروں میں موجود رہتی ہے۔

جاپانی لوگ ابھی تک شہنشاہ کے چہرے کی طرف، حتیٰ کہ جب وہ شہر کی گلیوں میں گشت کر رہا ہو، دیکھنے کو ٹیبو خیال کرتے ہیں۔[۱]

جاپان میں رات کے وقت سیٹی بجانے کو بد شگونی سمجھا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ سیٹی بجانے سے کہیں سانپ باہر نکل کر ڈس نہ لے۔ جاپان ہی میں رات کو ناخن کاٹنے کو اچھا نہیں خیال کیا جاتا، ان کا اعتقاد ہے کہ جو شخص رات کے وقت ناخن کاٹے بعد از مرگ اس کے والدین اس کے ساتھ نہیں رہتے۔ کھانے کے فوراً بعد سونے کے متعلق جاپان میں کہاوت ہے کہ ایسا کرنے سے انسان گائے میں متشکل ہو جاتا ہے، لہٰذا اس عمل سے اجتناب کرتے ہیں۔ اسلامی ملک سوڈان میں یہ رسم ہے کہ جس وقت عورت کا نکاح کسی صوفی بزرگ سے ہو پھر وہ اسے طلاق دیدے تو اس عورت کا نکاح دوبارہ کہیں نہیں کیا جاتا، کیونکہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر دوسری جگہ اس کی شادی ہوئی تو اس پر اور اس کے خاندان پر بزرگ کی پھٹکار پڑے گی۔ یورپ میں لکڑی کی سیڑھی کے نیچے سے گزرنے کو منحوس سمجھا جاتا، اس کا سبب یہ خیال کیا جاتا کہ قدیم زمانے میں جب کسی کو پھانسی دینی ہوتی تھی تو اس کے لیے پھانسی دینے والا لکڑی کی سیڑھی پر چڑھ پھانسی دیتا تھا، لہٰذا اس تصور کی وجہ سے لوگوں نے لکڑی کی سیڑھی کے نیچے گزرنے کو موت کی علامت قرار دے ڈالا۔ یورپ میں ماچس کی ایک تیلی سے تین سگریٹ جلانے کو بھی بد شگونی متصور کیا جاتا، اور یہی تصور امریکہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس کا سبب نہایت دلچسپ ہے: پہلی جنگِ عظیم کے دوران جب فوجی رات کو طویل وقت خندقوں میں گزارتے تھے تو اس دوران کوئی فوجی سگریٹ جلانے کے لیے تیلی جلاتا تو اسی سے ساتھ والے بھی اپنی سگریٹ جلا لیتے، لیکن اس سے بعض اوقات ایسا ہو جاتا کہ تیلی کے زیادہ دیر جلنے کی وجہ سے دشمن گولی کا نشانہ لے لیتا اور یوں بعض فوجیوں کی موت ہو جاتی، اس کے بعد عام لوگوں میں بھی ایک تیلی سے زیادہ سگریٹ جلانے کو نحوست کا سبب مان لیا گیا۔[۲]

اعداد: جاپانی لہجے میں عدد ۴ کے تلفظ کا مطلب موت ہوتا ہے، چنانچہ ۴ کا عدد منحوس سمجھا جاتا ہے، ہوٹلوں اور ہسپتالوں میں ۴ کا عدد کمرے نہیں ہوتا۔ اسپین میں منگل کے دن مہینے کی ۱۳ تاریخ ہو تو اسے قومی طور پر بد قسمتی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ چائنا میں ۸ کا ہندسہ مبارک اور ۴ کا ہندسہ منحوس خیال کیا جاتا ہے حتیٰ کہ کچھ لوگ عمارت کی چوتھی منزل تعمیر نہیں کرتے۔[۳]

اسی طرح بعض کھلاڑی اپنی شرٹ کا مخصوص عدد لینے پر اصرار کرتے ہیں ان خیال میں یہ نمبر ان کے کھیل پر اچھا اثر ڈالتا ہے۔

---

(۱) **مذاہب عالم کا انسائکلوپیڈیا، ص:۲۸**

(۲) انظر: الاساطیر و علم الأجناس، ص:۴۹

(۳) دیکھیے: توہم پرستی کے معاشرے پر اثرات، عائشہ صدیقہ، ایکسپریس نیوز، جمعہ ۱۵ ستمبر ۲۰۱۷ء

کرکٹ میں دوسرے کھیلوں کی نسبت زیادہ توہم پرستی پائی جاتی ہے۔ جس کی وجوہات کو بی بی سی کی ایک رپورٹ میں جمع کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہاں تحریر کی جاتا ہے:

۱) کرکٹ کو اتفاقی اور حادثاتی کھیل کہا جاتا ہے(Cricket By Chance)
۲) ٹاس، پیچ، موسم، دن اور رات کا ماحول جو کھلاڑیوں کے اختیار سے باہر ہوتا ہے، ٹیم کی فتح میں اہم ہے۔
۳) دوسرے کھیلوں کے مقابلے میں کرکٹ کو کہیں زیادہ اعداد و شمار اور ریکارڈز کا کھیل شمار کیا جاتا ہے، اس میں انفرادی اور مجموعی ریکارڈ الگ الگ شمار کیے جاتے ہیں۔
۴) کرکٹ کا دورانیہ بھی عام کھیلوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے، جہاں قسمت کو کھُل کھیلنے کا موقع ملتا ہے۔ یوں کرکٹ کے دوران جہاں اتفاقات زیادہ میسر ہوتے ہیں، وہیں کھلاڑیوں کو توہمات کے زیادہ مواقع فراہم ہو جاتے ہیں۔ [۱]

بعض اوقات آدمی کسی شے کو اپنے لیے نیک تصور کر لیتا ہے اور کبھی بُرا، یعنی فلاں چیز میرے پاس اس لیے ہے اس لیے میرا کام بنا، یا فلاں کے نصیب سے مجھے یہ سب کچھ ملا، یا کسی منحوس قدم سے گھر تباہ ہو گیا۔ یہ سب توہم پرستی کا نتیجہ ہے۔ مغلیہ دور کے بادشاہ اس حد تک اس مرض کا شکار تھے کہ نور الدین جہانگیر [۲] نے اپنی کتاب میں لکھا ہے:

ترجمہ: "ہفتہ دس ذیقعدہ کو وزیر الملک جو میرا دیوان تھا اسہال کے مرض میں فوت ہو گیا عمر کے آخری حصہ میں اس کے گھر میں ایک منحوس لڑکا ہوا جس کی وجہ سے ۴۰ دن کے اندر اندر ماں باپ دونوں ہی راہی عدم ہو گئے۔" [۳]

اس طرح کے واقعات محض اتفاقیہ تھے کہ لڑکے کی ولادت پر والدین فوت ہو گئے لیکن توہم پرست ذہن نے اسے لڑکے کی نحوست سمجھ لیا۔

ہمارے معاشرے میں بھی توہم پرستی کی مثالیں قدم قدم پر موجود ہیں۔ مثلاً کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے یا کہیں جانے سے پہلے کسی کو چھینک آجائے تو وہ کام اب صحیح نہیں ہو گا، یا پھر اگر کسی شخص کا ذکر اس کی غیر موجودگی میں کیا جائے تو وہ اثنائے ذکر آجائے تو یہ حالت طوالت عمر کا باعث سمجھا جاتا۔ اسی ضمن میں پہلے حدیث ذکر کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) دیکھیے: بی بی سی اردو ڈاٹ کام، ظفر سید، اسلام آباد، ۳ نومبر ۲۰۱۷ء

(۲) جہانگیر، سلیم، نورالدین (۱۵۶۹ء-۱۶۲۷ء) مغل بادشاہ اکبر کی وفات کے بعد ۱۶۰۵ء میں نور الدین جہانگیر کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ لاہور موجودہ شاہدرہ میں دفن ہوا۔ یہ مقام اب مقبرہ جہانگیر کے نام سے مشہور ہے۔ (مقدمہ: تزک جہانگیری)

(۳) تزک جہانگیری، سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۰۷

«لاَ طِيَرَةَ، وَ خَيْرُهَا الفَأْلُ» قَالَ؛ وَمَا الفَأْلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «الكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ، يَسْمَعُهَا أَحَدُكُمْ».(۱)

ترجمہ: بدشگونی کوئی چیز نہیں ہے البتہ نیک فال لینا کچھ برا نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا: نیک فال کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کوئی اچھی بات سننا۔

نظر بد: عورتوں میں بدشگونی کا مرض بہت پایا جاتا ہے اور بعض معاشروں میں لوگ ایک آنکھ سے نابینا شخص اور اسی طرح دیگر جسمانی نقائص والے شخص کو بدشگونی اور نظر لگنے کا سبب سمجھتے ہیں۔ مثلاً ماتھے پر کالا ٹیکہ لگاتی ہیں، کبھی کوئی جھاڑ پھونک کرتی ہیں اور نظر لگ جانے پر کئی طریقوں سے نظر اُتارتی ہیں۔

نظر لگنے کے حوالے سے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«العَيْنُ حَقٌّ وَ نَهَى عَنِ الوَشْمِ».(۲)

ترجمہ: نظر لگ جانا حق ہے اور آپ ﷺ نے گودنا اور گودوانے سے ممانعت فرمائی۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى فِي بَيْتِهَا جَارِيَةً فِي وَجْهِهَا سَفْعَةٌ؛ فَقَالَ: «اسْتَرْقُوا لَهَا، فَإِنَّ بِهَا النَّظْرَةَ».(۳)

ترجمہ: آپ ﷺ نے اُم سلمہ کے گھر میں ایک باندی دیکھی اس کے منہ پر چھائی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا اس پر رقیہ کراؤ اس کو نظر لگ گئی ہے۔

احادیث سے صراحت ہو جاتی ہے کہ نظر کا لگنا حق ہے نیز اس کی تاثیر انسانی حسد کے زمرے میں آتی ہے۔ نظر کی حقیقت ثابت ہے اور یہ محض سبب کے درجہ میں ہے جبکہ مرض میں مبتلا ہونے کا مسببِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ ہمیں اسلام سے رہنمائی لینی چاہئے۔ نیز اس سلسلے میں اسلامی طرز عمل کا خلاصہ درج ذیل اہم نکات کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

۱) مریض کو وضوء کرانا۔

۲) معوذتین کا پڑھنا۔

۳) منقول ادعیہ ماثورہ کا پڑھنا۔

۴) مریض کے لیے برکت کی دعا کرنا۔

۵) اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ اور توکل کرنا۔

---

(۱) صحيح البخاری، کتاب الطب، باب الفأل، حديث نمبر: ۵۷۵۵، ۱۳۵/۷

(۲) صحيح البخاری، کتاب الباس، باب الواشمة، حديث نمبر: ۵۹۴۴، ۱۶۶/۷

(۳) صحيح البخاری، کتاب الطب، باب رقية العين، حديث نمبر: ۵۷۳۹، ۱۳۲/۷

شادی بیاہ پر توہماتی رسومات

ہندی تہذیب کے اثرات

برصغیر کے عوام شروع سے ہی بت پرست اور توہم پرست تھے۔ جب برصغیر میں اسلام آیا تو مسلمانوں نے بھی ان کے ساتھ رہ کر ان کا اثر قبول کیا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں توہم پرستی کو مذہبی درجہ حاصل ہو گیا، اس کے ساتھ ثواب اور عذاب کا تصور وابستہ کیا جانے لگا۔ اسلام سماجی مساوات کا مذہب ہے لیکن ہمارے معاشرے میں موجود شادی بیاہ پر رسومات کا تعلق ہندوانہ رسومات سے ہے مسلمان ہونے کے بعد بھی ہم ہندو سماجی ڈھانچے سے نکل نہیں پائے اور ابھی تک ہندوؤں کے طریقہ سماجیات کو برقرار رکھا ہوا ہے ان رسومات کی پابندی کی وجہ سے نہ صرف ہم غیر ضروری مسائل سے دوچار ہیں بلکہ ہم بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ان میں مال کا بے جا اسراف، ریا اور نمود و نمائش، کفار سے مشابہت، شرک اور عقیدے کی خرابی وغیرہ شامل ہیں۔

عہد حاضر میں خاص کر دیہاتوں میں اور بعض شہروں میں اس طرح کی رسومات دیکھنے میں آتی ہیں جو کہ ہندی الاصل اور ہندوستانی تہذیب کی پیداوار ہیں اور بعد کے لوگوں نے ان رسموں میں مزید اضافہ کیا۔ برصغیر میں شادی بیاہ اور پیدائش کے موقع پر توہم پرستی عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ ان رسموں کے بعض کے نام بھی وہی ہیں مگر اس کے طریقے بدل گئے ہیں۔ یہ رسومات ہندوستانی ماحول کے زیر اثر مسلمانوں میں آج تک مروج ہیں۔ مثلاً

نیک ساعت کا خیال رکھنا:

شادی بیاہ کے موقع پر ایک وہم جس کا خیال رکھا جاتا ہے وہ نیک ساعت، گھڑی یا تاریخ کا ہوتا ہے۔ عام طور پر ہمارے ہاں لوگ شادی کی تاریخ طے کرتے وقت اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ اس میں تین کا ہندسہ نہ آئے، یعنی تاریخ تین، تیرہ، تیئس اور تیس میں نہیں ہونی چاہیے۔ اسی طرح مخصوص مہینوں میں شادی یا نکاح کو منحوس مان لیا جاتا۔ اگر شادی کے وقت یا اس کے بعد کوئی ناگہانی حادثہ پیش آ جائے تو اس کی وجہ ساعتِ بد میں رشتہ طے کرنے کو گردانا جاتا ہے۔

ہمارے معاشرہ میں صفر کے مہینے کو نحوست کی وجہ سمجھنے کا رواج ابھی بھی باقی ہے، اس مہینہ کے آغاز پر غلط تصورات کی وجہ سے معاشرے میں توہمات جنم لیتے ہیں اور غیر شرعی کاموں کو انجام دیا جاتا ہے، خاص کر خواتین میں اس کا بہت اہتمام

پایا جاتا ہے اور وہ چیزوں میں نحوست کو زیادہ خیال کرتی ہیں۔ اس مہینے میں شادی، سفر، وغیرہ امور کو منحوس گردانا گیا ہے۔
مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ[1] لکھتے ہیں:

"جاہل عورتیں صفر کو تیرہ تیزی کہتی ہیں اور اس مہینے کو نامبارک جانتے اور اس میں شادی کرنا منحوس سمجھتی ہیں۔"[2]

ہمارے معاشرے میں صفر المظفر کی ابتدائی تیرہ تاریخوں کو منحوس سمجھا جاتا، نیز اس کا سبب یہ ذکر کیا جاتا کہ ان تیرہ دنوں میں حضور اکرم ﷺ کے مرض الوفات میں شدت آگئی تھی، لہٰذا یہ نظریہ اپنالیا گیا کہ صفر کے ابتدائی تیرہ دن اور ان کی وجہ سے پورا مہینہ منحوس اور ہر قسم کی خیر وبرکت سے خالی ہے۔ حالانکہ اس بات کی کوئی اصل نہیں، بلکہ آپ ﷺ کے مرض میں شدت صفر کے آخری ایام میں پیدا ہوئی تھی۔

چنانچہ طبقات ابن سعد میں واقعہ مذکورہ بیان ہوا ہے:

"وَ بَدَأَ وَجَعُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِ مَيْمُونَةَ زَوْجِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ لِلَيْلَتَيْنِ بَقِيَتَا مِنْ صَفَرٍ."[3]

ترجمہ: رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے مرض کا آغاز ۲۸ صفر بروز بدھ کو ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوا۔

دولہا کا قریبی مزار پر سلام کرنا:

بارات کی روانگی سے قبل علاقے کے کسی مزار پر دولہا سلام کے لیے جاتا ہے اور اگر کسی علاقے میں مزار نہیں ہے تو پھر اسے علاقے کی مسجد کا چکر لگوایا جاتا ہے پھر بارات روانہ ہوتی ہے اور ایسا نہ کرنے کو بدشگونی سمجھا جاتا، اس کی بنیاد میں بھی یہ اندیشہ وخوف ہے کہ ایسا نہ کرنے سے بارات کسی ناگہانی مصیبت میں گرفتار ہو سکتی ہے۔

دولہن کے پلّو میں اناج باندھنا:

ایک ٹوٹکہ جو شادی کے موقع اکثر ہمارے دیہاتوں میں رائج ہے کہ قبل از رخصتی دلہن کے دوپٹہ کے ایک پلّو میں کچھ نقد اور دوسرے میں ہلدی کی گرہ، اور تیسرے میں جائفل اور چوتھے میں چاول باندھتے ہیں، یہ تمام عمل اس خیال سے ہوتا کہ لڑکی گھر سے جارہی ہے اور آگے بھی ہمیشہ اپنے گھر میں خوشحال رہے گی۔

---

(۱) تھانوی، اشرف علی بن عبد الحق (۱۸۶۳ء–۱۹۴۳ء) دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۰۱ھ میں فراغت حاصل کی۔ کثیر التصانیف تھے تعداد: ۸۰۰ تک ہے۔ جن میں تفسیر بیان القرآن، امداد الفتاوی، بہشتی زیور شامل ہیں۔ (اشرف السوانح، مولانا عزیز الحسن، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ص: ۳۲،۴۵،۱۶۵)

(۲) بہشتی زیور، مولانا اشرف علی تھانوی، دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۲ء، ص: ۲۹۵

(۳) الطبقات الكبرى، أبو عبد الله محمد بن سعد (المتوفى: ۲۳۰ھ)، دار صادر، بيروت، الأولى، ۱۹۶۸ء، ۸/۳

تیل گرانا:

دلہن جب میکے سے رخصت ہونے لگتی ہے تو دروازے پر دونوں اطراف میں تیل گرایا جاتا ہے، اسی طرح سے سسرال کے آنگن میں داخل ہونے سے پہلے بھی دروازے پر تیل گرانا نیک شگون خیال کیا جاتا ہے، لوگ محض عقائد کی کمزوری کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔

نثار اُتارنا

نظر بد اور غیر متوقع مصائب اور بلاؤں سے دور رہنے کی غرض سے نثار اتارنے کی رسم اب بھی پائی جاتی ہے، مغلیہ دور میں بادشاہ کی تخت نشینی کے موقع پر یا کسی مہم سے بخیر و عافیت لوٹنے پر ادا کی جاتی تھی، وہ رقم نقدی یا جنس کی صورت میں غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی، یہ رسم آج بھی تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ مروج ہے کہ دلہن کو سسرال میں داخل کرنے سے پہلے اس کے سر پر پیسے وار کر یا پھر کالا مرغا وار کر کسی غریب کو دیدتے ہیں۔

بعض ایام کو شادی کے لیے منحوس تصور کرنا

ایک اور توہم پرستی جس کا ہمارا معاشرہ شکار ہے وہ یہ ہے کہ بعض ایام میں لوگ شادی کو منحوس خیال کرتے ہیں، یہ رواج بھی ہندوؤں سے مسلمانوں میں آیا ہے، ہندو منگل یا بدھ کو منحوس گردانتے نیز اس روز کسی کام کا آغاز نہ کرتے، اور سمجھتے اگر منگل کو شادی ہوئی تو ضرور کوئی مصیبت آئے گی، حالانکہ اسلام میں کسی دن کو منحوس تصور کرنا جائز نہیں۔[۱]

شگون لینا(Fate Forecast)

شادی والے مکان کے باہری دیوارں پر عقائد باطلہ کے تحت تیل یا چونے سے کچھ عجیب و غریب نشانات بنائے جاتے ہیں اس کے علاوہ ناڑا جو کہ بہت سے نیلے اور سرخ رنگوں کے دھاگوں کو ملا کر بٹ کر بنایا جاتا ہے اور موس لکڑی کا بنا ہوا دھان کو کاٹنے کا آلہ (چکی وغیرہ) ہوتا ہے جس سے کوٹ کر دھان سے چاول الگ کرتے ہیں اس کو یہ دھاگے باندھا جاتا۔ یہ رسم بنیادی طور پر ہندوانی تھی۔ پنجاب کے شہروں اور دیہاتوں میں اکثر یہ رواج ہے کہ رشتہ طے ہونے سے پہلے لڑکے کے والدین شگون نکلواتے ہیں۔ لڑکے یا لڑکی کا زائچہ بنوایا جاتا ہے کہ یہ رشتہ مناسب ہے گا یا نہیں۔ اسی طرح شگون کے لیے دولھا اور دلھن کی بائیں کلائی پر کنگن باندھا جاتا ہے اور اس کو شادی کا ڈورا بھی کہتے ہیں۔[۲]

---

(۱) دیکھیے: بہشتی زیور، ص:۴۲۱-۴۳۴

(۲) دیکھیے: ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، ڈاکٹر محمد عمر، پاک اکیڈمی کراچی ۱۹۹۲ء، ص:۱۴۷

اسلام اس طرح کے امور میں ہماری رہنمائی یوں کرتا ہے کہ جب انسان کے سامنے دو یا کئی امور میں انتخاب کا مسئلہ درپیش ہو تو استخارے سے مدد لینی چاہئے۔ آپ ﷺ استخارے کی اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرام کو تمام معاملات میں استخارہ کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ اور اس سلسلے میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

«كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الِاسْتِخَارَةَ فِي الأُمُورِ كُلِّهَا، كَالسُّورَةِ مِنَ القُرْآنِ؛ " إِذَا هَمَّ بِالأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ العَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلاَ أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلاَ أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الغُيُوبِ، اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاقْدُرْهُ لِي، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِي الخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ، وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ». (۱)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ ہم سب کو مباح کاموں میں استخارہ کرنا سکھاتے تھے جیسے قرآن کریم کی سورت سکھاتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا جب کوئی آدمی (مباح) عمل کا ارادہ کرے تو دو رکعت نفل پڑھے اس کے بعد یوں دعا کرے: یا اللہ میں تجھ سے انجام کی بھلائی چاہتا ہوں کیونکہ ساری قدرت تجھی کو حاصل ہے، مجھ کو قدرت نہیں اور انجام کا علم بھی تجھی کو ہے، تو ہی غیب کی باتیں جانتا ہے، یا اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے بہتر ہے تو اسے میرے حصے میں کر دے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین و دنیا اور انجام میں میرے لیے بہتر نہیں ہے تو اس کو مجھ سے ہٹا دے اور پھر جہاں جس کام میں میرے لیے بھلائی ہو وہ میرے حصے میں مقدر فرما نیز مجھے رضامندی عطا کر۔ دعا کے لمحے میں اس کام کو بیان کرے۔

ولادت سے وفات تک کی رسومات

پیدائش کے موقع پر اوہام پرستی کا مظاہرہ یوں دیکھنے میں آتا ہے: مثلاً

بچوں کے سرہانے لوہے کی چیز رکھنا

توہماتی خیال یہ ہے چھوٹے بچوں پر آسیب کا اثر بہت جلد ہوتا نیز اس کا بچاؤ لوہے کی اشیا کا استعمال کیا جانا، لہذا بچے کے سرہانے چاقو، چھری یا لوہے کی کوئی اور چیز رکھ دی جائے تو اس سے بچہ محفوظ ہو جاتا ہے۔

بچوں کے گلے میں تعویذ ڈالنا

ہمارے ہاں عموماً بچوں کو پیدائش کے فوراً بعد سے بے شمار تعویذوں کے ساتھ منسوب کر دیا جاتا ہے، کوئی کسی مرض سے بچنے کا ہے تو کوئی نظر کا۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الاستخارۃ، حدیث نمبر: ٦٣٨٢، ٨١/٨

"دفع بلا کے لیے بچوں کے گلے میں تانبے یا چاندی کی ہنسلی ڈالی جاتی تھی، اسی غرض سے بعض مرتبہ شیر کے ناخن دھاگے میں باندھ کر گلے میں ڈال دیئے جاتے تھے اور قسم قسم کے امراض اور بلاؤں سے مدافعت کے لیے تعویذ پہنائے جاتے تھے، یہ طریقہ اب بھی عام ہے۔"(۱)

سوتک پاتک

ایک رواج جو پاکستان میں پایا جاتا ہے اسے ''سوتک پاتک'' کہتے ہیں، یہ بھی خالصتاً ہند تہذیب کے اثرات کا نتیجہ ہے، اس کے مطابق اگر کسی عورت کے گھر بچے پیدا ہو کر مر جاتے ہوں تو کوئی عامل ایسی عورت کو تعویذ دیتا ہے اور "چھلے" والے گھر جانے سے روک دیتا ہے، اور کچھ عورتوں کا خیال ہے کہ اس سے نومولود کو نظر بھی لگ جاتی ہے۔

نومولود کے ابتدائی کپڑوں کی حفاظت

بعض عورتوں کے مطابق "چھلے" کے گھر کے کپڑے ساری عمر سنبھال کر رکھنے چاہیں کیونکہ ان کپڑوں کی مدد بچوں پر جادوٹونہ ممکن ہوتا ہے اور اس سے بچے کی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

ولادت کے بعد بچے کو بکرے کی کھال سے گزارنا

پاکستان کے بعض یہاتوں میں توہم پرستی اس حد تک پہنچی ہوتی ہے کہ پیدائش کے فوری بعد بچے کو نہلانے سے پہلے بکرے کو ذبح کر کے اس کی کھال سے گزارا جاتا ہے پھر زمین میں گڑھا کھود کر کھال دبا دیجاتی ہے، اس توہم کا مقصد ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے بچہ لمبی عمر پائے گا۔(۲)

علاوہ ازیں دیگر رسومات میں سے ہے کہ زچہ کو چالیس دن کا چلہ کرنے کے بعد تین مرتبہ نہلانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ زچہ کو نجس اور چھوت سمجھنا وغیرہ شامل ہیں۔ اسلام میں بچہ پیدا ہونے کی جو رسمیں درست اور سنت کے مطابق ہیں وہ یہ ہیں کہ بچہ کو نہلا دھلا کر داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہہ دی جائے کسی دیندار بزرگ سے تھوڑا چھوارہ چبوا کر اس کے گالوں (منہ میں) کو لگا دیا جائے اس کے سوا باقی سب رسمیں فضول خلاف عقل اور منع ہیں۔

عصر حاضر میں علمِ نجوم سے توہم پرستی

(Astronomy and Superstition)

برصغیر کی توہم پرستانہ تہذیب میں ایسے علوم کو ابتدا سے ہی مقبولیت حاصل رہی ہے جن سے آدمی علمِ غیب سے باخبر ہو سکے، زیادہ درست یہ کہنا ہو گا کہ علمِ نجوم پر اعتقاد تقریباً دنیا کی تمام تہذیبوں میں پایا جاتا ہے۔

---

(۱) ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، ص:۲۶۸

(۲) دیکھیے: بہشتی زیور، ص:۴۱۰-۴۱۳

جب کبھی انسانی قلوب میں شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں تو غیب کو جاننے والے علوم سے اعانت لیتا ہے۔ نیز جب اپنی قوت بازو اور جدوجہد پر بھروسہ نہیں رہتا تو مستقبل کے حالات کو جاننے کے لیے مضطرب رہتا ہے، علم نجوم، علم رمل، جفر، کہانت وغیرہ پر قدیم میں ہی نہیں بلکہ جدید دور میں بھی یقین کیا جاتا ہے۔

درج بالا علوم صرف ہندوستان میں ہی رائج نہیں تھے بلکہ پورے ایشیا کے لوگ ان پر کامل اعتقاد رکھتے تھے اور بیشتر آج بھی رکھتے ہیں۔

مشہور فلسفی اور سیاح فرانس برنئیر (۱۶۳۰ء-۱۶۵۸ء) کے ہندوستان کے سفر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ایشیائی لوگ اکثر نجوم کے ایسے معتقد ہیں کہ اس جہان کا کوئی معمہ نہیں جو کواکب اور افلاک کی گردش پر منحصر نہ ہو، اس لیے وہ ہر کام میں نجومیوں سے مشورہ لیا کرتے ہیں یہاں تک کہ عین لڑائی کے وقت جب کہ دونوں طرف صف بندی بھی ہو چکی ہو کوئی سپہ سالار اپنے منجم سے ساعت نکلوائے بغیر لڑائی شروع نہیں کرتا تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی نامبارک ساعت میں لڑائی شروع کر دی جائے، بلکہ منجموں سے پوچھے بغیر کوئی شخص سپہ سالاری پر مقرر بھی نہیں کیا جاتا۔"[۱]

ہندوستانی راجوں مہاراجوں کے یہاں جوتشیوں اور نجومیوں کا رہنا تو لازمی تھا ہی مسلمانوں حکمرانوں کے دربار بھی ان سے خالی نہیں تھے، مغل بادشاہ کو ان علوم سے کچھ زیادہ ہی دلچسپی تھی، بابر نے علم فلکیات کا اپنی تزک میں بڑی دلچسپی سے ذکر کیا ہے، ہمایوں علم نجوم اور علم ہیئت کا بڑا مطالعہ رکھتا تھا اور اکبر بھی جوتشیوں اور نجومیوں کا پکا معتقد تھا، وہ ایک قدم بھی ان کے مشوروں کے بغیر نہ چلتا تھا۔

تزک جہانگیری میں درج ہے:

"نجومیوں اور علماء کے اصولوں کے مطابق نیک ساعت میں بروز بدھ ۲۲ رجب ۹۸۱ھ میں سلطان جہانگیر کو پڑھنے بٹھایا گیا۔"[۲]

آگے چل کر لکھا ہے:

"۱۶ محرم ۱۰۱۲ھ کو دارالحکومت آگرہ میں نوروزہ کے جشن کی محفل مرتب کی گئی اور جمعرات کو نجومیوں کی مقرر کردہ فلک ساعت میں تخت پر جلوہ افروز ہوا۔"[۳]

---

(۱) ہندوستانی تہذیب بوستان خیال کے تناظر میں، ڈاکٹر ابن کنول، مصنف دہلی ۱۹۸۸ء، ص:۳۰۵

(۲) تزک جہانگیری، ص:۲۰

(۳) ایضاً، ص:۱۲۸

یہ امر مترشح ہوا کہ مغلیہ دور میں نجومی حکومت پر اثر انداز ہوتے تھے۔ مغلیہ دور کے زوال کے دوران میں ایسے علوم کو مزید ترقی حاصل ہوئی جو حقیقت سے نگاہ چرانے اور تخیلات میں ڈبوئے رکھنے میں معاون تھے۔

اٹھارویں صدی کی دلی کے بارے میں مرقع دہلی میں لکھا گیا ہے:

"ستارہ شناس اور احمقوں کو جل دینے والے رمال بھی بیکار نہیں رہتے، یہ لوگ الگ الگ قرعہ پھینک کر پوشیدہ احوال اور غیب کے معاملات کے چہرے سے پردہ اُٹھاتے ہیں، لوگ اپنی خوش بختی اور بد بختی سے متعلق پوچھتے ہیں اور ان کی میعادوں سے خوش دل ہو کر اپنی استعداد کے موافق کچھ پیش کرتے ہیں۔"[۱]

اگر ہم پاکستان میں مشاہدہ کریں تو بے شمار بورڈ شاہراہوں پر لگے نظر آتے ہیں اور بعض نجومی تو باقاعدہ اخباروں میں اشتہار دیتے ہیں اور کچھ فٹ پاتھ پر کپڑا بچھائے بیٹھے رہتے ہیں اور لوگوں کی قسمت کا حال بتاتے ہیں، ہاتھ دیکھتے ہیں اور الٹی سیدھی لکیروں کی مدد سے زائچے بنا کر لوگوں کو خوش اور روپیہ بٹورتے ہیں۔

مشاہدات سے ثابت ہوا کہ اکثر اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی ان نام نہاد غیب دانوں کے پاس جا کر مستقبل کا حال معلوم کرتے ہیں، مسلمانوں کی اس قدر اوہام پرستی ان کے اپنے ایمان کی کمزوری اور دینی تعلیم وتربیت نہ ہونے کے باعث ہے۔

مشہور مفسر مولوی عبدالحق حقانی ؒ[۲] لکھتے ہیں:

"مسلمان توحید کے مدعی ہیں اور ان (ہندؤں) کو غیر اللہ کو معبود سمجھنے کے باعث جہنمی کہا جاتا ہے مگر خود قبروں کو پوجتے ہیں، تعزیہ پوجتے ہیں، شگون اور فال کے قائل ہیں۔ شریعت محمدیہ کی رسم و رواج کے مقابلے میں کچھ بھی اصل نہیں، سود کھاتے ہیں، شراب پیتے ہیں، جس طرح ہندو اپنے پنڈتوں کے پابند ہیں اسی طرح یہ اپنے پیروں کے، خواہ وہ ان کو قرآن و حدیث کے خلاف ہی کیوں نہ رستہ بتائیں یہ اس کو مانتے ہیں۔"[۳]

ان علوم کی زیادہ ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب دل دماغ پریشان ہوتے ہیں اس لیے لوگ گاہے بگاہے نجومیوں سے اپنے حالات معلوم کرتے ہیں، لیکن پریشانی اور مصیبت کے وقت خاص طور پر نہ صرف نجومیوں سے رابطہ قائم کیا جاتا ہے۔

---

(۱) نواب درگاہ قلی خان، مرقع دہلی، عبدالحمید یزدانی، ایلفا براؤ ویک سیلرز لاہور ۱۹۸۸ء، ص:۲۳

(۲) عبدالحق حقانی (۲۷ رجب ۱۲۶۵ھ - ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ) تصانیف میں عقائد اسلام، تفسیر فتح المنّان المعروف بہ تفسیر حقانی قابل ذکر ہیں۔ (عقائد الاسلام، عبدالحق حقانی، ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور، طبع ۱۹۸۸ء، ص:۲۶۰-۲۶۹) حالات زندگی بیان کردہ حکیم محمد اسحٰق حقانی۔

(۳) شہاب ثاقب، تحفہ ہند پریس دہلی، ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ، ص:۶۳

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اللہ تعالی نے ستاروں کو تین مقاصد کی خاطر تخلیق کیا:

«خَلَقَ هَذِهِ النُّجُومَ لِثَلاَثٍ؛ جَعَلَهَا زِينَةً لِلسَّمَاءِ، وَ رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ، وَ عَلاَمَاتٍ يُهْتَدَى بِهَا، فَمَنْ تَأَوَّلَ فِيهَا بِغَيْرِ ذَلِكَ أَخْطَأَ».[1]

ترجمہ: آسمان کی زینت کے لیے اور شیاطین کو ضرب لگانے، بھگانے کے لیے اور بحر وبر میں راستے کی تلاشگی خاطر۔ جو کوئی ستاروں کے بارے میں ان تین کے علاوہ کچھ اور عقیدہ رکھتا ہے وہ غلطی پر ہے۔

قرآن مجید میں بھی ستاروں سے متعلق انہی تین مقاصد کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے:

﴿ وَلَقَدْ زَيَّنَّا ٱلسَّمَآءَ ٱلدُّنْيَا بِمَصَٰبِيحَ وَجَعَلْنَٰهَا رُجُومًا لِّلشَّيَٰطِينِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ ٱلسَّعِيرِ ﴾[2]

ترجمہ: اور ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے رونق دی، اور ان کو شیطانوں پر پتھر برسانے کا ذریعہ بھی بنایا ہے، اور ان کے لیے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

﴿وَعَلَٰمَٰتٍ ۚ وَبِٱلنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ﴾[3]

ترجمہ: اور بہت سی نشانیاں بنائیں اور تاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں۔

نجومی مستقبل اور غیب کے بارے میں اپنے اندازے لگاتے ہیں جبکہ مستقبل اور علمِ غیب صرف خدائے تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ ارشاد الہی ہے:

﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ٱلْغَيْبَ إِلَّا ٱللَّهُ ...﴾[4]

ترجمہ: فرمادیجئے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں ان میں سے کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا سوائے اللہ کے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق ستاروں کو حقائق کے ہونے یا نہ ہونے میں موثر ماننا کفر ہے۔

حضرت زید بن خالد الجهني رضی اللہ عنہ[5] سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ:

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب فی النجوم، ١٠٧/٤

(۲) الملک ۶۷:۵

(۳) النحل ۱۶:۱۶

(۴) النمل ۲۷:۶۵

(۵) زید بن خالد الجهني المدني، اور کنیت ابو عبد الرحمن ہے۔ آپ کی مرویات صحابہ کرام سے ہیں۔ ۷۸ھ کوفہ میں وفات پائی، جب آپ کی عمر پچاسی سال تھی۔ (تهذيب التهذيب، أبو الفضل أحمد بن علي بن حجر العسقلاني(المتوفي:٨٥٢هـ)،طبع دائرة المعارف النظامية، الهند،الأولى، ١٣٢٦هـ، ٤١١/٣)

«صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلاَةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ فِي إِثْرِ السَّمَاءِ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ؛ هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَم قَالَ قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَ كَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ؛ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَ رَحْمَتِهِ، فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ». (۱)

ترجمہ: رسول اللہ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حدیبیہ کے مقام پر ہمیں صبح کی نماز پڑھائی جبکہ رات کو بارش ہو چکی تھی۔ جب انہوں نے سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں سے کچھ مومن ہو گئے ہیں اور کچھ کافر۔ جس نے کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل اور رحمت سے بارش ہوئی ہے وہ مجھ پر ایمان لایا اور جس نے کہا کہ یہ بارش فلاں فلاں برج کے اثر سے ہوئی ہے اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے حدیث کی تشریح میں نہایت مفید کلام کیا ہے یوں تخلیقِ نجوم کی ماہیت واضح ہو گئی ہے یہاں اس کا کلام کا حاصل پیش کیا جاتا ہے۔

حدیث میں موجود عبارت (مطرنا بنوء کذا) کی تشریح کے ضمن میں محدثین کی دو قسم کی آراء ہیں:

بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ الفاظ ادا کرنے سے بندہ کافر ہو جاتا ہے، ایمان سلب ہو جاتا ہے نیز وہ ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ لیکن کفر کا اطلاق صرف اسی وقت ہو گا کہ جب وہ شخص یہ اعتقاد رکھے کہ بارش کا سبب حقیقی نجوم ہیں جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ ایسا ایمان رکھتے تھے۔ یہ رائے جمہور علماء کی ہے اور حدیث کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کر رہا ہے۔ البتہ وہ شخص الفاظ کی ادائیگی کرتا ہے۔ لیکن مقصود یہ ہو، کہ بارش تو اللہ کے فضل و رحمت سے ہوئی ہے جبکہ نجوم صرف علامت کی حیثیت رکھتے ہیں، نہ کہ بارش کا حقیقی سبب ہیں، تو اس سے کفر لاگو نہ ہو گا۔ یعنی گناہ تو نہیں لیکن کراہت تنزیہی ضرور موجود رہے گی کیونکہ یہ ایسی عبارت ہے جو اپنے مفہوم میں حتمی نہیں، نیز کراہت کا موجب یہ ہے کہ یہ امر زمانہ جاہلیت کا شعار تھا۔

دوسری رائے: مذکورہ عبارت کی ادائیگی سے کفر کا اطلاق نہیں ہو گا۔ اس صورت میں وہ شخص نجوم کو مدبر حقیقی تسلیم نہ کرتا ہو۔ اس وقت کفر سے مراد کفرانِ نعمت ہو گا۔ لفظ (نوء) سے مراد بذات خود نجم اور ستارہ نہیں ہے بلکہ اس کا غروب ہونا یا طلوع ہونا مراد ہے۔ (۲)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کفر من قال مطرنا بالنوء، حدیث نمبر: ۷۱، ۸۳/۱

(۲) انظر: المنهاج فی شرح صحیح مسلم، للنووي، ۶۱/۲

نجومیوں کی بتائی ہوئی بعض باتیں سچ کیوں ہو جاتی ہیں اس اشکال کا حل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں مذکور ہے:

«سَأَلَ أُنَاسٌ رَسُولَ اللهِ عَنِ الْكُهَّانِ؟ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ: «لَيْسُوا بِشَيْءٍ» قَالُو؛ يَا رَسُولَ اللهِ فَإِنَّهُمْ يُحَدِّثُونَ أَحْيَاناً الشَّيْءَ يَكُونُ حَقًّا، قَالَ رَسُولُ اللهِ: «تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْجِنِّ يَخْطَفُهَا الْجِنِّي. فَيَقُرُّهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ قَرَّ الدَّجَاجَة، فَيَخْلِطُونَ فِيهَا أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ كَذْبَةٍ». (۱)

ترجمہ: بعض لوگوں نے رسول اللہ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے کاہنوں (نجومیوں) کی بابت پوچھا؟ تو فرمایا کہ "وہ کچھ نہیں ہیں" (یعنی وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور کسی بھروسہ کے قابل نہیں)۔ کہا گیا "اے اللہ رسول! نجومیوں کی کچھ باتیں سچی ہوتی ہیں ایسا کیونکر ہوتا ہے"۔ فرمایا کہ "سچ صرف اتنا ہوتا ہے جیسے کوئی جن اُچک لیتا ہے اور اپنے رفیق کے کان میں ڈال دیتا ہے۔ پھر وہ اس میں اپنی طرف سے سینکڑوں جھوٹ ملاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ علم نجوم غیب کے جاننے کا علم قرار پائے تو یہ باقاعدہ علم ہی نہیں یہ محض اندازے اور خیال آرائی کا علم ہے۔ اور آیات واحادیث میں بتایا گیا ہے اس کا سیکھنا ایمان کے ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ یہ شدید قسم کے وہموں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ لہذا یہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

اور اس سے مراد اگر علمِ ہیئت وفلکیات (astronomy) اور علم نجوم (astrology) ستاروں کی رفتار وحرکات سے جہت قبلہ اور اوقات یا موسموں وغیرہ کا تعین کیا جاتا ہے، اور ستارے، بادل اور بجلی کی گرج چمک جیسے مظاہرِ فطرت کا بخوبی مشاہدہ کیا جائے، تو اہل علم کے ہاں نہ صرف اس کے حصول کی اجازت ہے بلکہ مسلمان علماء کی اس علم کی آبیاری، تاریخی خدمات اور تحقیقی اہمیت قابل ستائش ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل وفہم اسی لیے دی ہے کہ وہ ہر کام سوچ سمجھ کر کرے۔ نجومیوں، عاملوں، اور کاہنوں کی خبروں پر یقین رکھنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین کامل ہو تو پھر اس قسم کی توہم پرستی اور بدشگونی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

تعویذ گنڈے اور توہم پرستی

موجودہ معاشرے میں نام نہاد فقیروں کے کلمات کو کلماتِ خدا کی مانند سمجھا جاتا ہے اور ان کے بتائے ہوئے احکامات پر احکاماتِ دین کی طرح عمل کیا جاتا ہے، بچہ کی ولادت پر تعویذات سے لاد دیا جاتا ہے، جس طرح مشکل اوقات میں اسم اعظم کا ورد کیا جاتا ہے اسی طرح بعض کاموں کو آسان بنانے کے لیے اور اثرات کو زائل کرنے میں تعویذ گنڈوں کا کرنا معاون سمجھا جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں بادشاہ اور امراء تک یہ امید رکھتے تھے کہ اسمائے اعظم اور تعویذوں کے ذریعے حکومت کو سنبھال لیں گے اور ہر ایک کو شکست دیں گے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکهانة و اتیان الکهان، حدیث نمبر:۲۲۲۸، ۴/۱۷۵۰

ڈاکٹر محمد حسن نے اٹھارویں صدی کے آخر کی توہم پرستی کا ذکر کرتے ہیں:

"ہر طرف ضعیف الاعتقادی کا زور تھا اور تعویذ گنڈے، منتیں، مرادیں عرس قوالیاں اور اوراد و وظائف کا چرچا تھا، باعث یہ تھا کہ غالباً انحطاط پذیر دہلی کے لوگوں میں عمل کی طاقت کم ہو گئی تھی، تعیش پسندی نے لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کر لیا تھا اور ان کی شخصیتوں کو ضابطہ دین کی عادت سے دور کر دیا تھا، عمل سے بے گانہ ہو کر وہ اب اپنے مسائل کا حل اپنی قوتِ بازو کے ذریعے تلاش کرنے کی بجائے غیبی قوت کے سہارے معجزے یا کرامت میں ڈھونڈ رہے تھے۔"[1]

غیبی قوت کا سہارا انہیں نام نہاد فقیروں کے واسطے سے مل سکتا تھا اور یہ لوگ حاجت مندوں کو تعویذوں سے نوازا کرتے تھے۔

موجودہ دور میں تعویذات کا باقاعدہ کاروبار بن گیا ہے، تعویذوں پر صرف مسلمان ہی یقین نہیں رکھتے بل کہ ہندو بھی اتنا ہی اعتقاد رکھتے ہیں، بہت سے لوگوں کو دواؤں سے زیادہ تعویذوں پر بھروسہ ہے، تمام امراضِ جسمانی سے نجات کے لیے ان کا سہارا لیا جاتا ہے، جن بھوت پریت سے بچنے کے لیے ان کو گلے میں لٹکایا جاتا ہے، خصوصاً خواتین کے طبقے میں ان کی مقبولیت بہت زیادہ ہے، عورتیں اپنی ہر مشکل کو تعویذوں سے حل کرنا چاہتی ہیں، بعض لوگ جب گھر سے نکلتے ہیں تو اپنے بازو پر امام ضامن باندھ لیتے ہیں جو دوران سفر ان کا محافظ و مددگار ہوتا ہے۔

بلاؤں سے محفوظ رہنے کے لیے بعض مرید اپنے مرشد کی کسی شے کو بطور تعویذ اپنے پاس رکھتے ہیں۔

آج کل تعویذ کی طرح تولہ (محبت کا تعویذ) کا رواج بھی عام ہو گیا ہے، یہ مرد عورت میں محبت پیدا کرنے کے لیے مستعمل ہے۔

تانت، دھاگے

تعویذوں کے ساتھ ساتھ تانت اور دھاگے بھی ہمارے معاشرے میں بری طرح پھیلی ہوئی ہے، خصوصاً ہمارے دیہات اس کا بہت شکار ہیں، یہ رسم بھی ہنود سے ہماری طرف آئی ہے، ہندوؤں میں شروع سے یہ رواج چلا آرہا ہے کہ ہر سال دیوالی کے تہوار کے موقع پر بہنیں اپنے بھائیوں کو منتر پڑھا ہوا دھاگا کلائی پر باندھتی ہیں، مدعا یہ ہوتا ہے کہ بھائی سارا سال مختلف مصیبتوں اور پریشانیوں سے دور رہے گا، اسی رواج کو مسلمانوں نے اس طرح اپنایا کہ کہیں وہ بخار سے بچنے کے لیے دھاگا باندھتے ہیں اور کہیں نظرِ بد سے بچنے کے لیے تانت۔

---

(۱) اردو شاعری کا تہذیبی اور فکری پس منظر، ڈاکٹر محمد حسن، اردو اکادمی دہلی، ۱۹۸۹ء، ص:۵

سحر سے مرادیں بر آنا

یہ بھی عصر حاضر کی توہم پرستی کا ایک بڑا حصہ ہے، اگرچہ بعض دفعہ سحر، طلسمات کے ذریعے بھی اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کی مرادیں پوری کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ عَلِمُوا۟ لَمَنِ ٱشْتَرَىٰهُ مَا لَهُۥ فِى ٱلْـَٔاخِرَةِ مِنْ خَلَـٰقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا۟ بِهِۦٓ أَنفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا۟ يَعْلَمُونَ وَلَوْ أَنَّهُمْ ءَامَنُوا۟ وَٱتَّقَوْا۟ لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ ٱللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَّوْ كَانُوا۟ يَعْلَمُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: خود وہ بھی جانتے ہیں کہ کوئی اسے اختیار کرتا ہے آخرت میں اس کا کوئی حق نہیں، بے شک وہ بری شے ہے جس کے باعث وہ ہلاکت میں پڑے رہے ہیں، کاش وہ جانتے نیز وہ ایمان و تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کے نزدیک بہتر معاوضہ تھا، کاش وہ سمجھتے۔

خود یہ عملیات کرنے والے بھی اعتراف کرتے ہیں کہ وہ گناہ گار ہیں، آخرت میں نقصان اٹھائیں گے لیکن صرف دنیاوی منفعت کے لیے وہ یہ ضرر رساں کام کرتے ہیں۔

متفرق توہمات (Variant Superstitions)

۱. بالعموم منگل اور ہفتہ کو بھی منحوس سمجھا جاتا ہے اس دن کوئی بھی نیا کام شروع کرنے سے احتراز ہوتا ہے جب کہ بدھ کے دن کو نیک شگون خیال کیا جاتا ہے۔

۲. کسی کام کے لیے باہر جاتے ہوئے اگر پیچھے سے کوئی آواز دیدے تو یہ ناکامی کی نشانی خیال کی جاتی ہے۔

۳. ہاتھ کی ہتھیلی میں خارش ہو تو یہ پیسہ ملنے کی نشانی ہے۔

۴. بعض لوگ مزاروں یا مسجدوں میں چراغ برائے حاجت جلاتے ہیں، ایسا کرنے والوں کا خیال ہے کہ مزاروں پر چراغ روشن کرنے سے صاحب قبر ان کی دعا جلد سنتے ہیں۔

۵. بائیں آنکھ کا پھڑکنا: بائیں آنکھ پھڑکنے سے یہ گمان رکھا جاتا ہے کوئی بری خبر آنے والی ہے۔

۶. بائیں قدم سے داخل ہونا: بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ گھر کے اندر بائیں پیر کو پہلے اندر کر کے داخل ہونا نحوست کا سبب ہوتا ہے۔

۷. قینچی کو خالی چلانے سے یا دونوں پیر کے جوتوں کو آپس میں بھڑانے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اس سے فریقین کے مابین جھگڑا ہو جائے گا۔

---

(۱) البقرۃ ۲: ۱۰۲-۱۰۳

۸. اُلو اور کوّے کو بد شگونی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اُلو مغرب میں عقل مندی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

۹. بعض عورتیں شام کے وقت گھر میں جھاڑو دینے سے منع کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں: ایسے گھر میں فقر آتا ہے یا پھر بدروحیں بسیرا کر لیتی ہیں۔

۱۰. کالی بلّی اور کالے کتے کو بھی نحوست کا مظہر خیال کیا جاتا ہے، اگر دن کے شروع میں کالی بلی نظر آ جائے تو اس کا آرزو یہ باندھ لی جاتی ہے کہ کوئی آفت آن پڑے گی، جب کہ کالے کتے سے متعلق مشہور ہے کہ جِنات کا سامنا ہو گا۔

۱۱. ٹوٹے ہوئے شیشے کو بھی برا محسوس کیا جاتا ہے۔

۱۲. بعض لوگ اپنے پاس سے ایمبولینس یا مردہ اٹھانے والی گاڑی کے گزرنے کو بھی کسی انہونی مصیبت سے جوڑتے ہیں۔

خلاصہ کلام: معلوم ہوا کہ دنیا کا کوئی علاقہ اور قوم توہمات سے آزاد نہیں، اس کا سبب ظاہر ہوتا ہے کہ توہم پرستی مذہب سے کم اور انسان سے زیادہ متعلق ہے۔ انسان کے اعتقادات کی بنیاد وہم وخیال سے شروع ہو کر ظن اور یقین کی حد میں داخل ہوتی ہے، اور انسانی شعور میں موجود توہمات ہمیشہ اس کے تصور پر غالب رہتے ہیں نتیجہ کے طور پر ہر انسان بے بنیاد اور خیالی باتوں کو بھی شعوری سمجھنے لگتا ہے اس طرح ان کو مذہبی حثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ مزید یہ کہ ہمیشہ سے معاشرتی رسومات کو فروغ دینے کے لیے مذہب کا استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ انتہائی ترقی یافتہ معاشرے میں مذہبی یا علامتی طور پر کھیلوں، سکولوں اور اقوام کے لیے مبارک نشان منتخب کرنا بھی اس سلسلے کی کڑی ہے۔ عرب کے جاہلی معاشرے کی مظاہر پرستی ہو یا پھر عہد حاضر میں موجود توہم پرستی اور بد شگونی پر مبنی عقائد و نظریات، ان کی بنیاد من گھڑت واقعات ہوتے ہیں۔ اس سے یہ تاثر پختہ ہوتا ہے کہ دنیا کے ہر مذہب میں اور اس کے زیر اثر معاشروں میں فطرت سے متاثر ہونے کا عمل زیادہ رہا ہے کہ وہ غیر مرئی چیزوں اور معاملات پر جلدی یقین کر لیتا ہے، اور مختلف تہذیبوں کے درمیان سماجی روابط اور روایات کا تبادلہ سے توہمانہ رسومات کو مزید تقویت ملتی رہی ہے۔ بہت سے مشترکہ توہمات کے مظاہر، سامی اور غیر سامی مذاہب اور ان کے پیروکاروں کے ہاں یکساں ملتے ہیں۔ یہ توہمات نہ صرف ان کے عبادات کے طریقوں بلکہ سماجی ومعاشرتی رویوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

باب سوم

توہم پرستی کے اسباب واثرات

(Causes & Effects of Superstition)

فصل اول: توہم پرستی کے مذہبی اسباب واثرات

مبحث اول: اعتقادی اسباب واثرات

مبحث ثانی: تربیتی اسباب واثرات

فصل اول: توہم پرستی کے مذہبی اسباب و اثرات

فصل ہذا میں توہم پرستی کے اسباب و اثرات مذہبی تعلق کو واضح کیا جائے گا۔ توہم پرستی کے اسباب کیونکر انسانی زندگی پر اثر پذیر ہوتے ہیں۔ نیز ان امور کا تجزیہ کیا جائے گا کہ دین اسلام میں ان اسباب و اثرات کی بابت کیا نصوص موجود ہیں۔ آج کا مسلمان خاص طور پر یا علی الاطلاق انسان کہیں نہ کہیں توہمات، بے چینی، گھبراہٹ اور افسردگی کا شکار ہیں۔ قرآنی ہدایات کے درست فہم و عمل نے صدر اسلام کے مسلمانوں کے کردار کو اتنا مضبوط بنا دیا تھا کہ کوئی ذہنی الجھن اور توہماتی امراض، اضطراب، مایوسی، غرور و تکبر، احساسِ برتری یا احساس کمتری ان کے قریب بھی نہ آ سکتا تھا۔

مبحث اول: اعتقادی اسباب و اثرات

عقیدہ توحید میں کمزوری

قرآن کریم نے سب سے پہلے انسان کے عقیدہ میں انقلاب برپا کیا۔ یعنی سب سے پہلے انسان کس کی مخلوق ہے؟ کس کی ملکیت ہے؟ جیسے سوالات کو حل کیا اور انسانوں کی سوچ کا رخ متعین کیا۔ انسان اور خالق حقیقی کے مابین تعلق کی نوعیت کیا ہے۔ قرآن میں کثیر آیات مذکور ہیں جس میں عقیدہ توحید کو اُجاگر کیا گیا اور اس سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ یقیناً عقیدہ توحید میں کمزوری سے منفی اثرات بھی مختلف صورتوں میں انسان کی زندگی میں رونما ہوں گے۔

توحید کو واشگاف انداز میں پیش کیا گیا:

﴿ إِنَّمَآ إِلَٰهُكُمُ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا ﴾ (۱)

ترجمہ: حقیقت میں تمہارا معبود تو اللہ ہی ہے۔ علاوہ ازیں کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت کی جائے۔ اس کا علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقُلْ حَسْبِىَ ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ ٱلْعَرْشِ ٱلْعَظِيمِ ﴾ (۲)

ترجمہ: پس اگر وہ پھر جائیں تو (اے رسول! ان سے) کہہ دو کہ؛ میرے لیے اللہ کافی ہے۔ کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے۔ اور وہی بڑے تخت کا مالک ہے۔

---

(۱) طہ ۲۰:۹۸

(۲) التوبۃ ۹:۱۲۹

قرآن نے جگہ جگہ عقیدہ توحید کو تمام اعمال سے مقدم رکھا اور خدائے تعالیٰ کی ذات پر یقین کو سب سے پہلی شرط کے طور پر ذکر کیا۔

"عقیدہ توحید میں کمزوری کس طرح توہمات اور ذہنی الجھنوں کو جنم دینے کا سبب بنتی ہے۔ ماہرین نفسیات کے مطابق بچوں کی شخصیت کی درست اور متوازن نشو ونما کے لیے محبت ضروری عنصر ہے ورنہ وہ تربیتی عدم توازن میں رہتے ہیں۔ جس طرح اولاد کو گھر میں محبت اور احساس تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح بڑوں کو بھی زندگی میں قدم قدم پر محبت، اعتماد اور احساس تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ محبت وتحفظ کا یہ احساس اور خدا سے تعلق انسان کو ایسا یقین فراہم کرتے ہیں جو مرتے وقت تک بلکہ اس کے بعد بھی انسانی زندگی کو خوشگوار اور تابناک بنائے رکھتے ہیں۔"(۱)

جب اللہ تعالیٰ کی ذات ایمان کا فقدان ہو گا تو یہ انسانی شخصیت کو ذہنی انتشار کی بنا پر خلفشار کا شکار رکھتا ہے اور یوں یہ شخص بھلائی کے راستے پر چلنے کی توفیق بھی بمشکل پاتا ہے۔ جبکہ ایمان باللہ اس کو اس قید وبند سے آزادی عطا کرتا ہے جس کی بدولت وہ تمام برائیوں سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص ایک زندہ متحرک اور حقیقی زندگی بسر کرتا ہے وہ خرافات سے دور بھاگتا ہے اور اپنے لیے، اپنی قوم کے لیے اور تمام بنی نوع انسان کے لیے مثبت اور بہتر کارکردگی ادا کرتا ہے۔

انسان میں جتنا بھی بھلائی، شرافت، ایثار اور ایجابی امور ہوتے ہیں وہ ایمان باللہ سے حاصل شدہ ہوتے ہیں۔ اگر ایمان باللہ مفقود ہو جائے یا اس میں کمزوری آئے تو اس سے انسان کا نفس ایک کھلے ہوئے اونٹ کی طرح ہو جاتا ہے جس کی نہ منزل ہوتی ہے اور نہ راستہ، شیطان اسے خواہشات اور خوف کے جھگڑوں میں تھکا دیتا ہے اور وہ بے جا اوہام کا شکار ہو کر خوار ہو کر رہ جاتا ہے۔

مؤمن کو نا امیدی لاحق ہونے لگے تو وہ فوراً اپنے رب کو یاد کرنے لگتا ہے وہ نتائج پر گہرائی نظر ڈالنے سے اس فکر کو حاصل کرلیتا ہے کہ اس کے پاس ایک ٹھکانہ موجود ہے جہاں وہ پناہ لے سکتا ہے نیز اس کا رب اس کی مدد پر قادر ہے لہذا ناامیدی اور گھبراہٹ کی ضرورت نہیں۔

جب انسان کو یہ یقین ہو کہ وہ جس پر ایمان لایا ہے وہ غالب، طاقتور اور کارساز ہے اور یہ کہ وہ بہت حکمت والا بھی ہے تو کیا ایسا شخص زندگی میں عدم توازن، بے اعتدالی اور مایوسی کا شکار ہو کر اوہام اور ذہنی الجھنوں کا شکار ہو سکتا ہے؟

عہد حاضر کے لبنانی عالم ڈاکٹر عفیف عبد الفتاح طبارہ "الایمان باللہ" کی وضاحت میں کچھ یوں تحریر فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

---

(۱) اسلام اور تعمیر شخصیت، پروفیسر عبد الرشید، ادارہ ثقافت اسلام، ص:۴۵

انسان اس زندگی میں مشکلات اور آلام کے بہالے جانے والے جھونکوں کے وسط میں ہے پس جو ایمان باللہ سے متصف نہ ہو اس کی ذات کو اپنے لیے جائے پناہ نہ بناتا ہو مصائب میں اس کو تسلی بخش نہ سمجھتا ہو اور پریشانیوں میں اس کو مددگار نہ جانتا ہو تو وہ اپنی زندگی میں بنی نوع انسان کے درمیان سب سے زیادہ بدقسمت ہے۔ برخلاف مؤمن کے جو ایک متوازن زندگی گزارنے پر قدرت رکھتا ہے۔[1]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ[2] نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کا ایک قصہ نقل کیا جس سے نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ عقائد بلخصوص عقیدہ توحید کی کمزوری معاشرے میں توہم پرستی کا بڑا سبب ہے۔

"مصر میں زمانہ جاہلیت سے یہ تصور اور توہم پایا جاتا تھا کہ سال میں ایک مرتبہ دریائے نیل میں ایک کنواری خوبصورت لڑکی کو دریا میں ڈال دیا جاتا تھا، اس عمل کو وہ اسی لئے انجام دیتے یوں نہ ہوا تو دریائے نیل ٹھہر جاتا اور پانی ختم ہو جاتا، لہذا ان کا اعتقاد بھی مضبوط ہو گیا، جب اسلام مصر کی سرزمین پر پہنچا اور حضرت عمرو بن العاص گورنر مقرر کئے گئے تو یہی صورت حال پیش آئی، لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئی اور اپنی سابقہ روایات کو ذکر کیا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے ایسا نہیں کیا جائے گا، پھر آپ نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا اور حالات سے واقف کروایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک چھٹی لکھی اور کہا کہ اسے دریائے نیل میں ڈال دیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس چھٹی کو دریائے نیل میں ڈال دیا، پانی پوری روانی کے ساتھ بہنا شروع ہو گیا اور سارے لوگ حیران تھے۔

اس خط میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا کہ:

من عبدالله عمر بن الخطاب أميرالمؤمنين إلى نيل مصر: أما بعد؛ فإن كنت تجري من قبلك فلا تجرِ، و إن كان الله يجريك فأسأل الله الواحد القهار أن يجريك.

---

(۱) روح الدين الإسلامي، عفيف عبد الفتاح طباره، دار العلم للملايين بيروت، ۱۹۹۳ء، ص:۶۵

(۲) السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، المشہور ب جلال الدین السیوطی (۸۴۹ھ / ۱۴۴۵ء - ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء) امام، حافظ، مورخ اور ادیب تھے، تقریباً ۶۰۰ تصنیفات ہیں۔ کتابوں میں الاتقان فی علوم القرآن، الاکلیل فی استنباط التنزیل، الاشباہ والنظائر، تفسیر جلالین، زیادہ مشہور ہیں۔ (معجم المؤلفين، ۱۲۸/۵)

ترجمہ: یہ اللہ کے بندے عمر کی طرف سے دریائے نیل کے نام: امابعد! اگر تو(اے دریائے نیل) اپنے طرف سے جاری ہو تا تھا مت ہو اور اگر اللہ واحد قہار نے تجھ کو جاری کیا تو ہم اسی کے سوالی ہیں کہ وہ تجھ کو جاکر دے۔"[۱]

توہم پرستی سے جڑا ہوا ایک اور واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں پیش آیا، صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ایک شجر کے سائے میں صحابہ کرام سے بیعت لی کہ جب تک قصاصِ عثمان نہیں لیں گے اس مقام سے واپس نہیں جائیں گے۔ اس بیعت کو بیعت الرضوان کہتے ہیں اور وہ درخت شجرۃ الرضوان کہلاتا ہے۔ خلافتِ فاروقی میں کسی اور درخت کے بارے میں کچھ لوگ یہ خیال کرنے لگے تھے کہ یہی وہ درخت ہے جس کے نیچے بیعت ہوئی تھی اور لوگوں نے اس کے پاس مسجد بھی بنالی تھی، اسی درخت کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کٹوا دیا تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ[۲] نے اس زوایہ رجحان کو راجح مقرر کیا ہے۔

"وأمر عمر رضي الله عنه بقطع الشجرة التي توهموا أنها الشجرة التي بويع الصحابة تحتها بيعة الرضوان. لما رأى الناس ينتابونها ويصلون عندها، كأنها المسجد الحرام، أو مسجد المدينة."[۳]

ترجمہ: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کے لوگ اس درخت کے پاس نماز پڑھتے ہیں اور اس سے مسجد حرام اور مسجد نبوی جیسی عقیدت وابستہ کر لی ہے چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ درخت کو کاٹنے کا امر صادر فرمایا جس کے متعلق لوگوں کا خیال تھا کہ یہ وہ ہی بیعت رضوان والا درخت ہے۔

---

(۱) تاريخ الخلفاء، جلال الدين السيوطي (المتوفي:۹۱۱ھ)، المحقق: حمدي الدمرداش، مكتبة نزار مصطفى الباز، الأولى: ۱٤۲٥ھ، ص:۱۰۳

(۲) ابن تیمیہ، تقي الدین أبو العباس أحمد بن عبد الحلیم، ابن تیمیہ کے نام سے مشہور ہیں۔(۶۶۱ھ-۷۲۸ھ) فقہ میں حنبلی مذہب کے فروغ دینے کے سبب اُن کو مذہب حنبلی کا شارح کہا جاتا ہے۔ مشہور شاگردوں میں ابن قیم اور ابن کثیر شامل ہیں۔ آپ نے عقائد، فقہ، رد فرق باطلہ، تصوف اور سیاست پر گراں قدر کتب تحریر کیں۔ مثلاً فتاوی ابن تيمية، الصارم المسلول على شاتم الرسول، السياسة الشرعية، الجمع بين العقل والنقل۔ (ابن تيمية حياته وعصره آراؤه وفقهه، لمحمد بن أحمد أبو زهرة، الطبعة دار الفكر العربي القاهرة، ۱۹۹۱ء ص:۱۷)

(۳) اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم، احمد بن عبد الحليم الحنبلي الدمشقي المشهور باسم ابن تيمية (المتوفي:۷۲۸ھ)، دار عالم الكتب، بيروت، لبنان، السابعة، ۱٤۱۹ھ، ۱٤٤/۲

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس درخت کو کاٹنے کا حکم دیا کیونکہ بعض لوگوں کی طرف سے خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ اس میں غلو کرتے ہوئے شرکیہ اعمال کرنے لگیں گے۔ اور صحیح روایات کے مطابق صحابہ کرام بھی اس درخت کی جگہ بھول گئے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے:

عَنْ طَارِقِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: انْطَلَقْتُ حَاجًّا، فَمَرَرْتُ بِقَوْمٍ يُصَلُّونَ، قُلْتُ: مَا هَذَا المسْجِدُ؟ قَالُوا: هَذِهِ حَيْثُ بَايَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ، فَأَتَيْتُ سَعِيدَ بْنَ المسَيِّبِ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ سَعِيدٌ، حَدَّثَنِي أَبِي: أَنَّهُ كَانَ فِيمَنْ بَايَعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، قَالَ: فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنَ العَامِ المقْبِلِ نَسِينَاهَا، فَلَمْ نَقْدِرْ عَلَيْهَا، فَقَالَ سَعِيدٌ: «إِنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَعْلَمُوهَا وَ عَلِمْتُمُوهَا أَنْتُمْ فَأَنْتُمْ أَعْلَمُ».[۱]

ترجمہ: طارق بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں حج کے قصد سے نکلا تو چند لوگوں سے سامنا ہوا، جو نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے سوال کیا یہ کون سی مسجد ہے؟ بتایا کہ درخت وہی ہے جہاں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان لی تھی۔ میں سعید بن مسیب سے ملا اور انہیں سارے ماجرے کی خبر دی۔ تو کہا: مجھے میرے والد نے قول رسول بیان کیا اور ان کے والد کا شمار درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والے لوگوں میں تھا، انہوں نے فرمایا: جب ہم اگلے سال حج کے لیے نکلے تو اس کی جگہ بھول گئے اور اسے معلوم کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔ حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا یقیناً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو اس درخت کی معرفت نہ کر سکے اور تم لوگوں نے اسے پہچان لیا! تم لوگ ان سے زیادہ جانتے ہو؟

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانے خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کبھی معاشرے میں غلط عقیدے اور رواج کو فروغ دینے کی کوئی وجہ سامنے آئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ صرف اس کا خاتمہ فرمایا بلکہ اللہ تعالی کی فعالیت اور اسلام کی صداقت کو واضح فرمایا۔ لہٰذا اس امر کی وضاحت بھی شامل ہے کہ نااُمیدی اور عقیدے کی خرابی کس قدر خطرناک اور مہلک ثابت ہوتی ہے اور اس کی انتہائی حد انسان کو ذہنی بیمار میں گرفتار کر دیتی ہے اور انسان میں مختلف قسم کے توہمات کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے۔ عقیدہ توحید اور رب العزت کی ذات پر یقین فرد کو مایوسی کے اندھروں سے نکال کر امید کی پُرنور فضا میں لے آتا ہے۔

عبادات سے دوری

معاشرے میں جو لوگ اپنے رب کی عبادت سے دور بھاگتے ہیں ان کی زندگی بہت سارے مسائل کا شکار ہو جاتی ہے۔ ان مسائل میں جہاں ایک فریضے کو ترک کرنے کی وجہ سے خود کو گناہ کے احساس تلے دبا دینا شامل ہے۔ بالکل اسی طرح بعض دیگر مشکلات بھی لوگوں کی زندگی کو اپنی پکڑ میں کر لیتی ہیں۔ نیز وہ عدم تحفظ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جب خدائے

---

(۱) صحیح البخاری، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث نمبر:٤١٦٣، ٥/١٢٤

تعالیٰ سے براہ راست تعلق ٹوٹتا ہے تو انسان کا دل لاشعوری طور پر غیر محفوظ ہوتا ہے۔ تب وہ اس تحفظ کی تلاش میں اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے، توہمات میں گھر جاتا ہے، چھوٹی چھوٹی عجیب و غریب چیزوں میں اپنی ذات کو تلاش کرتا ہے اور ایسے ایسے افعال سرانجام دیتا ہے جنہیں عقل سلیم ٹھیک نہیں سمجھ سکتی۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَٱتَّخَذُواْ مِن دُونِهِۦٓ ءَالِهَةً لَّا يَخۡلُقُونَ شَيۡـًٔا وَهُمۡ يُخۡلَقُونَ وَلَا يَمۡلِكُونَ لِأَنفُسِهِمۡ ضَرًّا وَلَا نَفۡعًا وَلَا يَمۡلِكُونَ مَوۡتًا وَلَا حَيَوٰةً وَلَا نُشُورًا﴾ (۱)

ترجمہ: اور لوگوں نے اسکے علاوہ معبود بنالیے جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے اور حال یہ ہے کہ وہ پیدا کیے جاتے ہیں اور وہ اپنی جانوں کے لیے کسی ضرر اور کسی نفع کے مالک نہیں ہیں، اور نہ وہ کسی کی موت کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ حیات کا اور نہ کسی کو زندہ کرکے اٹھانے کا۔

جب فرد رب العزت کے سامنے بندگی کا اظہار کرتا ہے اور اسی کو معبود مان لیتا ہے۔ تو توہمات، بے چینی اور خوف اس کے قریب بھی نہیں بھٹکتے اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کو ہمیشہ راہ راست پر رکھتی ہے۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ عبادت ایک طرف تو خالقِ کائنات کی تعظیم ہے تو دوسری طرف انسان کی اپنی ذات کو مکمل کرنے کا ذریعہ بھی۔ اگر زندگی میں یہ عنصر شامل نہ ہو تو بے چینی، توہمات اور عدم تحفظ کا احساس ہر وقت چمٹے رہتے ہیں۔

قرآنی تعلیمات انسان کی بقا اور فلاح کے لیے مؤثر و معاون ثابت ہوتی ہیں ان تعلیمات میں عبادت بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ عبادات کو جہاں سائنس نے طبی اور جسمانی اثرات کے لیے سود مند ثابت کیا ہے وہاں پر عبادات کے روحانی، اخلاقی اور ذہنی اثرات بھی دور رس ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ٱلَّذِينَ يُؤۡمِنُونَ بِٱلۡغَيۡبِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَمِمَّا رَزَقۡنَٰهُمۡ يُنفِقُونَ وَٱلَّذِينَ يُؤۡمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيۡكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبۡلِكَ وَبِٱلۡأٓخِرَةِ هُمۡ يُوقِنُونَ أُوْلَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدٗى مِّن رَّبِّهِمۡۖ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ﴾ (۲)

ترجمہ: جو بن دیکھے یقین رکھتے اور نماز کو درستی سے ادا کرتے اور جو ہم نے دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔ نیز یقین کرتے ہیں جو کچھ اترا آپ پر اور جو اتارا گیا قبل آپ سے اور آخرت پر وہ ایقان رکھتے ہیں۔ یہ بڑی ہدایت پر ہیں اپنے رب (کی جانب) سے اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایمانیات کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ جیسے اہم ارکان کا ذکر کردیا ہے نیز فرمایا کہ ان تمام امور کو سرانجام دینے والے اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور کامیابی ان کا مقدر ہے۔ ظاہر ہے کہ حقیقی ہدایت اور کامیابی وہی ہوتی ہے جس میں

---

(۱) الفرقان ۲۵:۳

(۲) البقرۃ ۲:۳-۵

انسان اوہام اور الجھنوں سے محفوظ رہے۔ نیز جو لوگ عبادات و مذکورہ امور کو نہ بجالائیں، ہدایت و کامیابی ان کے لیے نہیں۔ اشارۃً توضیح ہوئی کہ عبادات سے دوری بنی آدم کو ذہنی اُلجھنوں اور معاشرتی برائیوں میں مبتلا کر دینے کا بڑا سبب ہے۔

بقول اقبال عبادات انسان کے اندر کی پکار ہے۔ اس ویرانہ کائنات میں ایک ایسے ساتھی کی ضرورت ہے جس کے سامنے انسان اپنے جذبات کا اظہار کر سکے، جس کے سامنے وہ اپنا دکھ درد بیان کر سکے، جس کے سامنے رو سکے، مچل سکے ورنہ اس کے جذبات اس کو نگل جائیں اس کی تنہایوں کا بوجھ اسے کچل ڈالے اس کی ناکامیاں اسے مایوس کر دیں۔ عبادت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا دراصل خالق کی قدردانی اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینے کا نام ہے۔ (۱)

تقدیر پر ایمان میں کمی

تقدیر پر ایمان رکھنا مسلمان ہونے کا اساسی عنصر ہے اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ ایک مسلمان کے لیے اس کا یقین رکھنا ضروری ہے کہ امورِ زندگی میں ہر کام خدائے تعالیٰ کی مَشِیَّت وارادہ سے متعلق ہوتا ہے اور تمام معاملات باری تعالیٰ کے امر سے وابستہ ہوتے ہیں اگر یہی یقین ایک مسلمان کا ہو تو پھر اس کے جذبات واحساسات بھٹکیں گے نہیں اور نہ ہی وہ اپنی ذات کو بھٹکتا ہوا پائے گا اور نتیجۃً وہ اوہام سے مامون رہے گا۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا فِىٓ أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِى كِتَٰبٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَآ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٌ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا۟ عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا۟ بِمَآ ءَاتَىٰكُمْ ۗ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ (۲)

ترجمہ: جتنی مصیبتیں اقوام وامم پر نازل ہوئی ہیں اور خود تم پر نازل ہوئیں وہ سب ہم نے پہلے سے ایک کتاب میں لکھ رکھی ہیں (یعنی پہلے سے وہ ایک منضبط قانون کی صورت میں موجود ہے) اور ایسا کرنا اللہ پر کوئی صعوبت نہ رکھتا۔ (یہ اس لیے بتادیا کہ) تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ نہ لگے اس پر آرزدہ خاطر نہ ہو جاؤ اور جو کچھ وہ تمہیں عطا فرمائے اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ خود ستا، فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔

سید قطب شہید (۳) لکھتے ہیں:

---

(۱) دیکھیے: اسلام اور تعمیر شخصیت، ص:۴۵

(۲) الحدید۵۷:۲۲-۲۳

(۳) سید قطب إبراهيم حسين الشاذلي شہید (۹ اکتوبر ۱۹۰۶ء-۲۹ اگست ۱۹۶۶ء) تعلیمی فراغت کے بعد قاہرہ یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہوگئے۔ اور "اخوان المسلمین" سے متعلق ہوگئے اور آخر تک اسی سے وابستہ رہے۔ کثیر التصانیف ادیب، سیاسی اور اجتماعی نقاد کے حوالے سے اپنانام پیدا کیا۔ (معجم المفسرين، ۱/۲۱۹)

"فاتّساع أفق النظر، و التعامل مع الوجود الكبير، و تصور الأزل و الأبد، و رؤية الأحداث فی مواضعها المقدرة فی علم الله الثابتة فی تعميم الكون؛ كل ذالک يجعل النفس أفسح و أكبر و أكثر ثباتاً، و رزانة فی مواجهة الأحداث العابرة".[۱]

ترجمہ: فکری اُفق کی وسعت، وجود اکبر (خالق کائنات) کے ساتھ ربط، ازل اور ابد کے تصور کا ہونا، اور احداث واقعات کو علمِ الٰہی میں پہلے سے ہی موجود ماننا، یہ تمام چیزیں انسانی نفس کو ہر پیش آمدہ قضیے میں زیادہ وسیع، زیادہ مضبوط اور پختہ بنادیتا ہے۔

اسی ضمن میں مزید لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

انسان اس وقت آہ وبکا اور گریہ کرتا ہے اور حالات اس وقت اسے پریشان کرتے ہیں جب وہ اپنی ذات کو وجود اکبر (خالق کائنات) سے جدا کرلیتا ہے اور حالات کے سامنے ایسا رویہ اختیار کرتا ہے کہ جیسے یہ کوئی ایسی شے ہے جو اس کے اپنے چھوٹے سے وجود کو تہس نہس کردے گی۔ البتہ جب اس کے دماغ میں یہ تصور پختہ ہو جائے کہ اس کی ذات اور ہر قسم کے حالات جن کا سامنا وہ کرتا ہے یا کسی اور کو پیش آتے ہیں۔ اس زمین سمیت سب کچھ وجود اکبر کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تو اس وقت وہ شخص تقدیر کے تمام فیصلوں پر اطمینان اور راحت محسوس کرتا ہے۔ تب وہ کسی کھو جانے والے شے پر یوں غمگین نہیں ہوتا کہ وہ اسے کمزور بنادے یا اسے ہلا کر رکھدے۔ اور نہ ہی کسی کامیابی پر ایسی خوشی محسوس کرتا ہے کہ جو اسے مغرور بناڈالے، بلکہ وہ تقدیر کے ساتھ ہر وقت راضی رہتا ہے اور اسے یہ خوب ادراک اور عرفان حاصل ہوتا ہے کہ جو من جانب اللہ ہو رہا ہے وہ یقیناً درست ہے۔

برعکس ایسا انسان کہ جسے تقدیر پر مکمل یقین نہیں ہوتا اور وہ سمجھتا ہے کہ جو حالات بھی پیش آتے ہیں ان کے اسباب چھوٹی چھوٹی عجیب وغریب چیزوں میں منحصر ہوتے ہیں تو وہ پھر انہی توہمات میں گھرا رہتا ہے نہ اس کا ضمیر راحت پا سکتا ہے اور نہ ہی وہ غیر معقول افعال سرانجام دینے سے باز آتا ہے۔

توکل کا نہ ہونا

توکل دراصل تقدیر پر یقین کرنے کا اہم حصہ ہے۔ توکل ایمان کی روح اور توحید کی اساس ہے۔ توہم پرست ہونے کا باعث ذات الٰہی پر اعتماد و بھروسہ نہ ہونا ہے۔ جب مسبب الاسباب ذات پر توکل و بھروسہ نہیں ہو گا تو انسان کی سوچ ایسے اوہام اور بے بنیاد خیالات کا سہارا ڈھونڈنا شروع کر دیتی ہے جو عقلاً درست ہونگے اور نہ ہی اسلامی شریعت میں ان کا جائز راستہ ہو گا۔ ارشاد ہے:

---

(۱) فی ظلال القرآن، سيد قطب إبراهيم حسين الشاربی، دار الشروق،بيروت، السابعة عشر،١٤١٢ھ، ٣٤٩٣/٦

﴿يَٰقَوۡمِ إِن كُنتُمۡ ءَامَنتُم بِٱللَّهِ فَعَلَيۡهِ تَوَكَّلُوٓاْ إِن كُنتُم مُّسۡلِمِينَ﴾ (۱)

ترجمہ: قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم فرمانبردار ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«التَّوَكُّلُ جِمَاعُ الْإِيمَانِ». (۲) یعنی توکل ایمان کی اساس اور اس کی کلیات کو مکمل کرتا ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں محمد بن کعب رحمہ اللہ (۳) کے طرف سے ایک حدیث نقل کی ہے:

«وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ أَقْوَى النَّاسِ فَلْيَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ». (۴)

جو شخص پسند کرتا ہے کہ اس طاقت لوگوں میں زیادہ ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے۔

مولانا مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اسلام میں توکل اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کر کے اپنے جائز معاملات کو پوری کوشش کے بعد اس کے سپرد کرنے اور اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے ان معاملات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی التجا کو توکل علی اللہ کہتے ہیں۔"(۵)

توکل کی ماہیت کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے: زندگی میں کامرانی کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے جو وسائل و ذرائع من جانب اللہ متعین کیے گئے ہیں ان کو زندگی کا حصہ بنایا جائے مگر ان ذرایع و وسائل پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ اسباب کی بجائے مسبب الاسباب یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل یقین ہوئے اسی سے نصرت کی توقع کی جائے۔ توکل دنیاوی وسائل کو چھوڑنے کا نام نہیں بلکہ وسائل و ذرائع پر یقین نہ کرنے کا نام ہے۔ اسباب مشروعہ کو چھوڑ کر خالی امیدیں باندھتے رہنا توکل نہیں تعطل ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

---

(۱) یونس ۱۰:۸۴

(۲) شعب الإيمان، أحمد بن الحسين، البيهقي (المتوفى:٤٥٨هـ) مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباى بالهند، الأولى،١٤٢٣هـ، ٢/٤٧٤

(۳) محمد بن کعب بن سلیم القرظي، (۴۰ھ-۱۰۸ھ) قبیلہ بنو قریظہ سے تعلق اور تابعی تھے، تفسیر اور حدیث کے علوم کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کی روایات کبار صحابہ سے کتب ستۃ میں مذکور ہیں۔ آپ کا زیادہ تر قیام کوفہ اور مدینہ میں رہا۔(سیر اعلام النبلاء،۵/۶۵)

(۴) المستدرك على الصحيحين، أبوعبد الله الحاكم محمد بن عبدالله النيسابوري (المتوفي:٤٠٥هـ)، دارالكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١١هـ، حديث نمبر:٧٧٠٧، ٤/٣٠٠، قال:هذا حديث صحيح

(۵) تفہیم القرآن، سید ابو الاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، طبع ۲۰۰۰ء، ۴/۵۰۷

﴿فَمَآ أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَٰعُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۖ وَمَا عِندَ ٱللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: تمہیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا سازوسامان ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔

توکل علی اللہ کو ایمان لانے کا لازمی تقاضا اور آخرت کی کامیابی کے لیے وصفِ خاص تسلیم ہے۔ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

اولاً انسان کو اللہ تعالیٰ کی راہنمائی پر مکمل یقین ہو اور ہو یہ سمجھے کہ حقیقت کا علم، اخلاق کے اصول، حلال و حرام کی حدوداور دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے جو بھی قواعد وضوابط اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں وہی برحق ہیں اور انہی کی پیروی میں انسان کی خیر ہے۔

ثانیاً: انسان کا بھروسہ اپنی طاقت، قابلیت، ذرائع ووسائل، اپنی تدابیر اور اللہ کے علاوہ دوسروں کی امدادواعانت پر نہ ہو بلکہ وہ پوری طرح یہ بات ذہن نشین کرلے کہ دنیا اور آخرت کے ہر معاملے میں اس کی کامیابی کا اصل انحصار اللہ کی توفیق و تائید پر ہے۔ اور اللہ کی توفیق و تائید کا وہ اسی صورت استحقاق رکھے گا جب وہ اس کی رضا کو مقصود بنا کر مقررہ حدود وضوابط کی پابندی کرتے ہوئے کام کرے۔

ثالثاً: انسان کو ان عہدوں پیمان پر پورا بھروسہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے ایمان و عمل صالح کا رویہ اختیار کرنے والے اور باطل کی بجائے حق کے لیے کام کرنے والے بندوں سے کئے ہیں اور انہی عہود پر اعتماد کرتے ہوئے وہ ان تمام فائدوں، منافع اور لذائذ کو ٹھکرا دے جو باطل کی راہ پر جانے کی صورت میں اسے حاصل ہوتے ہیں اور سارے نقصانات، تکلیفوں اور محرومیوں کو بھول جائے جو حق پر استقامت کی وجہ سے اس کے نصیب میں آئیں۔ (۲)

توکل کا حقیقی مفہوم "خود سپردگی" ہے، ایک ایسی ذات کے آگے سپردگی جو غیب جاننے والی اور غالب حکمت والی بھی ہے۔ جب کوئی شخص توہم پرستی کا شکار ہو اور ذہنی الجھنوں میں گرفتار ہو، یعنی کہ وہ متوکل نہیں ہے اور اسے ذاتِ باری تعالیٰ پر مکمل بھروسہ نہیں ہے۔ اپنے کام کو دوسرے کے سپرد کر دینا ویسے تو نہ عقلاً درست معلوم ہوتا ہے نہ نقلاً۔ ہاں مگر جس کی سپردگی میں کام دیا گیا ہو وہ نفع پہنچانے اور ضرر کو دفع کرنے پر کامل قدرت رکھتا ہو۔ بھروسہ کرنے والے کے تمام اقوال و افعال کو دیکھتا ہو اور انجام سے باخبر ہو۔ اور بھروسہ کرنے والے کا ہر وقت نگران ہو تو اس کی سپردگی میں اپنے کام دیے جانے چاہیں تاکہ بے جا خدشات مجہول خوف اور گمانات سے بچا جاسکے۔

---

(۱) الشوریٰ ۴۲:۳۶

(۲) دیکھیے: تفہیم القرآن، ۴/۵۰۸،۵۰۷

مفتی شفیع عثمانی رحمہ اللہ[۱] توکل کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"توکل دنیاوی اسباب کی طرف توجہ نہ کرنے کا نام نہیں یہ توہم پرستی کے زمرے میں شامل ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر معقول یا مستند اسباب کا سہارا لینا اور خواہ مخواہ کی اُلجھن کا شکار ہو کر ایسے افعال سر انجام دینا کہ جن کی کوئی اصل ہی نہ ہو یا بے سروپا خیالات کو ذہن میں جگہ دینا درست نہیں ہے۔ اسباب کو بروئے کار لانا حکم الہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں ان سے قطع نظر کرنے کا نام توکل نہیں۔ یہاں مؤمن اور غیر مؤمن میں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ مؤمن سب سامان اور مادی طاقتیں حسبِ قدرت جمع کرنے کے بعد بھی نتیجہ خیز ہونے کے لیے بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرتا ہے۔ لیکن غیر مؤمن کو یہ روحانیت نصیب نہیں ہوتی اس کو صرف اپنی مادی طاقت پر بھروسہ ہوتا ہے اور اسی فرق کے ظہور کا تمام غزوات نبی کریم ﷺ میں ہمیشہ مشاہدہ ہوتا رہا ہے۔"[۲]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلنَّجْوَىٰ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ لِيَحْزُنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴾[۳]

ترجمہ: کاناپھوسی تو ایک شیطانی کام ہے۔ وہ اس لیے کی جاتی ہے کہ ایمان لانے والے اس سے رنجیدہ ہوں۔ حالانکہ اذن الٰہی کے بغیر وہ انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور مؤمنوں کو خدا پر ہی توکل رکھنا چاہیے۔

اس قسم کی سرگوشی کہ جس سے مسلمانوں کو تکلیف ہو شیطان کی طرف سے ہے۔ شیطان یہ کام اس لیے کرتا ہے تاکہ مؤمنوں کو رنج و غم ہو۔ درحقیقت بغیر مشیئت الٰہی شیطان انہیں ضرر نہیں پہنچا سکتا ہے۔ جسے کوئی ایسی حرکت معلوم ہو اسے چاہیے کہ (اعوذ باللہ) پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ لے اور اللہ پر بھروسہ کرے۔ انشاء اللہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔[۴]

---

(۱) شفیع عثمانی، مفتی (۱۸۹۷ء-۱۹۷۶ء) دارالعلوم دیوبند میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہیں مدرس ہو گئے۔ سلوک میں حضرت تھانویؒ سے فیضیاب ہوئے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ مثلاً تفسیر معارف القرآن، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند وغیرہ۔ (اکابر علماء دیوبند، ص:۲۰۸)

(۲) معارف القرآن، مفتی شفیع، ادارۃ المعارف کراچی، طبع ۲۰۰۵ء، ۲/۱۶۹-۱۷۰

(۳) المجادلۃ ۵۸:۱۰

(۴) انظر: تفسير القرآن العظيم، إسماعيل بن عمر بن كثير (المتوفى:٧٧٤هـ)، المحقق:سامي بن محمدسلامة، دارطيبة للنشر و التوزيع، الثانية ١٤٢٠هـ، ٣٨٩/٤

"اگر کسی مسلمان کو کچھ لوگوں کی سر گوشیاں دیکھ کر یہ شبہ ہو بھی جائے کہ وہ اس کے خلاف جا رہی ہیں تب بھی اسے اتنا رنجیدہ نہ ہونا چاہیے محض شبہ ہی شبہ میں کوئی جوابی کاروائی کرنے کی فکر میں پڑ جانے یا اپنے دل میں اس پر کوئی غم یا کینہ یا کوئی غیر معمولی پریشانی پالنے کی ممانعت کی گئی۔ اس کو یہ سمجھنا چاہیے اللہ کے اذن کے علاوہ کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"[۱]

معلوم ہوا کہ اعتماد اور بھروسہ انسانی قلب میں ایسی طاقت فراہم کرتا ہے جس سے انسان بہت سے وسوسوں اور خیالی خطرات سے چھٹکارا پالیتا ہے اور وہ ایسے مفسدین کو ان کے حال پہ چھوڑ کر یقینِ کامل کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہتا ہے۔ اللہ تعالی پر توکل کرنے والا مؤمن تنگ دلی کا شکار نہیں ہوتا اور ہر اندیشہ و وہم سکون کو غارت کر بھی نہیں کرتا۔ اسی طرح مومن نہ ہی کم ظرف ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ بدگمانی کرنے والوں اور غلط کار لوگوں کے مقابلے میں آپے سے باہر نہیں ہو جاتا کہ خود بھی خلاف انصاف حرکتیں کرنے لگے۔

"دل میں ایسی بات محض شیطان کے بہکانے سے ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے پاس من جانب اللہ یہ تسلی ہے کہ رنجیدہ نہ ہوا کریں۔ کیونکہ شیطان بدون میرے ارادہ و حکم کے ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اور انہیں ہر وقت اور ہر عمل میں میرے اوپر توکل کرنا چاہیے۔"[۲]

ارشاد ہے:

﴿ إِنَّهُۥ لَيْسَ لَهُۥ سُلْطَٰنٌ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴾[۳]

ترجمہ: بے شک شیطان کا کوئی قابو ان پر نہیں جو یقین اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

جو لوگ وساوس اور توہمات کا شکار ہوتے ہیں ان کے ذہن میں راسخ ہو جاتا ہے کہ شیطان ان پر حاوی ہے اور وہ جب چاہے ان پر قابو حاصل کر سکتا ہے اس تصور کے زیر اثر وہ بعض اوقات ناجائز افعال تک سر انجام دینے پر آجاتے ہیں تاکہ شیطان، ایسے لوگوں پر ان کی اولاد اور مال پر اثر انداز نہ ہو۔ زمانہ جاہلیت میں بھی کئی لوگ اسی فکر کے حامل تھے۔ نیز یہ وضاحت ہوتی ہے کہ شیطان کو ایسی قوت نہیں دی کہ وہ انسان پر زبردستی حاوی ہو جائے اور اس سے اس کا اختیار چھین لے۔ جب تک کہ انسان خود اللہ کی ذات سے غافل نہ ہو جائے۔ بے شک مومن اپنے اقوال و اعمال میں اپنی قوت ارادی کی بجائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں کہ وہی خیر کی توفیق دینے والا اور ہر شر سے بچانے والا ہے۔ ایسے لوگوں پر شیطان کا تسلط نہیں ہوتا۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہے:

---

(۱) تفہیم القرآن، ص:۵/ ۳۶۱

(۲) معارف القرآن، ص:۸/ ۳۴۲

(۳) النحل ۱۶:۹۹

﴿إِنَّ عِبَادِى لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَٰنٌ﴾ (۱)

ترجمہ: بے شک جو میرے بندے ہیں تیرا ان پر کچھ زور نہیں۔

"اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں یعنی مخصوص اور منتخب بندوں پر شیطانی فریب کا اثر نہیں ہوتا۔ مطلب یہ کہ ان کے قلوب و عقول پر شیطان کا ایسا اثر نہیں ہوتا کہ وہ اپنی غلطی پر کسی وقت متنبہ ہی نہ ہیں نہ انہیں توبہ نصیب نہ ہو۔" (۲)

شیطان بھی مانتا ہے خدائے بزرگ کے خاص بندوں کو میں بے راہ نہ کر سکوں گا۔ جو اللہ تعالی کے بندے نہیں وہ میری دسترس میں ہیں۔ اسی استثناء کی طرف رہنمائی موجود ہے:

﴿إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ ٱلْمُخْلَصِينَ﴾ (۳)

ترجمہ: مگر ان میں جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔

شیطان کا قابو نہیں چل سکتا جو ایماندار اور بھروسہ رکھنے والے ہوں کیونکہ خدا پر بھروسہ کرنے والے مؤمن احکام شیطانیہ پر نہیں چلتے۔ اللہ تعالی ان کی حفاظت کرتا ہے۔ ہاں کبھی غفلت کی وجہ سے بعض معمولی حقیر وسوسے قلوب میں جنم لیتے ہیں لیکن یہ حقیر وساوس انہیں توہمات کی گھٹاٹوپ وادیوں میں بھٹکا نہیں سکتے۔

مؤمنین کا بھروسہ اللہ تعالی پر ہی ہوتا ہے۔ اس کی جانب التفاتِ قلب کرتے اور اپنے آپ کو اسی کی پناہ میں دیدتے ہیں۔ قلوب کا التفات الہ حقیقی کی جانب اور اسی پر بھروسہ رکھنا مؤمن مخلص کا خصوصی وصف ہے جو ہر مؤمن کے ساتھ ہر وقت رہتا ہے۔ شیطان ہر وقت بندہ کو رب سے دور کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔ مختلف طریقوں سے روڑے اٹکاتا ہے اور نیکی کے راستے سے گمراہ کرتا ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ تعالی پر دل سے یقین رکھتے ہیں اور اس پر توکل کرتے یں وہ شیطان کے ہر قسم کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔

توہم پرستی کی وجوہات میں سے ایک وجہ توکل علی اللہ کا نہ ہونا ہے جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے۔ احادیث میں بھی اس کا صراحت سے ذکر ہے۔

قرآن مجید کی طرح احادیث میں بھی توکل علی اللہ کی ترغیب دی گئی اور بتایا گیا کہ مؤمن کو اپنے اقوال و افعال میں توکل علی اللہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) الحجر ۱۵:۴۲

(۲) معارف القرآن، ص:۵/۳۰۰

(۳) الحجر ۱۵:۴۰

«يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ قَالُوا؛ وَمَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «هُمُ الَّذِينَ لَا يَكْتَوُونَ وَ لَا يَسْتَرْقُونَ، وَ عَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ».(۱)

ترجمہ: اُمت محمدیہ میں سے بغیر حساب کتاب کے ستر ہزار افراد جنت میں جائیں گے۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ لوگ کون ہوں گے؟ آپ ﷺ نے بتایا: وہ لوگ جو داغنے کے عمل سے علاج نہیں کراتے، نہ دم ہی کراتے ہیں اور پروردگار پر توکل واعتماد رکھتے ہیں۔

عَن جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَ؛ أَنَّهُ غَزَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ، فَلَمَّا قَفَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَفَلَ مَعَهُ، فَأَدْرَكَتْهُمُ القَائِلَةُ فِي وَادٍ كَثِيرِ العِضَاهِ، فَنَزَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ تَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّونَ بِالشَّجَرِ، فَنَزَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ سَمُرَةٍ وَ عَلَّقَ بِهَا سَيْفَهُ، وَ نِمْنَا نَوْمَةً، فَإِذَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُونَا، وَ إِذَا عِنْدَهُ أَعْرَابِيٌّ، فَقَالَ: " إِنَّ هَذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيْفِي، وَأَنَا نَائِمٌ، فَاسْتَيْقَظْتُ وَ هُوَ فِي يَدِهِ صَلْتًا، فَقَالَ: مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي؟ فَقُلْتُ؛ اللَّهُ، ثَلَاثًا " وَ لَمْ يُعَاقِبْهُ وَجَلَسَ».(۲)

ترجمہ: جناب جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے انھوں نے رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ نجد کی طرف جہاد کا سفر کیا۔ یہ گرمیوں کے ایام تھے۔ جب آپ ﷺ قافلے کے ساتھ واپس لوٹنے لگے تو اتفاق سے ایک جنگل میں دوپہر ہو گئی جس میں ببول کے بہت سارے درخت تھے۔ آپ ﷺ وہاں اتر پڑے۔ لوگ بھی اِدھر اُدھر درختوں کے سائے میں اتر گئے۔ آپ ﷺ ایک (کیکر کے) درخت کے نیچے ٹھہرے اور تلوار کو درخت سے لٹکا دیا پھر آپ ﷺ سو گئے۔ کچھ دیر کے بعد ایک اعرابی نمودار ہوا۔ اس نے تلوار آپ ﷺ کے اوپر لٹکی دیکھی تو اتار کر اس کو نیام سے باہر کیا اور آپ ﷺ پر سونت لی۔ آپ ﷺ جاگ گئے۔ کہا اعرابی نے: اے محمد تمہیں مجھ سے کون محفوظ رکھے گا؟ آپ ﷺ نے تین بار جواب دیا۔ اللہ! اعرابی کے ہاتھ کپکپانے لگے اور تلوار گر گئی۔ آپ ﷺ نے اسے اٹھا کر اسے مخاطب کیا۔ اب تمہاری مجھ سے کون حفاظت کرے گا؟ کہا کہ اے محمد آپ اچھا معاملہ کرنے والے بنیں۔ آپ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا۔

رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس واقعہ میں عمل کے ذریعے امت کی تربیت کی کہ انہیں اللہ تعالیٰ پر مکمل توکل کرنا چاہیے۔ یہ بھروسہ انسان کے دل اور خیالات کو بکھرنے نہیں دیتا بلکہ قوت اور اعتماد کو جنم دیتا ہے۔ جب انسان اپنے درست یقین پر اعتماد اور خدا پر بھروسہ کرنے والا ہو گا تو ہر پریشانی میں وہ صرف ایک ہی جانب دیکھے گا۔ اس جانب جہاں خدا ہے۔ اس کی رحمت اور بے پناہ طاقت ہے۔ اضطراب قلبی دراصل علامت ہوتا ہے کہ بندہ اپنے رب پر ویسا بھروسہ نہیں کر رہا

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنة بغیر حساب ولا عذاب، حدیث نمبر: ۲۱۸، ۱/۱۹۸

(۲) صحیح البخاری، کتاب الجهاد و السیر، باب من علق سیفه بالشجر فی السفر عند القائلة، حدیث نمبر: ۲۹۱۰، ۳۹/۴

جیسا کہ ذات باری تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ آپ ﷺ پر جب تلوار سونتی گئی اور بظاہر وہاں آپ کو بچانے والا بھی کوئی نہ تھا مگر آپ ﷺ کے دل میں ذرہ بھر بھی شبہ پیدا نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یونہی چھوڑ دے گا۔ یہی طرز عمل امت مسلمہ سے بھی مطلوب ہے کہ جب مصائب کسی انسان کو چار اطرف سے گھیر لیں اور اس کے پاس کوئی ظاہر چارہ باقی نہ رہے تو وہ اس حالت میں بھی اپنے دماغ و دل کو توہمات، خدشات اور بے جا خیالات کے سپرد نہ کرے بلکہ مطمئن رہ کر صرف خدائے تعالیٰ کی طرف نظر جمائے رکھے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ مَاتَ وَ هْوَ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللّٰهِ نِدًّا دَخَلَ النَّارَ» وَ قُلْتُ أَنَا: مَنْ مَاتَ وَ هْوَ لاَ يَدْعُو لِلّٰهِ نِدًّا دَخَلَ الجَنَّةَ». (۱)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، فرمایا رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جو شخص یوں مرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو پکارتا ہو وہ دوزخ میں جائے گا اور میں (عبد اللہ بن مسعود) یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی ایسی حالت میں مرے کہ بجز اللہ کے کسی دوسرے شریک کو نہ پکارتا ہو تو وہ ایک نہ ایک دن جنت میں ضرور داخل ہو گا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الوَكِيلُ «قَالَهَا؛ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِينَ أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَ قَالَهَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» حِينَ قَالُوا: إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا، وَ قَالُوا: حَسْبُنَا اللَّهُ وَ نِعْمَ الوَكِيلُ». (۲)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حسبنا اللہ و نعم الوکیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا تھا جب وہ آگ میں ڈالے گئے تھے۔ اور حضرت محمد صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے یہ کلمہ اس وقت کہا جب لوگوں نے کہا کہ قریش کے کافر آپ ﷺ سے لڑنے کے لیے اکٹھے ہو گئے ہیں ان سے ڈرتے رہنا۔ یہ خبر سن کر صحابہ کا ایمان بڑھ گیا۔ انہوں نے کہا حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو مِنَ اللَّيْلِ؛ «اللَّهُمَّ لَكَ الحَمْدُ، أَنْتَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَ الأَرْضِ، لَكَ الحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمَوَاتِ وَ الأَرْضِ وَ مَنْ فِيهِنَّ، لَكَ الحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمَوَاتِ وَ الأَرْضِ، قَوْلُكَ الحَقُّ، وَ وَعْدُكَ الحَقُّ، وَ لِقَاؤُكَ حَقٌّ، وَالجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ،

---

(۱) صحيح البخاری، کتاب التفسیر، باب سورة البقرة، حديث نمبر:٤٤٩٧، ٢٣/٦

(۲) صحيح البخاری، کتاب التفسیر، باب إن الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم، حديث نمبر:٤٥٦٣، ٣٩/٦

وَبِكَ آمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ؛ فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَأَسْرَرْتُ وَأَعْلَنْتُ، أَنْتَ إِلَهِي لاَ إِلَهَ لِي غَيْرُكَ».(۱)

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہمانے کہا کہ نبی اکرم ﷺ رات کو یوں دعا کیا کرتے تھے۔ یا اللہ تجھ ہی کو تعریف سزاوار ہے۔ تو آسمان وزمین کا مالک ہے۔ حمد تیرے ہی لائق ہے۔ تو آسمان وزمین کو قائم رکھنے والا ہے اور ان کو بھی جو ان دونوں (آسمان اور زمین) میں رہتے ہیں۔ جو کچھ ہے تیرے ہی لیے ہے۔ تو آسمان وزمین کی روشنی ہے۔ تیرا کلام برحق ہے۔ تیرا وعدہ برحق ہے اور تجھ سے ملنا حتمی ہے۔ بہشت سچ ہے دوزخ سچ ہے قیامت بھی سچ ہے۔ یا اللہ میں تیرا تابعدار بن گیا، تجھ پر ایمان لایا۔ تجھی پر بھروسہ کیا۔ تیری ہی طرف التفات کیا اور تیری ہی نصرت سے میں نے اعداء سے مقابلہ کیا اور تجھ ہی سے ہر جھگڑے میں عدل چاہتا ہوں۔ میرے مستقبل اور ماضی، مخفی اور ظاہر سب خطا معاف کر دے۔ عبادت کے لائق صرف تیری ہی ہستی ہے۔ تیرے علاوہ اور کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

عَنِ البَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: " يَا فُلاَنُ إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَقُلْ؛ اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ، وَ وَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَ فَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَ أَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لاَ مَلْجَأَ وَ لاَ مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَ بِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ؛ فَإِنَّكَ إِنْ مُتَّ فِي لَيْلَتِكَ مُتَّ عَلَى الفِطْرَةِ، وَ إِنْ أَصْبَحْتَ أَصَبْتَ أَجْرًا».(۲)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے فلان! جب تم سونے کے لیے بستر پر جاؤ تو یہ دعا کرو؛ اے اللہ! میں اپنی زندگی تجھے سونپ دی اور اپنا رخ تیری طرف موڑ دیا اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا اور تیری پناہ لی، تیری طرف رغبت کی وجہ سے اور تجھ سے ڈر کر۔ تیرے علاوہ کوئی جائے پناہ و نجات نہیں، میں کتاب برحق پر یقین کیا جو تو نے نازل کی اور تیرے نبی پر دل سے ایمان لایا جو تو نے بھیجے۔ پس اگر تم آج رات مر گئے تو فطرت پر مروگے اور صبح کو زندہ اٹھے تو ثواب ملے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: «يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَ أَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِي الأَمْرُ أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَ النَّهَارَ».(۳)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب قول الله تعالى: وهو الذي خلق السموات والأرض بالحق، حديث نمبر:۷۳۸۵، ۱۱۷/۹

(۲) صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول الله تعالى: أنزله بعلمه والملائكة، حديث نمبر:۷۴۸۸، ۱۴۲/۹

(۳) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب وما يهلكنا إلا الدهر، حديث نمبر:۴۸۲۶، ۱۳۳/۶

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا قول نقل فرماتے ہیں: (حدیث قدسی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدم کا بیٹا مجھے تکلیف دیتا ہے۔ وہ (دھر) زمانے کو گالی دیتا ہے جبکہ میں زمانے کا پیدا کرنے والا ہوں۔ سب کچھ میرے قبضہ میں ہے۔ میں ہی رات اور دن کو الٹ پلٹ کرتا ہوں۔

مذکورہ بالا احادیث میں توکل علی اللہ کی اہمیت کو وضاحت سے بیان کیا گیا اور اسے مؤمن کے ایمان کی پختہ نشانی بتایا گیا۔ توکل کے معنی کی وضاحت سے عیاں ہو جاتا ہے کہ ایمان اور متوازن زندگی کا اس سے بہت گہرا ربط ہے جو لوگ "ایمان" محض اعتراف اور اقرار کی حد تک کرتے ہیں ایسے ایمان سے جو بغیر توکل و بھروسہ کے ہو اس سے شاندار نتائج اخذ نہیں کر سکتے جس کا وعدہ ایمان لا کر توکل کرنے والوں سے کیا گیا ہے۔

تقویٰ کا نہ ہونا

تقوی کو ایمان کی اساس کہا جاتا ہے تقوی کے بغیر کسی بھی معاشرے کی درست اقدار قائم نہیں رہ سکتی، تقوی کی وجہ سے انسان کے تمام سماجی، خاندانی، اور دوستوں کے حلقے پر اثرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

تقویٰ اپنی معنویت کے اعتبار سے خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ اصطلاحاً تقویٰ قلبی کیفیات سے موسوم کیا جاتا ہے نتیجہ کے طور پر خدائے بزرگ و برتر کے احکام و اعمال کی انجام دہی میں موجود و نگراں کا استحضار قائم ہوتا ہے، امرِ فارق یعنی خیر و شر میں امتیاز کی قوت و صلاحیت قائم ہوتی ہے، نیز رجوع الی اللہ کا شوق و رغبت اور گناہوں سے حقارت کا تصور پختہ ہوتا ہے۔ تقوی انسانی ضمیر کے احساس پر استوار ہوتا ہے اسی بنا پر امر ربی کے موافق عمل کرنے کی شدید خواہش اور اس کی مخالفت کی شدید کراہت ہوتی ہے۔ (۱)

تقویٰ کے انسانی زندگی پر جو اثرات وقوع پذیر ہوتے ہیں اس میں سے انسانی شخصیت اور ذہین کی تطہیر ہے۔

تقویٰ انسان کے محرکات و مہیجات (Motivations, Emotions) کو ان صحیح راہوں پر ڈال دیتا ہے جو شریعت نے قائم کی ہیں۔ اور انسان کو مثبت اور اچھے کاموں سے مانوس کرتا ہے۔ تقوی کا عمل انسانی شخصیت کو اسلامی اعمال و اقدار کے مطابق سنوارنے میں معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے۔ (۲)

تقویٰ کے معنی اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ انسانی زندگی میں اگر تقویٰ کا عنصر مفقود ہو جائے تو اس سے تین نقصانات سامنے آتے ہیں:

ضمیر کا احساس کمزور پڑ جاتا ہے

---

(۱) دیکھیے: سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۶/ ۴۲۸

(۲) دیکھیے: القرآن و علم النفس، محمد عثمان نجاتی، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، طبع ۱۹۹۷ء، ص: ۳۷۹

خدائے تعالیٰ سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے

عقیدہ کی دفاعی قوت کمزور یا ختم ہو جاتی ہے

انسان میں جب یہ تینوں امور سرایت کر جائیں اور اس کی شخصیت ان منفی امور کا مظہر بن جائے تو انسان لامرکزیت کا شکار ہو جاتا ہے اور اسے اپنے افعال و اعمال میں یقین کی بجائے اوہام کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ وہ ٹامک ٹوئیاں مارتا اور روشنی سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

قرآن میں تقویٰ کو ایسی روشنی سے تعبیر کیا ہے جو اعتماد اور یقین عطا کرتی ہے اور ٹامک ٹوئیوں اور توہمات سے بچاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَءَامِنُواْ بِرَسُولِهِۦ يُؤۡتِكُمۡ كِفۡلَيۡنِ مِن رَّحۡمَتِهِۦ وَيَجۡعَل لَّكُمۡ نُورٗا تَمۡشُونَ بِهِۦ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡۚ وَٱللَّهُ غَفُورٞ رَّحِيمٞ﴾ (۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ تاکہ وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصے عطا فرمائے۔ اور تمہارے لیے وہ نور پیدا کرے جس کے ذریعے تم چل سکو اور تمہاری بخشش فرمادے۔ اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بہت رحیم ہے۔

تقویٰ مسلمانوں میں خداخوفی اور رب کا عظیم تصور شعور پیش کرتا ہے۔ ذاتِ الٰہی کا شعور اور یقین انسانی شخصیت و کردار کو یکسر بدل دیتا ہے اس کی سوچ و عمل کا رخ متعین ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالی کی خوشنودی کے لیے تمام نیک کام کرتا ہے نیز حصول رضائے الٰہی کی خاطر ہر برے کام سے پناہ مانگتا ہے۔ توہمات اور الجھنوں سے دور رہتا ہے اور روشنی میں سفر کرتا ہے۔ اپنے محرکات ومہیجات (Motivations , Emotions) کو رضائے الٰہی کے موافق ڈھال سکتا ہے۔ اس کے برعکس نفس پرستی یعنی تقوی کا فقدان انسان کو بہت سی سماجی اور اخلاقی برائیوں میں مبتلا کر دیتی ہے جن میں سے ایک بڑی بیماری توہم پرستی بھی ہے۔ (۲)

یہی وہ یقین، بھروسہ، اعتماد اور روشنی ہے جس سے دنیاوی مشکلات کو کنٹرول کرنے پر قدرت وہمت ملتی ہے۔ جس سے دنیا کی مصیبتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ اگر مریضوں کا نفسیاتی اعمال مزاج وعادات کو پرکھا جائے تو حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ زیادہ تر نفسیاتی الجھنیں، توہمات اور بے چینیاں دنیا میں کسی عزیز کی موت، خواہش کا پورا نہ ہونا، بے روزگاری اور ناکامی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ جبکہ تقویٰ دل میں اللہ تعالیٰ کے یقین کو جاگزیں کرتا ہے جو ہر مصیبت، ناکامی، غم اور پریشانی کو اللہ تعالی کی رضا سمجھ کر اس کا مقابلہ کرنے کی سکت پیدا کرتا ہے۔

---

(۱) الحدید ۵۷:۲۸

(۲) دیکھیے: القرآن وعلم النفس، ص:۳۸۰

راہ راست سے بھٹکے ہوئے غیر متقی انسان کو دوزخ کے علاوہ اس دنیا میں بھی سزائیں دی جاتی ہیں۔ یہ آفات صرف جسمانی حد تک محدود نہیں ہوتیں بلکہ ان میں دیگر آفات اور مصائب بھی شامل ہیں جیسے کہ خوف کا دل میں گھر کر جانا۔ اس سے انسان کی زندگی تکالیف سے مرکب ہو جاتی ہے اور وہ شخص خطرناک توہمات کی زد میں آجاتا ہے۔ اللہ تعالی اس کی طرف متوجہ فرماتا:

﴿وَضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ ءَامِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ ٱللَّهِ فَأَذَٰقَهَا ٱللَّهُ لِبَاسَ ٱلْجُوعِ وَٱلْخَوْفِ بِمَا كَانُوا۟ يَصْنَعُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ کہ ایک بستی تھی جو امن اور چین سے آباد تھی۔ اس کے پاس پاس رزق ہر طرف سے بکثرت آتا تھا۔ پھر اس کے باشندوں نے ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی پس دکھایا اللہ نے انہیں یہ عذاب کہ پہنادیا انکو بھوک اور خوف کا لباس، ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ممنوع کردہ طریقے سے زندگی گزارنے والا کوئی شخص کبھی بھی اس بارے پُر یقین نہیں ہو سکتا کہ بدقسمتی اس کے سر پر نہیں منڈلا رہی ہے۔ اللہ تعالی کی طرف سے آنے والی کسی بھی سزا کو روکا نہیں جاسکتا اس ذات نے ہمیں خود اس حقیقت سے آگاہ کیا ہے۔

دراصل انسان بے یارو مددگار ہے اور ہم محتاجِ خدا ہیں۔ دنیا کی آزمائشیں، سختیاں اور مشکلات کا مقابلہ یقیناً اللہ تعالی پر کامل یقین، بھروسا اور خداداد صلاحیت سے ہو سکتا ہے۔ جو لوگ خدا سے ڈرتے نہیں رکھتے انہیں پنہاں اور غیر مخفی دونوں طرح کے عذاب بھگتنے پڑیں گے۔ چنانچہ محفوظ اور کامیابی کا راستہ یہی ہے کہ دنیاوی زندگی میں حتی الامکان تقویٰ اختیار کیا جائے۔

انسان میں جنم لینے والا خوف دو قسم پر ہے۔ پہلا خوفِ الٰہی جو حقیقی مخلصانہ اور مطلوب ہے، یہ عذاب نہیں بلکہ نعمت ہے جبکہ دوسرا خوف جو توہمات سے پیدا ہوتا ہے یہ مبنی بر جہل خوف ہوتا ہے دراصل خدا کی جانب سے عذاب ہی کی شکل ہے۔

اللہ تعالیٰ انسانی حالات، امید، اور خیالات سے خوب واقف ہے جو لوگوں کے ذہنوں میں جنم لیتے ہیں۔ لہذا امر لازمی ہے کہ خدا کی جانب رجوع ہو اور قرب الٰہی کے حصول میں کوشاں رہیں۔ خوفِ الٰہی انسان میں اطاعت، حوصلہ، فرمانبرداری اور اللہ کی محبت کے حصول کا جذبات کی فراہمی کا باعث ہے۔ مگر جو لوگ دین کے احکامات کی روشنی میں زندگی بسر نہیں کرتے ان کا خوف مختلف اور ان کا احساس وقتی ہوتا ہے۔ جب کبھی انہیں مشکل صورتحال سے دوچار کر کے امتحان لیا جاتا

---

(۱) النحل ۱۶:۱۱۲

ہے تب انہیں اللہ تعالی کا غضب یاد آجاتا ہے اور وہ اس کے نتائج سے ڈرنے لگتے ہیں۔ لیکن جونہی اللہ تعالی انہیں اس مصیبت سے نجات دیتا ہے تو وہ فوراً پرانی روش کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اس حوالے سے قرآن نے درج ذیل مثالیں دیں:

﴿ هُوَ ٱلَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى ٱلْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا۟ بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ ٱلْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوٓا۟ أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِۦ لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلشَّٰكِرِينَ فَلَمَّآ أَنجَىٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِى ٱلْأَرْضِ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ ۗ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُم ۖ مَّتَٰعَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴾ (۱)

ترجمہ: اور وہی ہے جو سیر کراتا ہے تمہیں خشک زمین اور سمندر میں، حتی کہ جب تم سوار ہوتے ہو کشتیوں میں اور وہ چلنے لگتی ہیں۔ مسافروں کو لے کر موافق ہوا کی طرف تو وہ خوش ہوتے ہیں تو اچانک انہیں تند و تیز ہوائیں آلیتی ہیں ہر جانب سے۔ اس وقت وہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں گھیر لیا گیا ہے۔ اور وہ اس وقت اللہ کو خالصتاً پکارنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے کریم اگر تو نے ہمیں اس طوفان سے بچالیا تو ہم تیرے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب وہ انہیں بچالیتا ہے تو وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگے۔ اے لوگوں تمہاری سرکشی کا وبال تمہارے پر پڑے گا۔ دنیاوی زندگی سے لطف اٹھالو پھر ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔ تب ہم تمہیں آگاہ کریں گے تمہارے ان افعال سے جو تم کیا کرتے تھے۔

وقتی خوف جو جہالت پر مبنی ہو وہ کسی کام نہ آئے گا۔ شقی القلب ایسے واقعات سے نہ تو سبق حاصل کرتے اور ان پر غور و فکر بھی نہیں کرتے ہیں۔ اسی ضمن میں قرآن آگاہ کرتا ہے کہ جو افراد اللہ تعالی سے ڈرتے ہوئے اس پر یقین رکھتے ہیں وہی ان واقعات پر توجہ دیں گے۔

﴿ سَيَذَّكَّرُ مَن يَخْشَىٰ ۝ وَيَتَجَنَّبُهَا ٱلْأَشْقَى ﴾ (۲)

ترجمہ: سمجھ جائے گا جس کے دل میں خدا کا (حقیقی) خوف ہو گا جبکہ بد بخت اس سے دور رہے گا۔

وہ لوگ کہ جو اللہ تعالی کے خوف سے بالکل عاری ہو جاتے ہیں ان میں خود پسندی جنم لیتی ہے نیز اس حد درجہ بڑھ جاتی ہے کہ ہر شے کو اپنے لیے مخصوص تصور کرنے لگتے ہیں اور اسے ہر قیمت پر اپنی کارفرمائی میں شامل کر لینا چاہتے ہیں۔ یہ کیفیت ان کو اللہ تعالی کے خوف اور توکل سے دور لے جاتا ہے اور اس کے بعد وہ وسوسوں کے سہارے زندگی بسر کرنے لگتے ہیں اور یہ وسوسے اور توہمات بعض اوقات انہیں جرائم پر بھی اکساتے ہیں۔ اس طرح عمل کی مثال قرآن نے آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کے درمیان ہونے والے واقعہ کو بیان کیا:

---

(۱) یونس ۱۰: ۲۲-۲۳

(۲) الأعلیٰ ۸۷: ۱۰-۱۱

﴿ وَٱتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَأَ ٱبۡنَيۡ ءَادَمَ بِٱلۡحَقِّ إِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانٗا فَتُقُبِّلَ مِنۡ أَحَدِهِمَا وَلَمۡ يُتَقَبَّلۡ مِنَ ٱلۡأٓخَرِ قَالَ لَأَقۡتُلَنَّكَۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ ٱللَّهُ مِنَ ٱلۡمُتَّقِينَ لَئِنۢ بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقۡتُلَنِي مَآ أَنَا۠ بِبَاسِطٖ يَدِيَ إِلَيۡكَ لِأَقۡتُلَكَۖ إِنِّيٓ أَخَافُ ٱللَّهَ رَبَّ ٱلۡعَٰلَمِينَ إِنِّيٓ أُرِيدُ أَن تَبُوٓأَ بِإِثۡمِي وَإِثۡمِكَ فَتَكُونَ مِنۡ أَصۡحَٰبِ ٱلنَّارِۚ وَذَٰلِكَ جَزَٰٓؤُاْ ٱلظَّٰلِمِينَ فَطَوَّعَتۡ لَهُۥ نَفۡسُهُۥ قَتۡلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُۥ فَأَصۡبَحَ مِنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ ﴾[1]

ترجمہ: اور آپ پڑھ سنایئے انہیں خبر! فرزندان آدم کی ٹھیک ٹھیک، جب دونوں نے قربان پیش کی تو قبولیت ملی ایک کو اور دوسرے کو قبولیت نہ ملی، اس دوسرے نے کہا بالضرور میں تمہیں مار کر دوں گا۔ پہلے نے کہا: (تو بلا وجہ ناراض ہوتا ہے) قبول فرماتا ہے اللہ صرف پرہیز گاروں سے۔ اگر تو بڑھائے میری طرف ہاتھ تاکہ مجھے مار ڈالے تو میں تجھے مارنے کے لیے اپنا ہاتھ نہیں بڑھانے والا۔ میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو مالک ہے سارے جہانوں کا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اٹھالے اپنے سر اور تو ہو جائے دوزخیوں میں سے اور یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی۔ اس کے نفس نے اپنے بھائی کو مار ڈالنا آسان بنا دیا۔ سو قتل کر دیا اسے اور ہو گیا سخت نقصان اٹھانے والوں میں سے۔

خداوند کا ڈر اور خوف، اپنی خواہشات کے بارے میں محتاط رکھنے اور انہیں کنٹرول کرنے میں ممد و معاون ہوتا ہے۔ لہذا انسان کو علاوہ خدا کے کوئی خوف یا ڈر نہیں رہتا۔ اور انسان کو اپنے ذاتی اعمال کو درست سمت میں رکھنے کے لیے اس قدر مؤثر انداز میں بیدار رہتا ہے کہ گناہ پر آمادگی مشکل ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف وہ بھائی جو اللہ کا خوف نہیں رکھتا تھا وہ اپنے نفس کی بے لگام خواہش سے مغلوب ہو گیا۔ اس بات کے حسد اور غصے میں کہ اس کی قربانی قبول کیوں نہیں کی گئی اور اپنے بھائی سے رقابت محسوس کرنے کے باعث اسے قتل کی دھمکی دی پھر اس کو عملی جامہ پہنایا۔ تقویٰ سے دوری نے بھٹکا دیا اور شیطانی وساوس کے جال میں پھنسا ڈالا۔ حقیقت واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنا اور خود کو اپنے نفس کا غلام بنا لینا کس قدر خطرناک ہو سکتا ہے۔

تقویٰ اختیار کرنے سے متعلق قرآنی آیات، مثلاً

﴿وَلَقَدۡ وَصَّيۡنَا ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ مِن قَبۡلِكُمۡ وَإِيَّاكُمۡ أَنِ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَۚ وَإِن تَكۡفُرُواْ فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِۚ وَكَانَ ٱللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدٗا﴾[2]

---

(۱) المائدہ۵: ۲۷-۳۰

(۲) النساء۴: ۱۳۱

ترجمہ: اور ہم نے وصیت کی تھی ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر اللہ کا انکار کرو گے تو جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں ہے تمام اللہ کا ہے۔ اور اللہ ہے بے پرواہ سب خوبیوں والا۔

"مِن قَبلِکُم" یعنی ہم نے تمہیں اور انہیں سب کو تقویٰ کی وصیت کی ہے۔ یعنی تقویٰ کا حکم قدیم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ بندوں کو اسی بات کی تلقین فرماتے رہے ہیں تقویٰ کا حکم صرف تمہارے لیے نہیں بلکہ سب لوگوں کے لیے ہے۔ کیونکہ وہ اسی کے ساتھ اللہ کے رُوبرو سرخرو ہوتے ہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو تعلیم امت اور اہمیت تقویٰ کو اجاگر کرنے کے لیے تقویٰ ہی کو اختیار کرنے کا کہا ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَـٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَـٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ وَإِنَّ هَـٰذِهِۦٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَٰحِدَةً وَأَنَا۠ رَبُّكُمْ فَٱتَّقُونِ﴾[2]

ترجمہ: اے رسولوں! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو تم جو کچھ بھی کرو گے میں اس کو خوب جانتا ہوں۔ اور بے شک تمہارا طریقہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس تم مجھ ہی سے ڈرو۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو تین احکامات دیئے ہیں:

۱۔ پاکیزہ چیزیں کھانے کا

۲۔ نیک عمل کرنے کا

۳۔ تقویٰ اختیار کرنے کا

علامہ ابوحیان رحمہ اللہ[3] تفسیر میں تحریر کرتے ہیں کہ رسولوں کو ندا دینے اور مخاطب کرنے کا مدعا ہے کہ ہر رسول کو اسی کے زمانے میں ندا دی گئی اور مخاطب کیا گیا۔ کیونکہ وہ سب تو ایک جگہ موجود نہ تھے۔ جمع کے صیغے میں فائدہ ہے کہ سامع کے دل میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ جس حکم کے ساتھ تمام رسولوں کو ندا دی گئی اور انہیں اس کی وصیت کی گئی وہ اس قابل ہے کہ اس کو مضبوطی سے تھام لیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔[4]

تقویٰ کی ماہیت کو اجاگر کرنے میں صرف یہ ایک بات کافی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو تقویٰ کا حکم دیا گیا۔ فرمان الٰہی ہے:

---

(۱) تفسیر القاسمی، شیخ جمال الدین القاسمی، تحقیق: فؤاد عبداالباقی، دارالفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ، طبعة ثالثة، ٥/٥١٤

(۲) المؤمنون۲۳: ۵۱-۵۲

(۳) ابوحیان، محمد بن یوسف بن علی الغرناطی، الاندلسی (۶۵۴ھ-۷۴۵ھ) تفسیر، حدیث، تراجم اور لغات کے ماہر عالم تھے۔ البحر المحیط مشہور تفسیر ہے۔ (معجم المؤلفین، ١٢/١٣٠)

(۴) البحر المحیط، أبو حیان الأندلسی، تحقیق الشیخ عادل احمد، دارالکتب العلمیة بیروت، الاولی، ١٤١٣ھ، ٥/٣٧٧

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ ٱتَّقِ ٱللَّهَ وَلَا تُطِعِ ٱلْكَـٰفِرِينَ وَٱلْمُنَـٰفِقِينَ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا﴾ (۱)

ترجمہ: اے نبی آپ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کریں اور کفار اور منافقین کی پیروی نہ کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت خوب علم وحکمت والا ہے۔

مفسر ابن کثیرؒ (۲) رقمطراز ہیں: اس میں اعلیٰ (حضور اکرم ﷺ) کو ذکر کر کے ادنیٰ (اُمت) کو تنبیہ کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے افضل عبد ورسول کو اس کی تاکید کر رہے ہیں تو ان سے کم درجہ والوں پر تو اس حکم کی تعمیل بطریق اولیٰ ہوگی۔ (۳)

قرآن کریم نے متعدد مقامات پر مؤمنوں اور تمام لوگوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾ (۴)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسے کہ تقویٰ کا استحقاق ہے اور تمہاری موت آئے تو اسلام پر۔

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور ہر جان دیکھے کہ کیسا بھیجا کل (روز قیامت) کے واسطے اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔ بلاشبہ جو تم اعمال کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے۔

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱعْبُدُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُمْ وَٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (۶)

ترجمہ: اے لوگو! بندگی کرو اپنے پروردگار کی اس ذات نے تم کو تخلیق کیا اور جو تم سے قبل گزر چکے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

---

(۱) الاحزاب ۳۳:۱

(۲) ابن کثیر ابو الفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر (۷۰۱ھ-۷۷۴ھ)، فن حدیث، تفسیر، فقہ اور تاریخ کے ماہر تھے۔ ابن تیمیہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ کئی مشہور تصانیف ہیں۔ مثلاً تفسیر القرآن العظیم، البدایہ والنہایہ، السیرۃ النبویہ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (معجم المؤلفین، ۲/۲۸۳)

(۳) تفسیر ابن کثیر، ۳/۵۱۶

(۴) آل عمران ۳:۱۰۲

(۵) الحشر ۵۹:۱۸

(۶) البقرۃ ۲:۲۱

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفۡسٖ وَٰحِدَةٖ وَخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالٗا كَثِيرٗا وَنِسَآءٗۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِي تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلۡأَرۡحَامَۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيبٗا﴾ (۱)

ترجمہ: اے انسانوں! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں یک نفس سے تخلیق فرمایا اور اس سے اُس کی زوجہ کو جنم دیا اور ان سے کثیر مرد و زن کو پھیلا دیا۔ اور اللہ کے لیے پرہیز گار بنو کہ جس کے نام پر آپس میں سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے بچو۔ بلاشبہ اللہ تم پر نگہبان ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے رسولوں، خاتم الرسل، اہل ایمان اور تمام انسانوں کے لیے حصول تقویٰ کا حکم جاری کیا ہے اور یہ بات بلاشبہ تقویٰ کی شان و عظمت کو خوب نمایاں کرتی ہے۔

آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کو کثرت سے تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے:

امام ابو داوٗد رحمہ اللہ نے حضرت عرباض رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے۔ فرمایا:

«صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَ وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقَالَ قَائِلٌ؛ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا؟ فَقَالَ «أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَ السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ، وَ إِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا...». (۲)

ترجمہ: ایک مرتبہ رسول اللہ نے ہمیں نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں انتہائی مؤثر وعظ فرمایا۔ اس کی وجہ سے ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل ڈر گئے۔ ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ (ایسے معلوم ہوتا ہے) جیسے یہ الوداع کرنے والی نصیحت ہے۔ آپ ہمیں کس بات کی ذمہ داری سونپتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں اور سمع و طاعت کی اگرچہ (امیر) غلام حبشی ہو۔

«اتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ، وَ صَلُّوا خَمْسَكُمْ، وَ صُومُوا شَهْرَكُمْ، وَ أَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ، وَ أَطِيعُوا ذَا أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ». (۳)

ترجمہ: تم اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ پانچ وقتہ نمازوں کی ادائیگی کرو۔ ماہِ رمضان میں روزے رکھو۔ اپنے مالوں سے زکوٰۃ کی ادائیگی کرو نیز اولوالامر کی فرمانبرداری کرو تو تم پروردگار کی بنائی ہوئی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

ارشاد فرمایا:

---

(۱) النساء ۴:۱

(۲) سنن ابی داود، فی کتاب السنة، حدیث نمبر:٤٦٠٧، ٤/٢٠٠، [حكم الألباني]:صحيح

(۳) سنن الترمذی، فی ابواب السفر، حدیث نمبر:٦١٦، ١/٧٥٥، [حكم الألباني]:صحيح

«أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللهِ فِي سِرِّ أَمْرِكَ وَ عَلَانِيَتِهِ».[1]

ترجمہ: میں تمہیں خلوت و جلوت میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ سے وصیت کی درخواست کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اتَّقِ اللهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، أَوْ أَيْنَمَا كُنْتَ».[2]

ترجمہ: تم ہر جگہ یا ہر وقت اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔

ارشاد فرمایا:

«كَيْفَ أَنْتَ إِذَا بَقِيتَ فِي حُثَالَةٍ مِنَ النَّاسِ؟ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ ذَلِكَ؟ قَالَ:إِذَا مَرِجَتْ عُهُودُهُمْ وَ أَمَانَاتُهُمْ، قَالَ: قُلْتُ؛مَا أَصْنَعُ عِنْدَ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ:اتَّقِ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَخُذْ مَا تَعْرِفُ، وَدَعْ مَا تُنْكِرُ...».[3]

ترجمہ: تم اس وقت کیسے ہو گے جب تم گھٹیا لوگوں میں رہ جاؤ گے؟ میں آپ کی خدمت میں سوال کیا: یا رسول اللہ وہ کیسے ہو گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل کا تقویٰ اختیار کرنا، معروف کو تھام لینا اور منکر کو چھوڑ دینا۔

حضرت عبادۃ بن الصامت[4] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صدقات جمع کرنے کے لیے روانہ کیا اور فرمایا:

«يَا أَبَا الْوَلِيد اتَّقِ الله لَا تَأْتِي يَوْم الْقِيَامَة بِبَعِير تحمله لَهُ رُغَاء أَو بقرة لَهَا خوار أَو شَاة لَهَا ثُغَاء».[5]

ترجمہ: اے ابو الولید اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن بلبلاتے ہوئے اونٹ، یا ڈکارتی ہوئی گائے یا ممیاتی ہوئی بکری کو اٹھاتے ہوئے آؤ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۱۵۷۳، ۳۵/ ٤٥٢،[حكم شعيب الأرنؤوط]:إسناده ضعيف

(۲) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۲۰۵۹، ۳۸۰/۳٦،[حكم شعيب الأرنؤوط]:حديث حسن

(۳) مسند احمد،حدیث نمبر: ٦٥٠٨، ١١/ ٥٤،[حكم شعيب الأرنؤوط]:صحيح

(۴) عبادۃ بن الصامت بن قیس الخزرج الانصاري، بیعت عقبہ ثانی میں شامل ہوئے، جمع قرآن کرنے والوں میں آپ بھی تھے، تمام غزوات میں شرکت فرمائی، ۳۴ ہجری میں فلسطین کے مقام رملہ میں فوت ہوئے۔(تهذیب التهذیب: ٥/١١١)

(۵) الترغيب والترهيب من الحديث الشريف، الحافظ المنذرى، تحقيق الشيخ مصطفى محمد عمارة، مكتبة مصطفى البابي الحلبي مصر، الثالثة، ١٣٨٨ھ، حديث نمبر:١١٦٢، ١/ ٣١٦

«أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللهِ، وَالتَّكْبِيرِ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ».[۱]

ترجمہ: میں تمہیں اللہ کے لیے تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور ہر اونچائی پر (اللہ اکبر) کہو۔

آپ ﷺ اپنی دعاؤں میں بھی اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کے حصول کی طلب کیا کرتے تھے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے۔ آپ ﷺ دعا کیا کرتے تھے:

«اللهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَ التُّقَى؛ وَ الْعَفَافَ وَ الْغِنَى».[۲]

ترجمہ: اے اللہ! بلاشبہ میں آپ سے حق راستی، تقویٰ، پاک دامنی اور تونگری کا سوال کرتا ہوں۔

امام مسلم رحمہ اللہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ[۳] سے بیان کردہ حدیث میں فرماتے ہیں۔ میں تمہیں وہی بتلا رہا ہوں جو رسول اللہ فرمایا کرتے تھے:

«اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ، وَ الْكَسَلِ، وَ الْجُبْنِ، وَ الْبُخْلِ، وَ الْهَرَمِ، وَ عَذَابِ، الْقَبْرِ اللهُمَّ آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا؛ وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا، أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا...».[۴]

ترجمہ: اے اللہ میں آپ سے بے بسی، سستی، بزدلی، بخل، ضعفِ کبر اور عذابِ قبر سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ مجھے تقویٰ نصیب فرمادے اور اس کا تزکیہ فرما۔ آپ اس کا بہترین تزکیہ فرمانے والے ہیں۔ آپ اس کے مالک اور کارساز ہیں۔

مبحث ثانی: تربیتی اسباب و اثرات

ذکرِ الٰہی سے دوری

جب انسان اپنی روزمرہ زندگی میں ذکر الٰہی شامل نہیں کرتا تو اس کے افکار اور اعمال میں بے یقینی کے اثرات پیدا کرتا ہے جن سے انسانی طبائع میں تردد، اضطرابی کیفیت اور عدم اطمینان جنم لیتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَتَطۡمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكۡرِ ٱللَّهِۗ أَلَا بِذِكۡرِ ٱللَّهِ تَطۡمَئِنُّ ٱلۡقُلُوبُ﴾[۵]

---

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر:۱۰۱٦٥، ١٦/ ١٤١،[حكم شعيب الأرنؤوط]:إسناده حسن

(۲) صحیح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب التعوذ من شر ما عمل ومن شر ما لم يعمل، حدیث نمبر:۲۷۲۱، ۲۰۸۷/٤

(۳) زید بن اَرقم بن زید اَنصاری خزرجی، آپؓ سے ابن عباس، اَنس بن مالک، اَبو اِسحاق سبیعی، وابن اَبی لیلی اور یزید بن حیان حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ آپؓ نے کوفہ میں ٦٨ ہجری میں انتقال کیا۔(اسد الغابة لابن اثیر، ۳٤۲/۲)

(۴) صحیح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب التعوذ من شر ما عمل ومن شر ما لم يعمل، حدیث نمبر:۲۷۲۲، ۲۰۸۸/٤

(۵) الرعد۱۳:۲۸

ترجمہ: جو ایمان لائے اور ان کے قلوب اللہ تعالیٰ کی یاد میں مطمئن ہوتے ہیں، خبر دار اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے دلوں کو طمانیت حاصل ہوتی ہے۔

جب کفار نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو بہت دکھ دیا تو اللہ تعالی نے آپ ﷺ کفار کی باتوں پر صبر کی تلقین کی تھی اور صبح وشام اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح میں مشغول رہنے کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ غم و اضطراب انسان سے اطمینان چھین کر اسے توہمات میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اس کے باعث ہر وقت یہ فکر واحساس رہنے لگتا ہے کہ وہ زندگی کے حوادث کے سامنے کمزور ہے۔ ذکر الٰہی سے انسانی قلبی کیفیات میں ہیجان جنم نہیں لیتا اور وہ یاد الٰہی سے خوش اور نہال ہو جاتا ہے۔

"من أهداف الحياة الروحية بث الطمانينة فى نفس الانسانية؛ و نبذ الهم، والقلق اللذين هما اعدائها، و ذكر الله هو وسيلة فعالة للوصول الى هذه الطمانينة."[۱]

ترجمہ: روحانی زندگی کے اہداف میں انسانی شخصیت میں اطمینان پیدا کرنا اور حزن و ملال کو جو دل کی مثبت کیفیات کا دشمن ہے۔ ذکر الٰہی کے وسیلہ سے اس اطمینانی کیفیت کا حصول ممکن ہوتا ہے۔

جو شخص اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اللہ تعالی کو یاد کرتا ہے تو اس میں یقین، اعتماد اور اطمینان بسیرا کر لیتے ہیں۔ اور اس سے تمام اعصابی خلل بھی دور ہو جاتے ہیں۔ اللہ کا ذکر کرنے والا محسوس کرتا ہے کہ اسے خطرات سے بچانے والا حصار مل گیا ہے اس کے بعد توہمات، خود شکستگی اور زمانے بھر کے خوف اس کے قریب بھی نہیں آتے۔[۲]

اگر زندگی میں ذکر الٰہی شاملِ حال نہ ہو تو تنگی اور گھٹن مقدر بن جاتے ہیں اور اس سے یقین و بصیرت کی روشنی بھی چھین کی جاتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُۥ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُۥ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ أَعْمَىٰ﴾[۳]

ترجمہ: اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو بے شک اس کی زندگی تنگی ہو جائے گی اور ہم اسے روزِ قیامت اس حالت میں اٹھائیں گے کہ وہ اندھا ہو گا۔

توہم پرستی دراصل بے یقینی، علم اور خدا کے ذکر سے دور بھاگنے کی وجہ سے بھی سامنے آتی ہے کیونکہ علم وذکر کے بغیر انسانی زندگی جہالت کی وجہ سے تنگی کا شکار ہو جاتی ہے اور اسی بنا پر روزِ قیامت اندھے پن کی کیفیت میں اٹھایا جائے گا۔

---

(۱) روح الدين الإسلامي، عفيف عبد الفتاح طباره، ص: ١٧٧

(۲) دیکھیے: القرآن وعلم النفس، ص:۳۹۷

(۳) طہ ۲۰:۱۲۴

احادیث میں بھی صراحت ہے کہ جو بندے اللہ کے ذکر سے دور بھاگتے ہیں۔ ان کے قلوب سختی آجاتی ہے، مہریں ثبت کر دی دی جاتی ہیں اور شیطان بھی اس عمل میں حصہ دار بنتے ہوئے انسانی طبائع پر ستی اور نحوست کی چادر اُڑا دیتا ہے۔ لہذا دل بے چین ہو کر طرح طرح کے شیطانی خیالات کی جانب مائل ہو جاتا ہے اور اس تردد اور بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا شخص ذکر الٰہی سے دور رہنے لگتا ہے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ سے منقول ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ ثَلَاثَ عُقَدٍ إِذَا نَامَ، بِكُلِّ عُقْدَةٍ يَضْرِبُ عَلَيْكَ لَيْلًا طَوِيلًا، فَإِذَا اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ؛ وَ إِذَا تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عَنْهُ عُقْدَتَانِ، فَإِذَا صَلَّى انْحَلَّتِ الْعُقَدُ، فَأَصْبَحَ نَشِيطًا طَيِّبَ النَّفْسِ، وَ إِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ». (۱)

ترجمہ: شیطان تم میں سے ہر ایک آدمی کی گردن پر جب وہ سو جاتا ہے تین گرہیں لگا دیتا ہے ہر ایک گرہ پر پھونک مارتا ہے کہ ابھی رات بڑی لمبی ہے تو جب کوئی بیدار ہوتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور جب وضو کرتا ہے تو اس پر سے دو گرہیں کھل جاتی ہیں اور جب وہ نماز پڑھ لیتا ہے تو ساری گرہیں کھل جاتی ہیں پھر وہ صبح کو ہشاش بشاش خوش مزاج اٹھتا ہے ورنہ اس کی صبح نفس کی خباثت اور سستی کے ساتھ ہوتی ہے۔

مذکورہ حدیث میں نمازِ فجر میں ذکر الٰہی کرنے والے کے لیے ارشاد ہوا کہ ذکر الٰہی سے "طیبُ النفس" حاصل ہوتا ہے، انسانی شخصیت کا مذکورہ اطمینان اور راحت جو ہر ہے جو فرد کو توہم پرستی اور بے چینی سے بچاتا اور رب العالمین سے تعلق قائم رکھتا ہے۔

متعدد احادیث میں مذکور ہے کہ رات کے وقت ذکر اور نماز کی عادت انسان کے اندر اضطراب کو ختم کرتی، راحت کا سامان کرتی اور خدائے تعالیٰ سے جوڑتی ہے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ کے متعدد فرمان ہیں مثلاً:

«عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَأَبُ الصَّالِحِينَ قَبْلَكُمْ، وَ إِنَّ قِيَامَ اللَّيْلِ قُرْبَةٌ إِلَى اللهِ، وَ مَنْهَاةٌ عَنِ الإِثْمِ، وَ تَكْفِيرٌ لِلسَّيِّئَاتِ، وَ مَطْرَدَةٌ لِلدَّاءِ عَنِ الجَسَدِ». (۲)

ترجمہ: قیام اللیل کا اہتمام کرو یہ تمہارے سے قبل صالحین کی روش ہے۔ یہ تمہیں اپنے پروردگار سے قریب کرتی، غلطیوں کو مٹاتی اور گناہوں سے روکتی ہے اور جسم سے بیماریوں کو دور کرتی ہے۔

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب ما روي فيمن نام الليل أجمع حتى أصبح، حديث نمبر:۷۷٦، ۵۳۸/۱

(۲) سنن الترمذی، أبواب الدعوات، حديث نمبر:۳۵٤۹، ٤٤٤/۵ [قال الألباني:حديث حسن بشواهده]

«يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ يَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي، فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ».(۱)

ترجمہ: ہمارا پروردگار ہر رات کو دنیا کے آسمان میں اترتا ہے جہاں وہ رات کے تیسرے پہر تک رہتا ہے اور یہ نداء دیتا ہے: کوئی دعا کرنے والا ہے جسے میں قبول کروں؟ کون سوال کرنے والا ہے جسے میں عطا کروں؟ کون بخشش طلب کرنے والا ہے جسے میں بخش دوں۔

اس حدیث میں دعا، سوال اور مغفرت کی بات کی گئی ہے۔ یہ تین الفاظ اپنی ذات میں انسان اور خدا کے درمیان کے عمیق اور روحانی تعلق کو بیان کرنے کے لیے کافی ہیں۔ جب کوئی فرد رات کے پچھلے پہر نیند سے بیدار ہو کر وضو کرنے کے بعد مصلے پر خالقِ کائنات کے روبرو ہوتا ہے۔ یقیناً اس وقت اور اس طرز کے احساسات ایک طیب النفس اور راضی بالقضاء کے دل میں ہی مچل سکتے ہیں۔ اس عظیم لمحے کا عظیم ترین عمل انسان کے اندر کو بے پناہ راحت اور سکون عطا کرتا ہے اور اسے توہمات کے بھیانک جنگل میں بھٹک جانے سے باز رکھتا ہے۔

«إِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ، يَسْأَلُ اللهَ خَيْرًا مِنْ أَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ، وَذَلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ».(۲)

ترجمہ: رات میں ایک ساعت ہوتی ہے جب کوئی مسلم اسے پالے اور اس میں دنیا و آخرت کی بھلائی مانگے تو اسے ضرور نوازا جاتا ہے اور ایسا رات میں ہوتا ہے۔

حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ(۳) سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک طویل حدیث قدسی کے درمیان فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ أَمَرَ يَحْيَى بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ يَعْمَلَ بِهَا وَ يَأْمُرَ بني إسرائيل أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا... و ذكر منها: وَ آمُرُكُمْ أَنْ تَذْكُرُوا اللَّهَ، فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ العَدُوُّ فِي أَثَرِهِ سِرَاعًا حَتَّى إِذَا أَتَى عَلَى حِصْنٍ حَصِينٍ فَأَحْرَزَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ؛ كَذَلِكَ العَبْدُ لاَ يُحْرِزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ إِلاَّ بِذِكْرِ اللهِ».(۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت یحیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ کو پانچ چیزوں کی تلقین کی کہ اپنے عمل کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھی ان کا پابند بنائیں۔۔۔۔ ذکر: اللہ کا ذکر کرنے کی تلقین ہوئی۔ مانند اس کے کہ کسی شخص کا دشمن تیزی سے اس کا

---

(۱) صحيح البخارى، كتاب التهجد، باب الدعاء في الصلاة من آخر الليل، حديث نمبر:۱۱۴۵، ۵۳/۲

(۲) صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب في الليل ساعة مستجاب فيها الدعاء، حديث نمبر:۷۵۷، ۵۲۱/۱

(۳) الحارث بن الحارث الأشعريّ الشاميّ، أبو مالك، صحابی رسول ﷺ ہے۔ آپ کی روایات صحیح مسلم، سنن ترمذی اور سنن نسائی میں موجود ہیں۔(الإصابة في تمييز الصحابة:۶۶۱/۱)

(۴) سنن الترمذی، أبواب الأمثال، حديث نمبر:۲۸۶۳، ۴۶۴/۴، [حكم الألباني]:صحيح

پیچھا کر رہا ہو کہ اس کے آگے ایک قلعہ آجائے جہاں وہ دشمن سے خود کو محفوظ کرے۔ اسی طرح بندہ شیطان سے اپنے آپ کو صرف ذکر الٰہی کے ذریعے بچا سکتا ہے۔

حضرت شداد بن اوس[۱] رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں:

«مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَأْوِي إِلَى فِرَاشِهِ، فَيَقْرَأُ سُورَةً مِنْ كِتَابِ اللهِ حِينَ يَأْخُذُ مَضْجَعَهُ إِلَّا وَكَّلَ اللهُ بِهِ مَلَكًا لَا يَدَعُ شَيْئًا يَقْرَبُهُ يُؤْذِيهِ حَتَّى يَهُبَّ مَتَى هَبَّ».[۲]

ترجمہ: جب کوئی شخص سونے سے پہلے بستر پر قرآن کی کوئی سورت پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ نازل کرتا ہے جو اسے نقصان دینے والی ہر شے سے محفوظ رکھتا ہے۔ وہ فرشتہ وہیں رہتا ہے جس وقت تک وہ بیدار نہ ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ سونے سے قبل اپنی حفاظت کے لیے خدا کو یاد کرنے والا شخص اس کی ذات پر توکل کرنے والا ہو سکتا ہے۔ سونے سے قبل خدا کی یاد انسان کو باطنی راحت پہنچانے کا سبب بنتی ہے۔

قلب کا انسان کے جسمانی و نفسیاتی اطوار کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب قلب کی حالت درست ہوتی ہے یعنی اس کا خالق کے ساتھ ربط عمیق ہوتا ہے تو اس کے حصص و عادات بھی ٹھیک کام کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَلاَ وَ إِنَّ فِي الجَسَدِ مُضْغَةً؛ إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الجَسَدُ كُلُّهُ، أَلاَ وَ هِيَ القَلْبُ».[۳]

ترجمہ: جسم کا ایک عضو ایسا ہے جب اس کی اصلاح ہو تو بقیہ جسد کی بھی درستی ہو جاتی ہے اور جب متاثر ہو تو پورا بدن متاثر ہو جاتا ہے وہ عضو دل ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) شداد بن اوس بن ثابت بن المنذر، آپ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔، آپ کی کنیت ابو یعلی، اور بعض نے ابو عبد الرحمن ذکر کی ہے، آپؓ بہت متقی، عبادت گزار اور خوف خدا رکھنے والے انسان تھے۔ آپ کا انتقال ۵۸ھ میں ہوا۔(أسد الغابة، لابن الأثير ،۶۱۳/۲)

(۲) النسائی، السنن الكبرى، أبوعبدالرحمٰن أحمدبن شعيب (المتوفي:۳۰۳ھ)، مؤسسة الرسالة بيروت، الأولى،۱۴۲۱ھ، كتاب عمل اليوم والليلة، حديث نمبر:۱۰۵۷۹، ۲۹۹/۹

(۳) صحيح البخاری،كتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، حديث نمبر:۵۲، ۲۰/۱

«لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ؛ وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَ نَزَلَتْ عَلَيْهِمِ السَّكِينَةُ، وَ ذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ». (۱)

ترجمہ: جب کوئی گروہ بیٹھ کر یادِ الٰہی میں ہوتا ہے تو انہیں ملائکہ حلقہ میں لیتے ہیں۔ رحمتِ الٰہی ڈھانپ لیتی ہے اور سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ اس گروہ کا ذکر اپنے دربار میں کرتا ہے۔

حدیث میں سکینہ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اور اضطراب، بے یقینی کا متضاد ہے۔ یعنی جو لوگ خدائے تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں انہیں یہ انعام نصیب رہتا ہے کہ ان سے توہمات کا اضطراب اور بے یقینی زائل کر دیے جاتے ہیں۔ دوسرا زاویہ نکلتا ہے کہ سماج میں جو لوگ توہمات کے اضطراب کا شکار ہوتے ہیں اس کا سبب نعمتِ سکینہ کا حاصل نہ ہونا ہے جو کہ ذکر الٰہی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔

ابن القیم رحمہ اللہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"فإن طمأنية القلب و سكونه و استقراره بزوال القلق، و الانزعاج، والاضطراب عنه". (۲)

ترجمہ: قلب کا اطمینان، سکون اور استقرار اس وقت حاصل ہوتا ہے جب قلق، پریشانی اور اضطراب نہ رہے۔

ظاہر ہے کہ حدیث مبارکہ کے مطابق اس کیفیت کا حصول صرف ذکر الٰہی سے ممکن ہے۔ ذکر سے دوری بدیہی طور پر توہمات اور اضطراب کو پیدا کرنے کا سبب بنے گی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ؛ وَ الَّذِي لاَ يَذْكُرُ رَبَّهُ؛ مَثَلُ الحَيِّ وَ الميِّتِ». (۳)

ترجمہ: جو شخص یادِ خداوندی میں رہتا ہے اور جو نہیں ہوتا، مثال ذی حیات اور بے جان کی سی ہے۔

یعنی جو یادِ الٰہی میں زندگی بسر کرتا ہے وہ جاوید اس فرد کی مانند ہے کہ اس کے اندر امید، یقین اور اعتماد موجزن ہوتے ہیں جبکہ ذکر سے کنارہ کشی کرنے والا بے جان، مردہ کی طرح ہے کہ اس میں زندگی، احساس اور یقین کی تابناکی موجود نہیں ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، حديث نمبر: ۲۷۰۰، ۲۰۷٤/٤

(۲) كتاب الروح، ابن قيم الجوزية، مجمع الفقه الاسلامى جدة، ۱۹۹۸ء، ۲۵۸/۱

(۳) صحيح البخارى، كتاب الدعوات، باب فضل ذكر الله عزّ وجل، حديث نمبر: ٦٤٠٧، ٨٦/٨

«أَلاَ أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ، وَ أَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ، وَ أَرْفَعِهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٌ لَكُمْ مِنْ إِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالوَرِقِ، وَخَيْرٌ لَكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوا أَعْنَاقَكُمْ؟ قَالُوا: بَلَى قَالَ: ذِكْرُ اللهِ تَعَالَى قَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ؛ مَا شَيْءٌ أَنْجَى مِنْ عَذَابِ اللهِ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ». (۱)

ترجمہ: میں تمھیں وہ اعمال نہ بتاؤں جو تمہارے خالق حقیقی کے ہاں بہترین اور طیب ہے نیز درجات میں ارفع، سونا اور چاندی کے خرچ کرنے سے بہتر اور جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہوئے، کفار کی گردنیں اڑانے اور ان کے تمہاری گردنیں مارنے سے بھی افضل ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خدمت اقدس میں کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ، فرمایا: کہ ذکر الٰہی سے زیادہ اللہ کے عذاب سے بچانے والی کوئی چیز نہیں۔

احادیث کے ذیل میں ذکر الٰہی کے ذریعے چند ایسے فوائد حاصل ہوتے ہیں جن کا نہ ہونا انسان کو توہمات، اضطراب اور مایوسی کے گرداب میں پھنسا دیتا ہے۔ وہ فوائد یہ ہیں:

تعلق مع اللہ

سکینہ کا حصول

امید

توکل علی اللہ

قرآن کی عدم تلاوت

توہمات کے انتشار کا ایک سبب قرآن کی سمجھ کر تلاوت نہ کرنا بھی ہے۔ اگر قرآن کو سمجھ کر اس کی تلاوت کی جائے تو قرآنی تعلیمات انسان کو توہم پرستی کی دلدل سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مربوط کرتی ہے اور دل میں یقین وسکون کی شمع جلا دیتی ہے اور اگر وہ قرآن کی تلاوت بغیر سمجھے کرے تو اگر یہ عمل بھی شفاء لما فی الصدور ہے لیکن سمجھ کر پڑھنا زیادہ موثر ہے۔ قرآن کی تلاوت بذات خود ایک عظیم عمل ہے لیکن سمجھ کر پڑھنا اور اس پر عمل کرنا در حقیقت قرآنی تعلیمات کا مدعا ہے۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ الدَّوَاءِ الْقُرْآنُ». (۲)

ترجمہ: قرآن بہتر دواء ہے۔

سورۃ البقرۃ کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب أبواب الدعوات، حدیث نمبر: ۳۳۷۷، ۴۵۹/۵، [حکم الألباني]:صحيح

(۲) ابن ماجه، سنن ابن ماجه، محمد بن يزيد القزويني، تحقيق:محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء الكتب العربية،كتاب الطب، باب الاستشفاء بالقرآن، حدیث نمبر:۳۵۰۱، ۱۱۵۸/۲،[حکم الألباني]:ضعيف

«لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ»[۱]

ترجمہ: تم اپنے گھروں کو جائے مقابر نہ بناؤ، جس میں سورتِ بقرہ کو تلاوت کیا جاتا ہے شیطان اس گھر سے دور رہتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے:

«كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُورَةَ الكَهْفِ، وَإِلَى جَانِبِهِ حِصَانٌ مَرْبُوطٌ بِشَطَنَيْنِ، فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ، فَجَعَلَتْ تَدْنُو وَتَدْنُو وَجَعَلَ فَرَسُهُ يَنْفِرُ، فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ: «تِلْكَ السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ بِالقُرْآنِ»[۲].

ترجمہ: ایک شخص سورت کہف پڑھ رہا تھا اور اس کے ایک طرف ایک گھوڑا رسیوں سے بندھا ہوا تھا۔ اس شخص پر بادل چھا گیا اور اس کے قریب آنے لگا تو (گھوڑا بدکنے لگا) صبح کو جب نبی کریم ﷺ سے یہ واقعہ ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ سکینہ تھا جو قرآن کے باعث اترا تھا۔

اسلام میں عقیدہ کی مثال "بیج" کی ہے جیسا عقیدہ ہو گا ویسا ہی پھل اعمال کی صورت میں ملے گا اور جیسے خیال سے درخت کی آبیاری کی جائے گی ویسا ہی شاندار پھل لگے گا۔ ایمانی قوت اور روحانی تربیت میں توازن واعتدال اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ قرآنی تعلیمات میں جابجا انسان کو نجاح اور فلاح کا راستہ اختیار کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ حقیقی فلاح و نجاح دنیا و آخرت میں انسان کا تمام اُلجھنوں اور اوہام پرستی سے محفوظ ہونا ہے نیز اس کا حصول اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر سے ممکن ہوتا ہے۔

جہالت اور آباء کی اندھی تقلید

توہم پرستی کا ایک بڑا سبب جہالت اور آباء واجداد کی اندھی تقلید ہے۔ جہالت کی وجہ سے انسان حلت و حرمت میں اپنے خیالات کو گنجائش دیتے ہوئے وحی الٰہی کے اختیار کو چیلنج کر دیتا ہے اور آباء پرستی کے باعث، مخلوقات میں سے ہی بعض کو ایسا تقدس دینے لگتا ہے جس سے وہ اپنے لیے بیماری سے شفا، یا اپنے خوف و حزن کی بازیابی میں مدد حاصل کرنے کی امید کرتا ہے۔ اور ان تمام امور کو ثابت کرنے کے لیے اسے علم و عقل کی بجائے جہالت اور اندھی تقلید کا ہی سہارا لینا پڑتا ہے۔ قرآن مجید میں اندھی تقلید کی مذمت مختلف مقامات پر مذکور ہے۔

خصوصاً مشرکین مکہ کے متعلق کہتا کہ جو مشرکانہ رسوم بنا رکھی ہیں اور اپنی مرضی سے حلال و حرام کے فیصلے کرتے ہو آخر تمہارے پاس دلیل کیا ہے تو جوابا وہ ایک ہی بات کہتے کہ ہمارے آباء واجداد ہی ہماری دلیل ہیں۔ گویا اندھی تقلید اور من گھڑت روایت پرستی کا قرآن کریم انکار کرتا ہے اور صحیح رہنمائی کے لیے وحی الٰہی کو اصول مقرر کر دیتا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب استحباب صلاۃ النافلۃ فی بیتہ، وجوازھا فی المسجد، حدیث نمبر: ۷۸۰، ۵۳۹/۱

(۲) صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورۃ الکھف، حدیث نمبر: ۵۰۱۱، ۱۸۸/۶

ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ٱتَّبِعُواْ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ قَالُواْ بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ أَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ ءَابَآءَنَآۚ أَوَلَوۡ كَانَ ءَابَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُونَ شَيۡـًٔا وَلَا يَهۡتَدُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کا اتباع کرو، جو اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں بلکہ ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، کیا وہ اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے، اگر چہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں، اور ہدایت پر نہ ہوں؟

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب مختلف طریقوں سے اندھی تقلید کا شکار رہے ہیں اور مختلف اقسام کے جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ ان توہمانہ رسومات کو قرآن مجید اس طرح بیان کرتا ہے:

﴿مَا جَعَلَ ٱللَّهُ مِنۢ بَحِيرَةٍ وَلَا سَآئِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَٰكِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ يَفۡتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلۡكَذِبَۖ وَأَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُونَ وَإِذَا قِيلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡاْ إِلَىٰ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَإِلَى ٱلرَّسُولِ قَالُواْ حَسۡبُنَا مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ ءَابَآءَنَآۚ أَوَلَوۡ كَانَ ءَابَآؤُهُمۡ لَا يَعۡلَمُونَ شَيۡـًٔا وَلَا يَهۡتَدُونَ﴾ (۲)

ترجمہ: اللہ نے کسی جانور کو نہ بحیرہ بنانا طے کیا، نہ کوئی سائبہ، نہ کوئی وصیلہ اور نہ کوئی حام لیکن کفار اللہ پر افترا باندھتے ہیں، اور اکثر وہ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔ اور جب کہیئے ان کو آؤ اس طرف جو کلام اللہ نے اتارا ہے، اور رسول کی طرف آؤ، تو وہ بولتے کہ: ہم نے جس (دین پر) اپنے آباءواجداد کو پایا ہے، ہمارے لیے وہی وافر ہے۔ اگر ان کے آباءواجداد ایسے ہوں کہ نہ ان کے پاس کوئی علم ہو، اور نہ کوئی ہدایت تو کیا پھر بھی (یہ انہی کے پیچھے چلتے رہیں گے؟)

ان رسومات کی حقیقت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی رسم مشروع کی ہی نہیں یہ لوگ سراسر اللہ پر جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں اور ان کی اکثریت بھی بیوقوفی کی وجہ سے جہالت میں مبتلا ہے۔ سب جھوٹ اور افتراء کی صورتیں تھیں جو ان کے بڑوں نے اللہ تعالیٰ پر باندھی تھیں۔ تفسیر قرطبی کے مطابق جنادہ بن عوف نے اس رسم کو ایجاد کیا۔

بحیرہ: اس اونٹنی کو کہتے تھے جو اونٹنی پانچ بچے کے بعد نر بچہ پیدا کرتی تو اس اونٹنی کے کان چیر کر آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ پھر نہ کوئی اس پر سواری کرتا، نہ اسے ذبح کیا جاتا، نہ اس پر بوجھ لادا جاتا، اور نہ اسے پانی پینے اور کسی بھی چراگاہ میں جانے سے روکتے۔

سائبہ: اس اونٹ یا اونٹنی کو کہتے تھے جسے کسی بیماری سے شفا پانے یا کسی منت کے پورا ہونے پر بطور شکرانہ کے طور پر آزاد کر دیا گیا ہو۔

---

(۱) البقرۃ ۲:۱۷۰

(۲) المائدۃ ۵:۱۰۳-۱۰۴

وصیلہ: وہ بکری جو پہلی بار مادہ جننے کے بعد دوبارہ مادہ جنے اور درمیان میں نر بچہ پیدا نہ ہو۔

حام: ایسا نر اونٹ جس سے دس بچے پیدا ہو جاتے تو اسے اونٹ کو بھی سواری وغیرہ سے آزادی مل جاتی۔[۱]

اہل علم سے عدمِ مجالست

قرآن نے اہل علم کو فضیلت کے مقام پر رکھا ہے۔ سماج میں ان کی غیر معمولی ضرورت کو رد نہیں کیا جاسکتا، سماج میں توہمات کے عنصر کے زیادہ ہونے کی ایک وجہ لوگوں کا قابل اور حقیقی اہل علم سے مجالست نہ رکھنا بھی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَسْـَٔلُوٓاْ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾[۲]

اگر تمہیں کسی چیز کی بابت علم نہ ہو تو اہل ذکر (جاننے والوں) سے دریافت کرلینا چاہیئے۔

جو کوئی توہمات جیسی خرافات کا ارتکاب کرتا ہے اور ان پر سختی سے عملاً کاربند بھی رہتا ہے تو اسے دین کا درست شعور نہیں ہوتا۔ اہل علم سے کنارہ کشی اس کی بڑی وجہ ہے۔ عبد الرحمن بن معلّا اللویحق علماء کی ذمہ داریوں کے بارے میں تبصرہ کرتے ہیں:

"فهم العارفون بنصوص الوحيين، الفقهاء بهما، العاملون بعلمهم على هدىً وبصيرة، وهم ورثة الأنبياء، ورثوا عنهم العلم الذى حملوه فى صدورهم، فالعلم هو المنيرة التى تميزهم عن غيرهم فهم إن جهل الناس نطقوا بالعلم الموروث عن امام المرسلين".[۳]

ترجمہ: یہ لوگ قرآن و سنت کی نصوص کا علم اور ان کا فہم رکھنے والے ہیں۔ یہ اپنے علم پر ہدایت و بصیرت کے ساتھ عمل پیرا ہوتے ہیں۔ انبیا کے وارث ہیں۔ انہوں نے انبیا کا وہ علم حاصل کیا جو ان کے سینوں میں محفوظ تھا۔ علم ہی وہ خصوصیت ہے جو انہیں دوسرں سے شان امتیاز دیتی ہے۔ اگر لوگ بے خبر ہوں تو یہ ان کو امام المرسلین ﷺ سے وراثت میں حاصل کیا ہوا علم ان تک پہنچاتے ہیں۔

اہل علم کی صحبت اختیار کرنے والا کبھی بدبخت نہیں ہو سکتا، کیونکہ اہل علم کی صحبت شیطانی خیالات ووساوس کو دور کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اگر لوگ جاہل ہوں اور اہل علم سے مجالست بھی نہ رکھتے ہوں۔ اہل علم کا منصب ہے وہ ان تک درست علم پہنچائیں۔ علماء کا اپنی ذمہ داری کو مکمل نہ نبھانا بھی توہمات وخرافات کے پھیلنے کا سبب ہے۔

---

(۱) تفسیر القرطبی، ٦/ ٣٣٥-٣٣٧

(۲) النحل ۱۶:۴۳

(۳) مشكلة الغلو فى الدين فى العصر الحاضر، عبد الرحمن بن معلا اللويحق، مؤسسة الرسالة، طبع٢٠١٠ء، ص:١٨٦

خلاصہ کلام: کائنات میں غور و فکر کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو تخلیق فرمایا اور انسانوں کو حکم دیا ان سے فائدہ اٹھائے، یہ چوپائے ہوں یا دیگر مخلوقات انسان کی خدمت کے لیے ہی اس دنیا میں رکھی گئیں لیکن انسانی جہالت سے ان جانوروں کو اور دیگر مخلوقات کو مقدس اور معبود بنا دیا۔ کسی بھی جہالت کی روایت میں جب مذہبی توہم پرستی کا عنصر شامل ہو جاتا ہے تو وہ مذہب کی مجبوری بن کر سامنے آتا ہے اس پر چلنے والے نہ صرف اس کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے بلکہ اسے اپنی اندھی عقیدت کا مظہر سمجھتے ہوئے اسے باقی رکھنے کے لیے ہر حربہ اختیار کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔

اسلام جس نے جاہلیت کو ختم کر کے دنیا کو وحی الٰہی کی روشنی سے منور کیا اور فرسودہ جاہلیت کی رسومات کو اپنے پاؤں کے نیچے روندنے کے لیے آیا تھا آج یہ جہالت خود مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ عرب کے معاشرے کی بنیاد دو ہی چیزوں پر قائم تھی ایک جہالت اور دوسری آباء واجداد کی اندھی تقلید۔ ان لوگوں نے جہالت کا نام علم سمجھ لیا تھا اور گمراہی کو ہدایت سمجھتے تھے ان کے پاس کامیابی کے بنیادی ذرائع صرف مفروضے اور تخمینے تھے۔ آباء واجداد کی اندھی تقلید ایک ایسی روایت تھی، جس سے وہ دستبردار ہونے کو کسی بھی طرح تیار نہیں تھے۔ انھیں جب علم و ہدایت کی طرف دعوت دی جاتی، تو جواباً یہ کہتے کہ ہماری راہنمائی کے لیے آباء کی فرسودہ روایات ہی کافی ہیں۔

قرآن نے اس رویے کو یوں عیاں کیا ہے کسی بھی معاشرے میں توہم پرستی کے آغاز کا سبب علم وہدایت کو چھوڑ کر آباء واجداد کی تقلید ہی بنتی ہے۔ کسی بھی توہم پرستی کے خیال عقیدے یا نظریے کو دیکھ لیجئے، ہر سوال کے جواب کا حوالہ یہی ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے بڑوں کو یوں ہی کرتے پایا ہے۔ ﴿قَالُواْ بَلْ وَجَدْنَآ ءَابَآءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ﴾ [(۱)]

اس معاملے میں شہروں کے رہنے والوں کا حال دیہات سے کچھ مختلف نہیں، دنیاوی علوم کی آغوش میں رہنے والے بھی اس میں کثیر تعداد میں ملوث نظر آتے ہیں، بجز اس کے کہ اللہ نے کسی پر اپنا فضل کیا ہو یا پھر وہ اہل علم کی مجلسوں میں بیٹھنے والا ہو، یا اپنے ذاتی مطالعہ کے نتیجے میں دین کی اس حقیقت سے آشنا ہو۔

---

(۱) الشعراء ۲۶:۷۴

فصل دوم: توہم پرستی کے نفسیاتی اسباب واثرات

مبحث اول: دینِ اسلام اور نفسیاتی امراض

مبحث ثانی: نفسیاتی عوامل اور توہم پرستی

فصل دوم: توہم پرستی کے نفسیاتی اسباب واثرات

اس فصل میں توہم پرستی کے نفسیاتی اسباب کا جائزہ پیش کرنے کے بعد، ان نفسیاتی عوامل کے زیر اثر جنم لینے والے توہمات کو موضوع بحث بنایا جائے گا۔

دورِ جدید میں ہر انسان دُنیا سے مطابقت حاصل کرنے کے دوڑ میں مصروف عمل ہے۔ اس تگ و دو میں کچھ ساتھ چلنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور کچھ دنیا کی تیز رفتاری اور مشکلات و مصائب کا مقابلہ نہیں کرپاتے نتیجۃً وہ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ کبھی بے روزگاری اور ناکامی مایوس اور پریشان کر دیتی ہیں اور بعض اوقات دیگر مصائب و مشکلات انسان کو اَن جانے خوف اور توہمات کا شکار بنا دیتے ہیں۔ غربت، ناکامی اور پریشانی انسان کو خوف اور توہماتی کیفیات کی طرف مائل کر دیتے ہیں وہیں کامیابی اور لاتعداد وسائل کی فراہمی انسان کو غرور اور تکبر میں ڈال دیتی ہیں اور بعض اوقات کامیابی اور عروج کے زوال کا خوف بھی عجیب و غریب توہمات کا شکار بناڈالتا ہے۔

اس کے علاوہ طبقاتی تفریق انسان کو حسد اور حرص جیسی نفسیاتی امراض کا شکار کر دیتی ہے۔ یہی نفسیاتی امراض انسان کے ذہن و شعور اور اخلاق و کردار کو بھی متاثر کرتے ہیں جو بہت سے اخلاقی اور عملی برائیوں کو جنم دینے کا بھی باعث بنتے ہیں۔

> "ترقی یافتہ ممالک کے کئی نابغہ روزگار اور اصحاب علم و دانش نے لوگوں کو سمجھنے اور انسان کو اُلجھنوں سے نجات دلانے اور اسے عقل و شعور سے بہرہ ور کرنے کے لیے بڑے بڑے مراکز قائم کئے ہیں۔ یہ مراکز انسانوں کو نفسیاتی الجھنوں اور امراض کا حل معلوم کرتے ہیں۔ اور انہیں ماحول سے مطابقت پیدا کرنے اور ایک کامیاب زندگی گزارنے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ علم نفسیات کے ماہرین نے انسان کے اس گوشت پوست کے سانچے میں واقع ایک ایک کُل پُرزے کی جانچ پڑتال کر لی ہے۔ دماغ کے ابھاروں میں سوچ کہاں ہے۔ یادوں کا مرکز کونسا ہے۔ احساسات کیسے جنم لیتے ہیں۔ گویا انسان کے داعیہ عمل کی باگ دوڑ ہاتھ میں لیے ماہرین نفسیات ایک اچھا انسان اور اچھا معاشرہ تشکیل دینے کے لیے بے حد کوشاں ہیں۔"[۱]

---

(۱) القرآن وعلم النفس، ص:۳۶۰

علم نفسیات کا تعارف

علم نفسیات(Psychology) ابتدا میں فلسفہ (Philosophy) کا حصہ تھی اور یونانی فلسفیوں نے اسے اپنے خیالات کے موافق واضح کرنے کی کاوش کی۔ انگریزی کے لفظ Psychology پر لغوی طور پر تحقیق کی جائے تو یہ لفظ دو یونانی کلمات پر مشتمل ہے۔(الف)Psyche نفس (ب)Logos روح اور بات چیت (روح سے بات چیت)، علم نفسیات کے قدیم یونانی نظریات کے مطابق علم نفسیات روح کے مطالعے کا نام ہے۔[۱]

نفسیات میں فرد کی عادتوں، صلاحیتوں، رویوں اور خصلتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے نفسیات میں ارادے، شعور، احساس ادراک اور خیال وغیرہ بطور موضوع بھی شامل ہیں۔

مسلم فلاسفہ کی آراء

پانچویں صدی عیسوی میں علم کی کمی تھی، آپ ﷺ کی ذات گرامی عالم انسانیت کے لیے فلاح و ہدایت کا باعث بنی اور آپ ﷺ نے عالم انسانیت کے لیے نظریہ حیات پیش کیا۔ ابن سینا نے روح اور جسم کے اسلامی اصولوں کو پیش کیا کہ روح جسم سے برتر ہے۔ روح خالی اور جسم سے علیحدہ آزاد حیثیت رکھتی ہے۔ روح عقل کی صورت میں موجود ہے۔ دماغ ہی جسم کو کنٹرول کرتا ہے اگر اس کا کنٹرول ختم ہو جائے تو فرد کی قوتِ ارادی ختم ہونے لگتی ہے اور بہت سی ذہنی اور روحانی امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔[۲]

> "نفسیات (Psychology) ذہن کی سائنس کا نام ہے۔ نفسیات اذہان کو جِلا بخشتی ہے۔ چیزوں اور انسانی شعور کی نسبت کو اجاگر کرتی نیز اعضاء، اعصابی کیفیات کے باہمی تعلق کو متوازن اور مربوط رکھتی ہے۔ دور حاضر میں ذہن اور اعصابی نظام کے عملی سلسلے نے نہایت اہم ترقی کر لی ہے تو عمل نفسیات کو ایک علیحدہ اور اہم حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔"[۳]

---

(۱) دیکھیے: نفسیات، نائمہ حسن، اعتصامہ پبلشرز اردو بازار لاہور، ص:۱۰

(۲) ایضاً، ص:۱۱

(۳) اردو انسائیکلوپیڈیا، سید سبط حسن، فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۶۲ء، ص:۱۴۱۹

امام غزالیؒ[۱] کے نزدیک چار قوتیں انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ (الف) علم کی قوت (ب) غضب کی قوت، (ج) شہوانی قوت، (د) عدل کی قوت۔ ذہنی صحت کا انحصار انہی چار قوتوں پر ہے۔[۲]

عصر حاضر میں نفسیات بطور فن اور مستقل علم کے سامنے آیا۔ مشہور ماہر نفسیات[۳] Edward Titchener اور اس کے استاد[۴] Wilhelm Wundt نے اس کو "علمِ ذہن" قرار دیا۔ James[۵] William اور[۶] John Dewey نے اسے "علمِ شعور" کا نام دیا جبکہ[۷] John B.Watson نے نفسیات کو "علمِ کردار" قرار دیا۔[۸]

اگر ان مذکورہ نظریات کا تجزیہ کیا جائے تو یہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ اور جڑے ہوئے ہیں۔ علمِ نفسیات ذہن و شعور پر دستک دیتا ہے اور ان دریچوں کے کھلنے سے انسان کی روح سرشار، مطمئن اور پاکیزہ ہو جاتی ہے۔ پھر اس پاکیزگی اور

---

(۱) الغزالی، محمد بن محمد الغزالی الطوسی، أبو حامد، (۴۵۰ھ - ۵۰۵ھ) غزالی اور حجۃ الاسلام کے لقب سے معروف ہیں، مشہور فلسفی، مفکر اور متکلم تھے۔ تصانیف میں سے چند یہ ہیں۔ احیاء العلوم، تھافت الفلاسفہ، کیمیائے سعادت اور مکاشفتہ القلوب، وغیرہ۔(تاریخ الإسلام للذهبي ۶۲/۱۱)

(۲) دیکھیے: احیاء علوم الدین، امام غزالی، مکتبہ رحمانیہ اُردو بازار لاھور، ص:۲۰/۳

(۳) Edward Titchener (۱۸۶۷ء-۱۹۲۷ء) انگریزی ماہر نفسیات جس نے مائنڈ (ذہن) پر بہت گراں قدر کام کیا۔ مشہور کتاب Experimental psychology کا مصنف تھا۔
Edward-B-Titchener : Encyclopedia Britannica Concise,۲۰۰۶

(۴) Wilhelm Wundt (۱۸۳۲ء-۱۹۲۰ء) جرمن جدید عہد کا فلاسفر، جس نے فلسفہ کو سائنس کا درجہ دلوانے میں اہم کردار ادا کیا۔(Wilhelm-Wundt : Encyclopedia Britannica Concise,۲۰۰۶)

(۵) ولیم جیمز William James (۱۸۴۲ء-۱۹۱۰ء) جدید دور کا ماہر نفسیات اور فلسفی، مشہور "نظریہ بنیادی تجربیت" Radical Empiricism پیش کیا۔(فلسفہ مغرب کی تاریخ، ص:۹۱۸)

(۶) جان ڈیوی John Dewey ۱۸۵۹ء میں امریکہ میں پیدا ہوا۔ اسے دور جدید کا فلسفی کہا جاتا ہے اس کی کتاب مدرسہ اور معاشرہ (The School and Society) یورپ میں بااثر مقام رکھتی ہے۔ ڈیوی سچ اور علم کی جگہ "تحقیق" کو منطق کا جوہر قرار دیتا ہے۔ معاشرتی، سیاسی اور فلسفیانہ مباحث پر عبور رکھتا تھا۔(فلسفہ مغرب کی تاریخ، ص:۹۲۶)

(۷) جان واٹسن Jhon Broadus Watson (۱۸۷۸ء-۱۹۵۸ء) نے امریکہ میں ایک نیا مکتب فکر Behaviorism قائم کیا جسے کرداریت کی اصلاح کا نام دیا جاتا ہے۔ The Behaviorist manisfesto شہرہ آفاق کتاب ہے۔(نفسیات کے معمار، سید اقبال امروھوی، تخلیق کار پبلشرز دہلی، ص:۲۱۶)

(۸) دیکھیے: نفسیات، نائمہ حسن، ص:۱۹-۲۹

سرشاری کی جھلک انسانی کردار وافعال میں بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ نفسیات دراصل ذہن وشعور اور روح وکردار کو صحیح سمت پر لانے کے علم کا نام ہے۔

مبحث اول: دینِ اسلام اور نفسیاتی امراض

توہم ایک نفسیاتی بیماری ہے لیکن اس کا اثر صرف باطنی واندرونی کیفیات پر نہیں ہوتا بلکہ فرد کے ظاہری افعال وسکنات پر بھی اس کے اثرات واضح نظر آتے ہیں۔ یہ افعال وسکنات معمول کے مطابق نہیں ہوتے اور نہ ہی نارمل انسانی رویوں کی طرح ان کا صدور ہوتا ہے۔ یہ ایسا مرض ہے جو نہ صرف خود فرد کو اذیت میں مبتلا رکھتی ہے مزید یہ کہ خاندان اور معاشرے کے افراد بھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے بذات خود جسمانی ونفسیاتی بیماریوں سے پناہ مانگی ہے بلکہ اُمت کو بھی اس سے بچنے کی ہدایات فرمائیں۔ دین میں صحت کو نعمت خداوندی شمار کیا ہے۔ احادیث میں اشارۃً نفسیاتی امراض کے اسباب واثرات پر بھی رہنمائی موجود ہے۔

حضرت عبید اللہ بن محصن[۱] الخطمی رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِي سِرْبِهِ مُعَافًى فِي جَسَدِهِ عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ، فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا».[۲]

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس حالت میں صبح کرے کہ اسے نفسیاتی طور پر سکون واطمینان اور راحت حاصل ہو اور جسمانی طور پر بھی اسے کوئی مرض لاحق نہ ہو، اور ایک یوم کی روزی ہو، تو ایسے شخص کے پاس دنیا کی تمام نعمتیں جمع ہو گئیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ[۳] حدیث کی توضیح کرتے ہیں:

---

(۱) عبید اللہ بن محصن الانصاری الخطمی المدنی رضی اللہ عنہ، ان کی روایات الادب المفرد، سنن الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں مذکور ہیں جو آپ کے بیٹے سلمۃ سے مروی ہیں۔(تهذيب الكمال فی أسماءالرجال، يوسف بن عبدالرحمن، أبوالحجاج،المزي (المتوفي؛٧٤٢ھ) مؤسسة الرسالة، بيروت، الأولى؛١٤٠٠ھ، ٢٩٥/١١)

(۲) سنن الترمذی، ابواب الزهد، حديث نمبر:٢٣٤٦، ١٥٢/٤، [حكم الألباني]:حسن

(۳) علی قاری، ملا، علی بن محمد سلطان(۱۰۱۴ھ) معروف حنفی فقیہ اور محدث عالم تھے۔ ان کی تالیفات میں شرح الشفاء، شرح الشمائل اور شرح المشکوۃ وغیرہ ہیں۔(البدرالطالع بمحاسن من بعدالقرن السابع، محمد بن علي الشوكاني، دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان، طبع اول، ١٤١٨ھ ، ٤٤٥/١)

"(فِي سِرْبِهِ): الْمَشْهُورُ كَسْرُ السِّينِ أَيْ؛ فِي نَفْسِهِ، وَقِيلَ: السِّرْبُ الْجَمَاعَةُ، فَالْمَعْنَى فِي أَهْلِهِ وَعِيَالِهِ." (۱)

"سرب" سے مراد جماعت، گھر ہے لیکن یہاں یہ "نفس" کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے لہٰذا اس حدیث کا بیانیہ ہوگا کہ جس کی بیداری اس حالت میں ہو کہ اسے اپنے دشمنوں اور اللہ تعالیٰ کے اسبابِ عذاب و گناہ سے حفاظت میسر ہو اور وہ نفسیاتی جسمانی عیوب و آفات سے محفوظ اور اپنے اہل وعیال کے بارے میں کسی قسم کی ظاہری اور باطنی امراض میں بھی مبتلا نہ ہو، اور اس کے پاس دن بھر کے لیے حلال وسائل رزق میسر ہوں تو ایسا شخص دنیا اور آخرت کے اعتبار سے قابل رشک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے لیے عافیت کے ساتھ زندہ رہنے کو آسان کر دیا ہے اور زندگی کے یہ لمحات قابل شکر ہیں کہ اسے کسی قسم کی نفسیاتی اور جسمانی بیماری لاحق نہیں ہے۔

حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ منبر پر چڑھے اور پھر روتے ہوئے کہا:

«قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الأَوَّلِ عَلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ بَكَى فَقَالَ: اسْأَلُوا اللَّهَ العَفْوَ وَالعَافِيَةَ، فَإِنَّ أَحَدًا لَمْ يُعْطَ بَعْدَ اليَقِينِ خَيْرًا مِنَ العَافِيَةِ». (۲)

ترجمہ: ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے، پھر رُو دیے اور فرمایا: اللہ تعالی سے معافی اور تندرستی طلب کرو تمھیں ایمان کے بعد تندرستی سے زیادہ بڑی نعمت کوئی اور نہیں دی گئی۔

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ عَلِّمْنِي شَيْئًا أَسْأَلُهُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ، قَالَ: سَلِ اللَّهَ العَافِيَةَ، فَمَكَثْتُ أَيَّامًا ثُمَّ جِئْتُ فَقُلْتُ؛ يَا رَسُولَ اللهِ عَلِّمْنِي شَيْئًا أَسْأَلُهُ اللَّهَ، فَقَالَ لِي: يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّ رَسُولِ اللهِ، «سَلِ اللَّهَ، العَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ». (۳)

ترجمہ: ایک مرتبہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول: مجھے کچھ ایسا بتائیں جو میں اللہ تعالی سے مانگ سکوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے عافیت طلب کرو۔ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں کئی دنوں کے توقف کے بعد

---

(۱) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، علي بن محمد، الملا الهروي القاري (المتوفى: ١٠١٤هـ)، دار الفكر بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، ١٤٢٢هـ، ٣٢٥٠/٨

(۲) سنن الترمذی، أبواب الدعوات عن رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حديث نمبر: ٣٥٥٨، ٤٤٩/٥، [حكم الألباني]: حسن صحيح

(۳) سنن الترمذی، أبواب الدعوات عن رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حديث نمبر: ٣٥١٤، ٤١٧/٥، [حكم الألباني]: صحيح

دوبارہ حاضر ہوا اور کہا اے رسول اللہ مجھے کچھ ایسا بتائیں جو میں اللہ سے مانگ سکوں آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: اے عباس، اے رسول اللہ کے چچا: اللہ تعالی سے دنیا و آخرت میں عافیت طلب کرو۔

احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ اضطراب، دکھ اور پریشانی سے پناہ مانگتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس قول کے ناقل ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کثرت سے یہ دعا کرتے:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الهَمِّ وَ الحَزَنِ...». (۱)

ترجمہ: یا اللہ میں غم اور دکھ سے تیری حفاظت میں آتا ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَرَبَهُ أَمْرٌ قَالَ: يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ». (۲)

ترجمہ: آپ ﷺ کو جب بھی پریشانی یا غم لاحق ہوتا تو آپ کہتے: اے حي و قیوم تیری رحمت کے توسط سے تجھ سے مدد چاہتا ہوں۔

متوہم شخص کبھی مطمئن نہیں ہوتا اور ہمیشہ ذہنی خلفشار کا شکار رہتا ہے۔ یہ وہ اسباب ہیں کہ وہ اپنی پریشانیوں اور مصائب سے حوصلہ شکن ہوتے ہوئے تقدیر پر بھی معترض نظر آتا ہے۔

مبحث ثانی: نفسیاتی عوامل اور توہم پرستی

انسان اپنی پیدائش سے اسی کوشش میں رہتا ہے کہ اسے نشوء و نما اور ترقی حاصل ہو۔ نیز انسان قوت، طاقت حاصل کرنے کا خواہاں ہے نیز موت سے بچنے کی فکر میں مشغول ہوتا ہے۔ علماء نفسیات اس ملکہ غزیرۃ کو "حفاظتِ ذات" سے تعبیر کرتے ہیں۔

سماجی اقدار کی آبیاری میں نفسیاتی عوامل بھی کردار طرازی کرتے ہیں۔ سماج کی مختلف سطح پر منفی معاشرتی رویے نفسیاتی الجھنیں پیدا کرتے ہیں۔ نیز کئی ذاتی اسباب بھی توہم پرستی کا باعث بنتے ہیں جو انسان کی ذاتی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں اور ناخوشگوار واقعات سے جنم لیتے ہیں۔

بچپن کی پرورش کے اثرات

والدین کی جانب سے بچوں کے ساتھ بچپن سے سختی کے برتاؤ کے باعث بعض نفسیاتی الجھنیں جنم لیتی ہیں اور یہ بچے کی ابتدائی تربیت پر معکوس رد عمل مرتب کر دیتی ہے۔

---

(۱) صحيح البخارى، كتاب الجهاد، باب من غزا بصبي للخدمة، حديث نمبر:۲۸۹۳، ۳۶/٤

(۲) سنن الترمذى، أبواب الدعوات عن رسول الله صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حديث نمبر:۳۵۲٤، ٤۲۵/۵، [حكم الألباني]:صحيح

ماہرین نفسیات یہ تسلیم کرتے ہیں کہ دودھ پینے کی عمر میں بچے کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے سے بچے میں بعض نفسیاتی مسائل جنم لیتے ہیں۔ جیسے کہ پریشانی، شرمانا، بدشگونی کے جذبات، شک اور انقباضِ نفس وغیرہ۔ اور ان ماہرین نے اس مسئلہ پر نہایت مبسط اور عالمانہ بحث کی۔ (۱)

بے جاحساسیت

بے جاحساسیت یعنی کہ طبیعت میں ضرورت سے زیادہ چیزوں سے متاثر ہو جانے کی عادت غالب ہو جانا۔ ایسے لوگ جو معاملات کو نارمل دیکھنے اور محسوس کرنے کے عادی نہیں ہوتے ان کے اندر توہم پرستی کے جراثیم بھی پائے جاتے ہیں۔ بے جاحساسیت دراصل زندگی میں لاواقعیت کو جنم دینے کا سبب بنتی ہے اور اسی بناپر دل میں طرح طرح کے پریشان کن خیالات ڈیرہ جمالیتے ہیں۔ اس طرح کے افراد میں بدشگونی کے احساسات غالب ہوتے ہیں۔ تھوڑی سی پریشانی اور مصیبت کو بھی ایک بہت بڑا ہوا بنالیتے ہیں اور عموماً بوجھل دل کے ساتھ وقت گزراتے ہیں۔ اور بعض اوقات بے جاحساسیت کے خطرناک نتائج بھی برآمد ہوتے ہیں۔ مثلاً جو طالب علم بہت زیادہ محنتی اور اپنی پڑھائی کے ساتھ سنجیدہ ہوتا ہے مگر بے جاحساسیت کا بھی مالک ہو۔ اگر طالب علم کسی وجہ سے مضمون میں فیل ہو جائے یا کم نمبر حاصل کرے تو یہ ناکامی یوں طاری کرلیتا ہے کہ انتہائی قدم بھی اٹھالیتا ہے۔ جبکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ طالب علم دلبرداشتہ ہو کر پڑھائی ہی ترک کر دیتے ہیں۔ یہ بے جاحساسیت ہے جو بدشگونی اور اُلجھنوں کا باعث بنتی ہے۔

خوداعتمادی کا فقدان

قنوطیت ویاس کے باعث انسان میں خوداعتمادی معدوم ہوتی چلی جاتی ہے۔ انسانی شخصیت میں اپنے آپ پر اعتمادِ ذات کی کمی کی وجہ سے ذہنی تشویش، شک اور بدشگونی جیسی نفسیاتی بیماریوں میں گھیرا رہتا ہے۔ انسانی شخصیت میں خوداعتمادی کے فقدان کی بناپر انسان سخت مایوس ہو جاتا ہے۔ اس نفسیاتی کیفیت سے وابستہ لوگ زندگی میں کسی مشکل کا سامنا جم کر مقابلہ نہیں کرسکتے، مایوسی ایسے افراد کی شخصیت میں منفی تبدیلیاں مرتب کرتی ہے۔

﴿خُلِقَ ٱلۡإِنسَـٰنُ مِنۡ عَجَلٍۚ...﴾ (۲)

ترجمہ: انسان جلد بازی کی خصلت پر تخلیق ہوا ہے۔

---

(۱) انظر: حق الرضاعة للغير وتطبيقاته فى المحاكم الشرعية، عامر ابو الخيل، اشراف: مازن اسماعيل، الجامعة الاسلامية غزة، ۲۰۰۷ء، ص: ۱۱۸

(۲) الانبیاء۲۱:۳۷

﴿فَأَمَّا ٱلۡإِنسَٰنُ إِذَا مَا ٱبۡتَلَىٰهُ رَبُّهُۥ فَأَكۡرَمَهُۥ وَنَعَّمَهُۥ فَيَقُولُ رَبِّيٓ أَكۡرَمَنِ وَأَمَّآ إِذَا مَا ٱبۡتَلَىٰهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهُۥ فَيَقُولُ رَبِّيٓ أَهَٰنَنِ﴾ (۱)

ترجمہ: سو انسان کو اس کا پرودگار جب آزماتا ہے سو اس کا اکرام فرماتا ہے اور اسے نعمتیں دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میرا اکرام کیا اور جب وہ اس کو آزماتا ہے سو اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔

حدیث میں آپ ﷺ نے اسی نکتہ کو بیان فرمایا اور مؤمن کو ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ پر اعتمادِ کامل کرنے اور مکمل یقین رکھنے کی ترغیب دی۔

«الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ، خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَلَا تَعْجَزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ، فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلَكِنْ قُلْ قَدَرُ اللهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ». (۲)

ترجمہ: زبردست مسلمان (جس کا ایمان قوی ہو، اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھتا ہو، آخرت کے کاموں میں ہمت والا ہو) اللہ کے نزدیک بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے ناتواں مسلمان سے، اور ہر ایک طرح کا مسلمان بہتر ہے، حرص کر ان کاموں کی جو تجھ کو مفید ہیں (یعنی آخرت میں کام دیں گے) اور مدد مانگ اللہ سے اور ہمت مت ہار اور تجھ پر کوئی مصیبت آئے تو یوں مت کہہ اگر میں ایسا کرتا تو یہ مصیبت کیوں آتی لیکن یوں کہہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ایسا ہی تھا جو اس نے چاہا کیا۔ اگر مگر کرنا شیطان کے لیے راہ کھولنا ہے۔

یعنی اگر کوئی یہ اعتقاد رکھے کہ اسباب کی تاثیر مستقل بالذات ہے اور سوچے یہ سبب نہ ہوتا تو مصیبت در پیش نہ آتی، تو اس کا ایمان مشکوک ہے۔ کیونکہ تمام افعال اللہ کی مشیّت و ارادہ کے بغیر ممکن نہیں نیز کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر اعتقاد اور اسے تسلیم کرتا ہے کہ اسباب کی تاثیر بھی اس کے حکم سے ہے اس کو اگر مگر کہنا جائز نہیں اس اعتقاد سے یہ "لو" کلمہ کہنا درست نہیں کیونکہ یہ کلمہ شیطان کے لیے ایمان پر حملہ کرنے کیا راستہ کھول دیتا ہے۔

علمِ نبوت کے اس ارشاد کے مطابق ایک مسلمان کے لیے پسندیدہ ہے وہ اعتمادِ ذات، مستحکم قوت اختیاری کا مالک ہو۔ اور دینِ اسلام میں یہ مطلوب امر ہے۔ اس امر کی بنیاد یہ ہو سکتی ہے کہ ایسی شخصیت کا مالک جس میں اپنی ذات پر بھروسہ اور

---

(۱) الفجر ۸۹:۱۵-۱۶

(۲) صحيح مسلم، كتاب القدر، باب فى الأمر بالقوة و ترك العجز و الاستعانة بالله و تفويض المقادير لله، حديث نمبر: ٢٦٦٤، ٢٠٥٢/٤

عزم وارادہ مفقود ہو اس میں شکوک وشبہات، اور توہمات کا ایک پیدا ہونا ایک یقینی امر ہے اس کیفیت میں مبتلا شخص یقینِ کامل اور اللہ تعالیٰ پر توکل نہ ہونے کی بنا پر توہم پرستی کے نفسیاتی مرض کا جلد شکار ہو جاتا ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔

بیماری

بیماری ایسا عامل ہے جو دُکھ اور ملال کی کیفیت کا احساس دیتی ہے اور انسان پر جسمانی اور ذہنی کمزوری کے اثرات بھی چھوڑتی ہے اسی بنا پر انسان توہمات کی طرف چل پڑتا ہے۔

"يُجمع الأطباء أن التشاؤم فى الغالب ينشأ عن اعتدال صحة الإنسان، فالمريض غالباً ما يميل إلى القلق و الشؤم و الحزن أكثر من الفأل و المرح."(۱)

ترجمہ: اطباء متفق ہیں کہ بدشگونی عام طور پر انسان کو بیماری لاحق ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ مریض شخص نیک شگون اور خوشی کے احساسات سے زیادہ پریشانی، بدشگونی اور دکھ کی طرف مائل ہوتا ہے۔

"مشہور مقولہ ہے "جو بیمار ہو وہ مجرم ہو" بہت سے اخلاقی امراض میں مبتلا ہونا کسی بیماری یا زندگی میں نظم وترتیب کی عادت کے نہ ہونے کے سبب سے ہو سکتا ہے۔ پس انسان اپنے امراض کے باعث اپنی بدبختی میں اضافہ کرلیتا ہے۔"(۲)

داخلی ٹکراؤ

انسان کے اندر بعض اوقات اضداد کا ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے۔ یا کہ کہ انسانی عقل میں دو خیالات یا دو قوتوں کے مابین ٹکراؤ جنم لیتا ہے۔ اس طرح کے ٹکراؤ کا وجود عجیب نہیں ہے۔ اس کا سامنا تقریباً ہر شخص کو ہوتا ہے مگر بعض اوقات ایسے لوگ جنہیں اس کا مسلسل سامنا رہے اور وہ پہلے ہی سے نفسیاتی طور پر مضبوط نہ ہوں تو اس طرح کی صورت حال انہیں بے یقینی اور عدم توازن کا شکار بنا دیتی ہے۔(۳)

داخلی ٹکراؤ کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

"صراع الطفل بسبب رغبته فى إرضاء أبيه أو إرضاء أمه، إذا كانت طاعته لأحدهما سوف تغضب الآخر. صراع المراهق بسبب رغبته فى الاتكالية أو الاعتماد على النفس.

---

(۱) التفاؤل والتشاؤم لدى طالبات الارشادى النفسى، هند سليم شمالى، اشراف:انور البرعاوى، الجامعة الاسلامية غزه، ۲۰۰۷ء، ص:۱۳

(۲) اخلاق اور فلسفہ اخلاق، حفظ الرحمن سیوہاروی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۱۹۷۶ء، ص:۴۵

(۳) علم النفس المعاصر فى ضوء الاسلام، محمد محمود محمد، دارالشروق، طبع ٢٠١٤ء، ص: ٣٥٦-٣٥٩

صراع الزوجة فی أن تكون مع زوجها أو أن تكون مع أمها و أبيها، إذا كان وجوديا مع زوجها سيحرمها من الوجود مع أسرتها والعكس مثله. وصراع الشخص الذی تربی علی القيم و الأخلاق الدينية حين يجد نفسه فی مواجهة الفتن و المغريات بأنواعها."[۱]

ترجمہ: بچہ جب ماں اور باپ دونوں کی مختلف خواہشات میں سے ایک کو پورا کرنے پر مجبور ہو جبکہ وہ جانتا ہو کہ ایک کو خوش کرنے سے دوسرا ناراض ہو جائے گا۔

نوعمر لڑکا جو سرپرست پر بھروسہ کرنے اور اپنی ذات پر اعتماد کرنے کی خواہشات کے درمیان اُلجھا ہوا ہو۔

بیوی کہ جب اسے شوہر یا والدین میں سے کسی ایک کا چننا پڑے جبکہ اسے علم ہو کہ دونوں اطراف میں سے ایک کا ساتھ دوسرے سے محرومی کا باعث بن جائے گا۔

اور ایسا شخص کہ جس کی پرورش تو دینی اخلاقیات و اقدار پر ہوئی ہو لیکن عملی زندگی میں اسے اس کے برعکس ماحول کا سامنا کرنا پڑے۔

قرآن کریم داخلی ٹکراؤ کی انسانی کیفیت کو "تذبذب" سے موسوم کرتا ہے۔ اس کی بعض صورتیں خطرناک ہوتی ہیں کہ جب کسی شخص کو اچھائی و برائی سے ایک کا انتخاب کرنا پڑے اور وہ عارضی مفادات کے لیے باطل پر رہنے کو ترجیح دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ ٱللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُۥ سَبِيلًا﴾[۲]

ترجمہ: یہ لوگ تذبذب میں مبتلا ہیں۔ نہ اِس طرف ہیں نہ اُس جانب، اللہ جس کو گمراہ کر دے آپ اسے راستہ نہیں دیکھا سکتے۔

احساسِ جرم

احساس جرم یا خوف و ملال انسانی زندگی کی نفسیات میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے کوئی بھی انسان اس حالت سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ حالت بچپن سے بڑھاپے تک کبھی کم یا زیادہ مذکورہ شخص کے ساتھ رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبرداروں کے لیے جن انعامات کو وحی الٰہی میں ذکر کرتا ہے ان میں سے خوف و حزن سے حفاظت بھی شامل ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

(۱) علم النفس المعاصر فی ضوء الاسلام، ص: ۳۵۶-۳۵۹

(۲) النساء۴: ۱۴۳

﴿بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾ (۱)

ترجمہ: کیوں نہیں؟ (قاعدہ یہ ہے کہ) جو شخص بھی اپنا رخ اللہ کے آگے جھکا دے، اور وہ نیک عمل کرنے والا ہو، اسے اپنا اجر اپنے پروردگار کے پاس ملے گا۔ اور ایسے لوگوں کو نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾ (۲)

ترجمہ: یاد رکھو بیشک جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ان پر کوئی ڈر اور غم کی کیفیت نہ ہو گی۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾ (۳)

ترجمہ: بتحقیق جن لوگوں نے یہ کہا: کہ ہمارا رب اللہ ہے، وہ اس پر ثابت قدم رہے پس ان پر نہ کوئی خوف طاری ہو گا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ توہم پرستی، ذہنی اُلجھن اور نفسیاتی عدم توازن کا ایک سبب انسان کے اندر احساس جرم اور خوف کا جاگزیں ہونا بھی ہے۔ ایسا شخص کہ جو ہر وقت اس احساس کے بوجھ تلے دبا ہوا ہو اس کے اندر توہمات اور نفسیاتی بے اعتدالیاں پیدا ہو جانا عام بات ہے۔ کبھی یہ احساس شعوری ہوتا ہے اور کبھی لاشعوری۔

احساسِ جرم کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

"شعور المؤمن بالتقصير فى حق الله والتفريط فى أداء العبادات. شعور المؤمن بالقلق الناشئ عن الاحساس اللاشعورى بالذنب نتيجة تأثره بالمغريات التى تدفعه لارتكاب الذنوب والمعاصى التى تؤرق ضميره... شعور الوالدين بالذنب تجاه أبنائهم فى حسن رعاتهم... شعور الأبناء بالذنب تجاه والديهم والتقصير فى اداء حقوقهما وحسن برهما والعناية بهما..." (۴)

ترجمہ: کسی مسلمان فرد کے دل میں ہر وقت اس بات کا احساس کہ وہ خدائے تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی کرتا اور عبادات بھی ٹھیک نہیں کرتا۔ مسلمان کا گناہ کی طرف رجحان لاشعوری طور پر احساس جرم کا شکار ہو جانا جو ہر وقت اس کے ضمیر کو کچوکے لگاتا ہو۔ جو اس کی اپنی ذات کو اپنے ہی آگے حقیر بنا دے۔ ضمیر کی یہ خلش اسے

---

(۱) البقرة۲:۱۱۲

(۲) یونس۱۰:۶۲

(۳) الاحقاف۴۶:۱۳

(۴) الشعور بالذنب، عبد الخالق جاب الله، مكتبة العبيكان، طبع ۲۰۰۶ء، ص: ۵۶-۸۸

نفسیاتی مرض میں مبتلا کر دیتی ہے... والدین کا اپنی اولاد کے متعلق یہ احساس کہ وہ ان کی بہتر پرورش نہیں کر پا رہے۔ ان کی ضروریات پوری نہیں کر رہے اور یہ کہ انہیں اتنی محبت اور اعتماد عطا نہیں کر رہے جتنا کہ ہونا چاہیے... اولاد کا یہ احساس کہ وہ والدین کے حقوق کو پورا کرنے میں کوتاہ ہیں اور ان کا مناسب خیال نہیں کر پا رہے... افراد کا اپنی قوم کے ان مظلوم عوام کے حوالے سے احساس جرم کہ جو جنگوں یا قدرتی آفات کا نشانہ بننے کے بعد یا تو ختم ہو گئے۔ یا معذوری نے انہیں آلیا، اور یا پھر اپنے ان قریبی رشتوں کو کھو دینے کے بعد کا احساس جو کسی حادثے میں جان گنوا بیٹھے اور یہ آپ زندہ بچ گئے۔

ایسی شخصیت کہ جو دل سے مثالیت پسند ہو اور کام میں اخلاقی اقدار کا بھرپور پاس رکھنا چاہتی ہو مگر عملاً اس پر کمزوری اور کوتاہی کا احساس غالب رہتا ہو۔

احساس جرم بذاتہ بُری شے نہیں ہے کیونکہ احساس جرم انسانی شخصیت میں نیکی اور برائی کی تفریق کو زندہ رکھتا ہے لیکن اس کا دوام اور مسلسل غلبہ مرض کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ عبد الخالق جاب اللہ لکھتے ہیں:

"و تعتبر هذه المشاعر من علامات الصحة النفسية إذا دفعت الفرد إلىٰ الإيجابية و الاعتراف بالخطأ، والتوبة و الاعتذار ورد الحقوق، أما إذا استمر الشخص فی تأنيب نفسه وتعزيز شعوره بالخطأ والعجز، والشعور بالأسىٰ والحزن، والاحساس المغالی بالمسؤولية، فإن ذالک سيؤدی إلىٰ تولد طاقة انفعالية تظهر فی صورة قلق غامض مبهم يزعج الانسان و يسبب له الكثير من التوتر النفسی فيلجأ إلىٰ انكارها و التهرب من مواجهتها و الاعتراف بها عن طريق الكبت اللّاشعوری للاحساس بالذنب، وقد تنقلب هذه المشاعر إلىٰ قلق مفرط ثم خوف اكتئاب شديد، وقد تسوء الأحوال و تتطور إلىٰ مرض نفسی."[۱]

ترجمہ: اس طرح کے احساسات اگر فرد کو مثبت راستے کی طرف دھکیلیں، اپنی غلطی کے اعتراف اور ذمہ داری کی ادائیگی پر ابھاریں تو یہ نفسیاتی تندرستی کی علامت ہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص خود کو مسلسل ملامت کرتا رہے جس کی وجہ سے غلطی، کم مائیگی، دُکھ اور ضرورت سے زیادہ حساسیت اس کے اندر جگہ بنانے لگے تو پھر یہ احساسات انفعالیت میں مبدل ہو جاتے ہیں اور اس کا عملاً ظہور نامعلوم قلق کی صورت میں ہوتا ہے جو کسی بشر کو تکلیف دیتا ہے اور نفسیاتی اُلجھنیں پیدا کرتا ہے۔ اس کیفیت کے بعد انسان فرار کا راستہ اختیار کرنے لگتا ہے اور ذمہ داریوں سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ بعض اوقات یہ احساسات بے جا پریشانی میں اس کے بعد خوف میں

---

(۱) الشعور بالذنب، ص :۸۸

اور پھر شدید اضطراب میں بدلنے لگتے ہیں اور کبھی تو حالت اتنی بگڑ جاتی ہے کہ یہ احساس نفسیاتی مرض کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

وراثتی امراض

جسمانی امراض کی طرح بعض نفسیاتی امراض بھی وراثت میں منتقل ہوتے ہیں۔ قانونِ جبلت میں سے ایک قانونِ وراثت ہے۔ توہم پرستی بعض اوقات کسی خاندان کا خاصہ ہوتی ہے کہ اس خاندان کے اکثر لوگ توہم پرستی میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

"يؤكد خبراء الطب النفسى على انتقال بعض الأمراض عن طريق الوراثة."[(۱)]

ترجمہ: ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ بعض امراض وراثت کے ذریعے سے منتقل ہوتے ہیں۔

جس طرح جسمانی طور پر انسان اپنے والدین سے مشابہ ہوتا ہے اسی طرح علم عقل اور تجربہ سے اخذ کرنے کی صلاحیت بھی منتقل ہوتی ہے لہذا ان جسمانی اور صفاتی صلاحیتوں کی منتقلی کے ساتھ ساتھ نفسیاتی اثرات میں بھی وراثت سے خاصہ حصہ حاصل کرتا ہے ان نفسیاتی اثرات میں مظاہر پرستی سے اثر قبول کرتے ہوئے توہم پرستی کی جانب منتقل ہونا بھی اس کے لاشعور میں سرایت کر جاتا ہے اس حقیقت کو تقویت درج ذیل احادیث سے حاصل ہوتی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ؛ أَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِي فَزَارَةَ أَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَمَا أَلْوَانُهَا؟» قَالَ: حُمْرٌ، قَالَ؛ «فَهَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ؟» قَالَ؛ إِنَّ فِيهَا لَوُرْقًا، قَالَ: «فَأَنَّى تَرَى أَتَى ذَلِكَ؟» قَالَ: عَسَى أَنْ يَكُونَ نَزَعَهُ عِرْقٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ «وَ هَذَا عَسَى أَنْ يَكُونَ نَزَعَهُ عِرْقٌ».[(۲)]

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ناقل واقعہ ہیں کہ قبیلہ فرازہ کا ایک آدمی خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوا اور عرض کی کہ میری زوجہ نے سیاہ بچہ کو جنا ہے اور اس کا ارادہ اپنے بچہ سے انکار کرنے کا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس اونٹ موجود ہیں؟ اس نے جواباً کہا جی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: کیا ان کے درمیان خاکی رنگ کے بھی ہیں۔ عرض کیا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری رائے میں وہ کہاں سے آیا؟ اس نے کہا ممکن ہے کہ کسی رگ نے کھینچ دیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو یوں ہو سکتا ہے کہ کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔ راوی نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار کی اجازت عطا نہیں فرمائی۔

---

(۱) النمو الانسانى، الطفولية والمراهقة، محمد عبد السميع رزق، دارالفكر، طبع ۲۰۱۰ء، ص:۵۹

(۲) النسائى، السنن الصغرى، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب،تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة، مكتبة المطبوعات الإسلامية حلب، الثانية، ۱۴۰۶ھ، كتاب الطلاق، حديث نمبر:۳۴۷۸، ۶/۱۷۸، [حكم الألباني] صحيح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا عَلَا مَاؤُهَا مَاءَ الرَّجُلِ، أَشْبَهَ الْوَلَدُ أَخْوَالَهُ، وَ إِذَا عَلَا مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَهَا أَشْبَهَ أَعْمَامَهُ». [1]

ترجمہ: اگر عورت کا نطفہ غالب آجاتا ہے مرد کے نطفہ سے تو بچہ اپنے ننھیال کے مشابہ ہو جاتا ہے اور جب مرد کا نطفہ اس کے نطفہ کے اوپر آجائے تو بچہ اپنے ددھیال کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"انسان ہر جگہ اپنے اصولوں سے مشترک صفات کا وارث بنتا ہے مثلاً صورت حواس، شعور، رجحانات اور عقل و ارادہ۔ اور یہ صفات اس میں نسلاً بعد نسلٍ وجود پذیر ہوتے رہتے ہیں اور انہی خصائص کی بدولت جو اس کو وراثت میں ملتی ہے۔ انسان ان تمام امور میں غلبہ پالیتا ہے جن میں حیوانات عاجز و درماندہ رہ جاتے ہیں۔" [2]

مترشح یہ ہوا کہ جسمانی اور نفسیاتی امور بھی وراثت میں منتقل ہوتے ہیں۔ خلقت کی اصل کے مطابق ہی ثمرہ و نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے بچے اپنے آباواجداد کے مشابہ ہوتے ہیں۔ بچوں میں جسمانی مشابہت کے ساتھ ساتھ صفاتی خصوصیات بھی اصول سے فروع کی طرف سرایت کرتے ہیں اسی اصول منتقلی کا نام وراثت ہے۔ اسی اصول کی بنا پر امراض بھی توہم پرستی کی شکل میں افراد سے خاندانوں اور پھر معاشروں کو وراثت میں منتقل ہوتی ہے۔

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، حديث نمبر: ٣١٤، ٢٥١/١

(۲) اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص: ۴۷

فصل سوم: توہم پرستی کے معاشرتی اسباب واثرات

مبحث اول: خاندانی اسباب واثرات

مبحث ثانی: اقتصادی اسباب واثرات

فصل سوم: توہم پرستی کے معاشرتی اسباب واثرات

اسلام اپنے ماننے والوں کو ایک بے مثال معاشرہ اور ایک عمدہ تہذیب وثقافت کے ساتھ ساتھ بے نظیر رسوم ورواج دیتا ہے۔ اسلام ایک وسیع ہدایات کا حامل دین ہے جو اپنے ماننے والوں کو عقائد کی خرابیوں میں مبتلا انسانوں کی فہرست سے نکال کر ایسا صاف ستھرا عقیدہ فراہم کرتا ہے جو غیر اللہ کے خیر وشر اور نفع ونقصان کے مالک ہونے کی تردید کرے، کفر وشرک اور توہمات کے دلدل میں پھنسی انسانیت کو اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور کرے۔

اسلامی معاشرے میں کسی قسم کی بھی بدگمانی اور وہم وبدشگونی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، خیر اور شر، نفع ونقصان کا مالک یقیناً اللہ تعالی ہے، اسی کے ہاتھ میں عزت وذلت، کامیابی وناکامی ہے، وہی فیصلوں کو نازل کرتا ہے اور اسی کے اجازت اور حکم سے دنیا میں واقعات اور حالات رونماں ہوتے ہیں، وہی چاہے تو انسان کی مراد پوری ہوگی اور اسی کے منشا اور مرضی سے آسانیاں اور سہولتیں انسان کو نصیب ہوتی ہے، قرآن کریم میں اس عقیدہ کی تعلیم جابجا دی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُل لَّن يُصِيبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَنَا هُوَ مَوۡلَىٰنَاۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: کہہ دو کہ: اللہ نے ہمارے مقدر میں جو تکلیف لکھ دی ہے ہمیں اس کے علاوہ کوئی اور تکلیف ہرگز نہیں پہنچ سکتی۔ وہ ہمارا رکھوالا ہے، اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذۡنِ ٱللَّهِۗ وَمَن يُؤۡمِنۢ بِٱللَّهِ يَهۡدِ قَلۡبَهُۥۚ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمٌ﴾ (۲)

ترجمہ: نہیں پہنچتی کوئی مصیبت مگر حکم الہی سے، نیز جو کوئی اللہ دل وجان سے مانتا ہے اللہ اس کے قلب وارادہ کی رہنمائی کرتا ہے۔

ذیل میں ان معاشرتی اسباب واثرات سے بحث کی جائے گی جو ایک صحت مند معاشرے کے توہم پرستی کے مبتلا ہونے کا سبب بنتے ہیں۔

مبحث اول: خاندانی اسباب واثرات

فرد اور معاشرہ لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں فرد صرف معاشرہ کے اندر زندہ رہ سکتا ہے اور معاشرہ پر موثر ہوتا ہے یوں معاشرے کی اچھائی یا برے پن کا انحصار انفرادی اعمال پر ہوتا ہے اگر افراد فکری اور جسمانی طور پر بہترین ہوں گے تو

---

(۱) التوبۃ۹:۵۱

(۲) التغابن۶۴:۱۱

معاشرہ بھی افتخار کا حامل ہو گا۔ دونوں کی نشو و نما بیک وقت سر انجام پاتی ہے معاشرہ کی ترقی کا انحصار خاندان کی تربیت پر ہے اور تربیت کے مراحل میں سے پہلی منزل خاندان ہے۔ گھر ہی وہ مرکز اول ہے جہاں انسان اپنے ابتدائی زمانہ کی حسّ اور مشاہدہ کا آغاز کرتا ہے جو ساری زندگی اس کے ذہن پر گہرا اثر قائم رکھتی ہے۔ اہل عرب محاورے کے طور پر کہا کرتے تھے۔ تقیّل الرجل اباہ۔ انسان عمل میں اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔

خاندان میں تعلیم و تربیت کا فقدان:

قرآن مجید اپنے یقین رکھنے والوں کو ہدایت دیتا ہے کہ اپنے گھر والوں کو بھلائی یعنی دین کی باتیں سکھلائیں تاکہ وہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہوں سکیں۔

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا...﴾ (۱)

ترجمہ: اے مومنو! خود کو اور اپنے اہل خانہ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

فرد کی تربیت کا مقصود اصلی مسلمان کی اُخروی کامیابی سے متصل ہے۔ گھر کے سربراہ کو اپنی بیوی بچوں کو دین کی باتیں سکھلانا فرض ہے ورنہ انجام دوزخ ہو گا۔

اور ایک حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَ كُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ؛ الإِمَامُ رَاعٍ وَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ؛ وَ الرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَ هُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ؛ وَ المَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَ مَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا؛ وَ الخَادِمُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ؛». (۲)

ترجمہ: تم سب نگران ہو اور اس سے نگرانی کے متعلق باز پرس ہو گی۔ مرد اہل خانہ کا نگران ہے اور اہل خانہ کے متعلق اسی سے سوال ہو گا۔ بیوی اپنے شوہر کے خانہ داری کی نگران ہے اور اس کے متعلقین کا سوال اسی سے ہو گا۔ خادم، آقا کے اموال کا پاسبان ہے نیز اس کی رعیت کے متعلق اسی سے پوچھا جائے گا۔

خاندان کی تربیت اور حسن سلوک کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَ أَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي». هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. (۳)

ترجمہ: خیر پر تمہارے سے وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہت اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے اچھا ہوں۔

---

(۱) التحریم ۶:۶۶

(۲) صحيح البخارى، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، حديث نمبر:۸۹۳، ۵/۲

(۳) سنن الترمذى،أبواب المناقب عن رسول الله، باب في فضل أزواج النبي، حديث نمبر:۳۸۹۵، ۷۰۹/۵،[حكم الألباني]:صحيح

ہر فرد اپنے دائرہ اختیار میں اپنے فریضہ کا جوابدہ ہے اور اولاد کی تعلیم و تربیت میں والدین ذمہ داریاں ہیں مگر ماں اس اعتبار سے زیادہ ذمہ دار ہوتی ہے کہ بچے فطرتا اسی طرف مائل ہوتے ہیں یہی ذمہ داری ایک مثالی معاشرے کی تشکیل کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ اولاد کی اچھی تربیت سے معاشرتی برائیوں کی روک تھام میں مدد ملے گی۔

عورت کی تعلیم و تربیت کا فقدان:

اصلاحِ معاشرے کے لیے عورتوں کا رویہ کئی حوالے سے مہم ہے عورت ماں کی صورت میں خاندانی تنظیم کا جزو لازم ہے اور خاندان پورے معاشرے کا، لہٰذا سماج اور معاشرہ زیادہ تر اس ہی کے زیر اثر تشکیل پاتا ہے ماں کی گود بچوں کے لیے پہلا مکتب ہوتا ہے، اگر ماں ہی دینی تعلیم سے آشنا نہ ہو گی تو اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ بچے پر کیا اثرات پڑیں گے۔ انسان اپنے گھر کی اسلامی تربیت کے ماحول کے زیر اثر معاشرے میں اپنی فکر کا عملی اظہار کرتا ہے۔ اگر عورت کی اسلامی تربیت نہ ہو یا اس میں کچھ کمی رہ جائے تو اس کے اثرات پورے معاشرے پر پڑے گے۔ معاشرے میں ایسی عورتیں جن کے اعمال کے باعث معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو یہ بھی انسان سے متعلق معاشرتی توہم پرستی کو فروغ دینے کا سبب بنتی ہیں۔

ایک حدیث مبارکہ میں عورت کی ناشکری کی وجہ سے اسے جہنم کی سزا کا مستحق کہا گیا ہے۔ اور شکر دینی اساسیات ہے اگر کوئی شخص اس سے محروم ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے دور ہو جاتا ہے۔

کی اسی جبلت کے پیش نظر ان کی تعداد بھی جہنم میں زیادہ ہو گی۔ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں:

«فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ؛ وَ بِمَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَ تَكْفُرْنَ العَشِيرَ».[۱]

ترجمہ: میں نے تم (خواتین) کو دوزخ میں بہت دیکھا ہے۔ عورتوں نے دریافت کیا: کس عمل سے؟ فرمایا: تم لعنت میں کثرت کرتی ہو اور اپنے خاوند کی ناسپاسی کرتی ہو۔

اولاد بطور آزمائش:

بسا اوقات خاندان کی کوئی ایک اکائی خرابی یا فتنہ کا سبب بن جاتی ہے۔ قرآن نے اولاد کو فتنہ کہا ہے۔ مال اور اولاد سے انسان کو فطری محبت ہوتی ہے۔ انہی کے ذریعے سے انسان کی آزمائش ہوتی ہے۔ والدین مختلف قسم کی توہمات سے ایسی منتیں مان لیتے ہیں جو براہ راست شرک نہ بھی ہو لیکن مؤدی الی الشرک ضرور ہوتیں ہیں۔

﴿وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّمَآ أَمۡوَٰلُكُمۡ وَأَوۡلَٰدُكُمۡ فِتۡنَةٞ وَأَنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥٓ أَجۡرٌ عَظِيمٞ﴾[۲]

ترجمہ: اور تم باخبر ہو کہ بیشک تمہارے اموال اور آل اولاد آزمائش ہیں اور بلاشبہ اللہ کے ہاں اجرِ عظیم ہے۔

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب الحيض، باب ترك الحائض الصوم، حديث نمبر: ٣٠٤، ٦٨/١

(۲) الأنفال ۲۸:۸

اولاد اور مال کو آزمائش سے معبر یوں کیا ہے کہ انسان اس آزمائش کے باعث اللہ اور رسول کی محبت واطاعت کے معاملے میں کمزور پڑ جاتا ہے۔ اور اسی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شیطان انسان کو توحید خالص سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔

آپ ﷺ نے اس امر کی طرف رہنمائی فرمائی ہے:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَ وَلَدِهِ وَ النَّاسِ أَجْمَعِينَ».(۱)

ترجمہ: اس وقت تک تم میں سے ایک بھی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے والدین، اس کی آل اور تمام لوگ سے زیادہ میں محبوب نہ ہو جاؤں۔

حضرت یعلی العامری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما دوڑے دوڑے نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، آپ نے انھیں سینے سے لگالیا اور فرمایا:

«إِنَّ الْوَلَدَ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ».(۲)

ترجمہ: اولاد بخل اور بزدلی کا باعث ہے۔

"(محزنة) يحمل أبويه على كثرة الحزن لكونه إن مرض حزنا وإن طلب شيئا لا قدرة لهما عليه حزنا فأكثر ما يفوت أبويه من الفلاح والصلاح بسببه."(۳)

ترجمہ: (اس سے مراد ہے حزین ہونا) اولاد ہی کے سبب والدین کثرت حزن میں مبتلا ہوتے ہیں اگر وہ بیمار ہو جائے تو والدین بھی پریشان ہوتے ہیں اگر اولاد کسی ایسی شے کی طلب کرے جو والدین کی قدرت میں نہیں ہو تو یہ بھی پریشانی کا باعث بنتا ہے، گویا بہت ساری نیکی اور کامیابی کی اشیا والدین سے دور ہو جاتی ہیں۔

مختصر یہ کہ اولاد کا فتنہ ایسا فتنہ ہے جس کے ذریعے انسان کی ہر وقت آزمائش ہوتی رہتی ہے۔ اسی سبب سے خاندان میں توہم پرستی جنم لے سکتی ہے۔ خاندان کی تربیت معاشرے کے اجتماعی نظم ونسق میں غیر معمولی حیثیت رکھتی ہے نیز خاندان کے عدم توازن کی وجہ سے معاشرے میں یہ برائی سرایت کر جاتی ہے لہذا اس کے علاوہ ان صورتوں میں سے بھی کسی صورت کی وجہ سے فرد میں توہم پرستی، بدشگونی اور عدم توازن کا پیدا ہونا ممکن ہوتا ہے جس کی نشاندہی ذیل میں کی جائی ہے:

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب الإيمان، باب حب الرسول ﷺ من الإيمان، حديث نمبر:١٥، ١٢/١

(۲) سنن ابن ماجه، فی كتاب الأدب، وباب بر الوالد، والإحسان إلى البنات، حديث نمبر:٣٦٦٦، ١٢٠٩/٢، [حكم الألباني]صحيح

(۳) فيض القدير شرح الجامع الصغير، ص:٤٠٣/٢

"برود الوالدین و إهمالها، أو قلة رقابتهما للطفل فینمو عنده الاحساس بعدم الأمان النفسی ویشعر أنه بلا قیمة ولا یحبه أحدٌ، فیتولد عنده شعور بعدم الاحترام لنفسه وعدم الثقة فی قدراته، ویأتی فی مقابل ذالک التأثیر السیئ الذی تترکه مبالغة کلا الوالدین فی حمایة ابنها وتدلیله و العطف علیه مما یؤدی إلیٰ توقف نمو شخصیته وتطورها."[۱]

ترجمہ: بچے کی پرورش کے معاملے میں والدین کی سرد مہری کو تاہی اور اس کا مناسب خیال نہ رکھنا۔ اسی وجہ سے بچہ حساس ہو کر عدم تحفظ محسوس کرتا ہے اور وہ یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ اس کی حیثیت نہ ہونے کے برابر ہے، نیز کوئی بھی اس کا خیر خواہ اور محب نہیں کرتا ہے۔ یہ احساس ایک اور جذبے کی نمو کا باعث بنتا ہے کہ وہ بچہ خود اپنی ذات کو بے احترامی کی نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے اور اپنی صلاحیتوں پر بھی اس کا اعتماد ختم ہونے لگتا ہے۔ اس صورت حال کے بالکل متضاد یہ بھی ہے کہ بعض والدین اپنے بچے کی دیکھ بھال میں اتنے مبالغے سے کام لیتے ہیں، اس کو ناز نخرے سے پالتے ہیں۔ یہ طرز عمل بھی بچے کی معتدل نشوونما کو روک دینے کا سبب بنتا ہے۔

"قسوة بعض الآباء علیٰ أطفالهم بسبب أو بغیر سبب الحط من شأنهم فینمو الطفل علیٰ الاحساس بأنه سیّئ مشکو منه، ویشعر بالذنب لأنه لیس علیٰ المستوی المرغوب فیه و تتأکل شخصیته بالتدریج."[۲]

ترجمہ: بعض والدین کا اپنے بچوں پر کسی وجہ سے یا بلا وجہ سختی اور خودداری کو ٹھیس پہنچانا، اس سے بچے میں یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اچھائی پر نہیں اور اس سے سب کو پریشانی لاحق ہے۔ یوں اس کے قلب میں احساس جرم پنپتا ہے کیونکہ وہ والدین کی امیدوں پر پورا نہیں اتر پا رہا۔ یوں اس کی شخصیت آہستہ آہستہ مضمحل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

"تربیة الوالدین الطفل علیٰ الجبن والطاعة العمیاء فیتعود الطفل أن یکبت مشاعره و رغباته، و یخفی ما یکره وما یحب، ولا یبدئ رأیه."[۳]

---

(۱) موسوعة الطب النفسی، عبد المنعم الحنفی، مکتبة مربولی، طبع ۲۰۰۱ء، ۱/ ۷۹-۸۰
والایمان والصحة النفسیة، دروس التربیة الاسلامیة، سید عبد الحمید مرسی، دار الحامد عمان، ۲۰۰۳ء، ص:۱۷۹،۱۷۵

(۲) موسوعة الطب النفسی، ص: ۱۷۵

(۳) ایضاً، ص: ۱۷۹

ترجمہ: والدین کا اپنے بچے کی تربیت اس طرح کرنا کہ اسے بزدلی اور اندھی فرمانبرداری کا عادی بناڈالیں۔ اس سے بچے کے جذبات وخواہشات مر جاتے ہیں۔ وہ اپنی پسند وناپسند کی ہر شے چھپانے لگتا ہے نیز اظہار رائے سے ہچکچاتا ہے۔

"تنافس الأبوين علىٰ استرضاء أطفالهما مما يزكى التنافس بينهم، ويولد التنافس العداء و الكراهية حتى ليتمنى الواحد موت الآخر، وينشأ من ذالک مشاعر ذنب وخوف."[۱]

ترجمہ: دو بچوں کے درمیان مسابقت کا ماحول پیدا کر دینا جو بچوں کے مابین نفرت اور دشمنی کو جنم دیتی ہے حتیٰ کہ اس کیفیت کی انتہا پر ہر ایک دوسرے کی موت تک کی خواہش کرنے لگتا ہے اور نتیجتاً ان کے اندر جرم وخوف کے احساس پیدا ہونے لگتے ہیں۔

"ولادة الطفل فى وقت لا يريده فيه الأبوان لأسباب اقتصادية، أو اجتماعية، أو صحية، وتنعكس هذه الظروف غير المواتية علىٰ معاملتهما للطفل وقد يقع الطلاق بين الأبوين أو يكاد بين الحين والآخر، وقد يستخدم أحدهما أحقيته فى حضانة الطفل لتهديد الآخر أو للغغط عليه، فيعانى الطفل فى جوٍ كهذا من الخوف ويفقد الأمان."[۲]

ترجمہ: بچے کی پیدائش کا ایسے وقت پر ہونا کہ جب والدین اس کے خواہش مند نہ ہوں اور اس کے اسباب اقتصادی، اجتماعی یا صحت کے مسائل ہو سکتے ہیں۔ ان حالات کے اثرات براہ راست بچے پر پڑتے ہیں۔ بعض اوقات والدین میں طلاق واقع ہو جاتی ہے اور کبھی معاملہ اس کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ اس حال میں بچے کی پرورش کا حق رکھنے والا دوسرے کو دھمکا کے بھی رکھتا ہے یا اس کو دباؤ میں رکھتا ہے۔ یوں بچہ خود کو غیر محفوظ اور خوفزدہ محسوس کرتا ہے۔

بچے کی دیکھ بھال اور تربیت کے لیے خاندان کا وجود ناگزیر ہے عہد طفولیت میں بچہ بالکل بے بس ہوتا ہے بچے کی بے بسی اس سے زیادہ کیا ہوگی؟ وہ حرکت کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی بات چیت، وہ ہنسنے رونے کے علاوہ اپنی ضروریات کو کسی اور طرح پیش نہیں کر سکتا۔ بچے کا وجود والدین کی نگرانی اور پرداخت کا محتاج ہوتا ہے، اس کے برعکس جانوروں کے بچے قلیل عرصہ تک ہی اپنے والدین کے محتاج ہوتے ہیں۔

---

(۱) موسوعة الطب النفسى، ص: ۱۷۹

(۲) ایضاً، ص:۱۷۹

انسان عام طور پر اپنے معاشرے اور ماحول سے افکار و عادات کشید کر تا ہے۔ جب معاشرے میں ہر طرف غیر معقول خرافات و توہمات کا طوفان موجزن ہو گا تو فرد بدیہی طور پر ان سے اثر کیے بغیر نہ رہ سکے گا۔ سماج میں توہم پرستی کے رواج و انتشار کی بڑی وجہ عملاً ایک بہت بڑی تعداد کا اس میں مبتلا ہو تا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر یہ عادتیں اور افکار اپنی زندگی کا حصہ بنا لیتے ہیں۔

مبحث ثانی: اقتصادی اسباب واثرات

موجودہ معاشرے ناہمواری اور عدم توازن کا شکار نظر آتے ہیں اور یہاں بسنے والے افراد بھی ان ناہمواریوں اور معاشی مجبوریوں کے باعث صرف پیسہ بنانے کی دوڑ میں شامل ہو گئے ہیں۔ ہمارا معاشرہ بھی مغربی معاشرے کی طرح صرف اور صرف جسم تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور تمام دستیاب وسائل محض جسم کو پالنے پوسنے کے لی استعمال کیے جا رہے ہیں نتیجۃً اخلاقی تربیت کے نہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ فلاحی ریاست کی جانب گامزن نہیں ہو تا۔ جو معاشرے اپنا مقصد اول وآخر مادیت کو فروغ دینا سمجھتے ہوں وہاں انسانی اخلاقی تربیت کے فقدان کے باعث اقتصادی ناہمواری بڑھتی ہے۔

غیر متوازن اقتصادی نظام

غربت وافلاس

توہم پرستی، بدشگونی اور بے اطمینانی کا ایک بہت بڑا سبب غیر متوازن اقتصادی نظام ہے۔ پوری دنیا میں غربت، بے روزگاری اور افلاس کے بڑھنے کی وجہ سے بے یقینی اور عدم تحفظ کے جذبات بھی نمایاں ہو رہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انسان توہمات مسلسل مبتلا ہو جاتے ہیں۔ غربت و افلاس میں جکڑے افراد کی نفسیات بری طرح متاثر ہوتی ہے ماہرین کے مطابق ایسے شخص صحت مند ہو جائے تو طبی لحاظ سے بہتری ہوتی ہے لیکن اس کی نفسیاتی کیفیت بہت عرصے تک ذہنی خلفشار کا شکار رہتی ہے۔

﴿ٱلشَّيۡطَٰنُ يَعِدُكُمُ ٱلۡفَقۡرَ وَيَأۡمُرُكُم بِٱلۡفَحۡشَآءِۖ وَٱللَّهُ يَعِدُكُم مَّغۡفِرَةٗ مِّنۡهُ وَفَضۡلٗاۗ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٞ﴾(۱)

ترجمہ: شیطان تم کو فقر سے خوف دلاتا ہے، اور تمہیں فحش کاموں کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تم سے عہد کرتا ہے اپنی طرف سے بخشش اور رحمت کا، اور اللہ بڑی کشائش والا اور سب جانتا ہے۔

---

(۱) البقرۃ،۲:۲۶۸

ازل سے شیطانی کاوش رہی ہے کہ وہ بندے کو ناداری اور مفلسی سے ڈراتا ہے۔ جہاں انفاق فی سبیل اللہ کرنا پڑتا ہے جس سے معاشرے میں محتاجی اور غربت کے خاتمہ میں مدد ملتی ہے لیکن شیطان ایسے اندیشے اور وسوسے پیدا کرنے لگتا ہے جس سے بار بار تنگدستی کا خیال آنے لگتا ہے۔ دوسری طرف متمول ومالدار کا پیسہ بے حیائی کے ارتکاب اور فضول رسم ورواج پر خرچ کرنے پر راغب کرتا ہے۔ اور غلط کاموں کو اس طرح بناسنوار کر پیش کرتا ہے۔ اور ان کے لیے چھپی ہوئی امیدوں کو جگاتا ہے، حجتیں اور دلائل ایجاد کرتا ہے، جس سے اس کے لیے ان رسوم پر خرچ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

معاشرتی ناہمواری

معاشرتی ناہمواری انسانی نفسیات پر بہت گہرا اثر رکھتی ہے۔ معاشرتی ناہمواری اور افلاس سے کوئی بھی شخص ذہنی اذیت میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ افلاس کی ناہمواریت کو بخوبی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے مقروض کو خوف اور اندیشوں میں گھیرا ہوا شخص قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

«لَا تُخِيفُوا أَنْفُسَكُمْ بَعْدَ أَمْنِهَا قَالُوا: وَمَا ذَاكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: " الدَّيْنُ "».(۱)

ترجمہ: اپنے آپ کو اطمینان وسلامتی کے بعد خوف کے رستے پر نہ لے جاؤ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: وہ کس طرح اے اللہ کے رسول؟ آپ ﷺ نے جواباً کہا: اُدھار لے کر۔

جس طرح افلاس وغربت توہم پرستی کا سبب ہے اسی طرح ان رسومات کو فروغ دینے والا معاشرے کا مال دار اور متمول طبقہ ہوتا ہے وہ ان رسومات کا سہارا لیتے ہوئے غربت اور خوف میں جکڑے ہوئے طبقے کا خوب استحصال کرتا ہے اور علم و آگہی سے معاشرے کے نادار طبقے کو دور رکھتا ہے اسی بنا پر قرآن مجید اس کی علت بیان کرتا ہے کہ اقوام کی اندھی تقلید اور آباء پرستی کے ذکر میں علم وشعور کے راستے اور نبی کی مخالفت میں مالدار طبقہ ہی آباء پرستی کا نعرہ لگاتے ہوئے سامنے آتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ مَآ أَرۡسَلۡنَا مِن قَبۡلِكَ فِي قَرۡيَةٖ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوهَآ إِنَّا وَجَدۡنَآ ءَابَآءَنَا عَلَىٰٓ أُمَّةٖ وَإِنَّا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم مُّقۡتَدُونَ﴾(۲)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے جس کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا تو اس کے خوشحال لوگوں نے یوں کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم ان کے طریقوں کا اقتداء کرنے والے ہیں۔

---

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۷۳۲۰، ۲۸/ ۵۵۷، [حكم شعيب الأرنؤوط]: حديث حسن

(۲) الزخرف ۴۳:۲۳

انبیا کے مقابلے میں اباءواجداد کی تقلید کا دعویٰ کو سماج میں رواج دینے والے ہر زمانہ کے طبقات میں امراء ورئیس افراد ہی ہوتے ہیں اور قائم شدہ جاہلیت کو برقرار رکھنے کی کوشش میں سرگرم رہتے ہیں۔

مولانا مودودی ؒ اس اہم قضیے پر رقمطراز ہیں:

"اس کے بنیادی وجوہ دو تھے۔ایک یہ کہ کھاتے پیتے اور خوشحال طبقے اپنی دنیا کو بنانے اوراس سے لطف اندوز ہونے میں اس قدر منہمک ہوتے ہیں کہ حق اور باطل کی، بزعم خویش، دوراز کار بحث میں سر کھپانے کے لیے تیار نہیں۔ان کی تن آسانی اور ذہنی کاہلی انہیں دین کے معاملے میں انتہائی بے فکر، اور اس کے ساتھ عملاً قدامت پسند (Conservative) بنادیتی ہے تاکہ جو حالت پہلے سے قائم چلی آرہی ہے وہی، قطع نظر اس سے کہ وہ حق ہے یا باطل، جوں کی توں قائم رہے اور کسی نئے نظام کے متعلق سوچنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ دوسرے یہ کہ قائم شدہ نظام سے ان کے مفاد پوری طرح وابستہ ہو چکے ہوتے ہیں، اور انبیا عَلَیۡہِ ٱلسَّلَامُ کے پیش کردہ نظام کو دیکھ کر پہلی ہی نظر میں وہ بھانپ جاتے ہیں کہ یہ آئے گا تو ان کی چودھراہٹ کی بساط بھی لپیٹ کر رکھ دی جائے گی اوران کے لیے اکلِ حرام اور فعلِ حرام کی بھی کوئی آزادی باقی نہ رہے گی۔"[۱]

آیت سے مترشح ہوتا ہے کہ انبیا کی تعلیمات میں رکاوٹ یہی طبقہ ہوتا ہے جو حُبِ دنیا اور حُبِ جاہ کے امراض میں مبتلا ہو۔ اور معاشرے کا یہ طبقہ عموماً اپنے خیالات باطلہ اور خواہشاتِ خبیثہ کو چھپانے کے لیے آباء واجداد کی تقلید کا سہارا لیتا ہے۔

دور جدید کا انسان جن معاشی مسائل سے دوچار ہے۔ ان مسائل کے باعث انسانی زندگی پر منفی اثرات پڑرہے ہیں۔ اقتصادی مسائل کے باعث بھی معاشرتی استحکام اور سکون واطمینان متاثر ہوتے ہیں۔اس وقت دنیا میں دو معاشی نظام اپنی مصنوعی اور غیر فطری بیساکھیوں کے سہارے چل رہے ہیں۔ایک مغرب کا سرمایہ داری نظام ہے۔ دوسرا مشرق کا اشتراکی نظام ہے۔ایک مادہ پرستی میں جنون کی حد تک تمام انسانی اور اخلاقی قدروں کو پھلانگ چکا ہے تو دوسرا معاشرہ پرستی اور اجتماعی ملکیت کا دلدادہ ہے۔ لیکن رحم دلی، انسان دوستی اور انسانی ہمدردی کی روح ان دونوں میں ہی مفقود ہے۔ دونوں کا ہدف دنیوی مفاد اور مادی ترقی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ دونوں نظام کے نتیجے میں معاشرے میں دولت کی تقسیم منصفانہ نہیں ہو سکتی اسی لیے امیر اور غریب کے فرق کے ہماری معاشرتی اقدار کو چھین لیا ہے ہر ایک طبقہ دوسرے کے استحصال کا باعث بھی ہے اور خود اس کا شکار بھی۔

---

(۱) تفہیم القرآن، ۴/ ۵۳۳-۵۳۴

فطرت سے اجتناب

اسلام ایک متوسط اور منصفانہ معاشی نظریہ پیش کرتا ہے، وہ سب سے پہلے دلوں میں خدا پرستی، انسان دوستی اور رحم دلی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ اسلام نے معاشی معاملات کو محض مادیت کے زیر اثر تعلقات کا درجہ نہیں دیا، بلکہ نظامِ اقتصاد کو انسانی اخلاقیات کے فلاحی اصولوں پر فائز کر دیا ہے۔ اس نظام کے زیر تعمیر معاشرے میں جو فائدے اخذ کیے جاتے ہیں وہ یہ ہیں: عدل واحسان، باہمی معاونت کا نظام، محبت ویگانگت، احترام انسانیت وغیرہ۔ اس کشمکش سے انسانیت میں سکون کی محرومی اور اطمینان کا فقدان نظر آتا ہے اور معیشت کا عدم استحکام اسے خوف ناامیدی اور رنج وملال جیسے نفسیاتی مسائل سے دوچار کر رہا ہے۔ فطرت کے اعتبار سے انسان صالح عقائد و اخلاق پر پیدا ہوتا ہے لیکن انہیں جیسے داخلی اور خارجی اسباب کے باعث انسان شرک کی حدود تک پہنچ جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ناقلِ حدیث ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

«كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ».(۱)

ترجمہ: ہر نومولود فطرت صحیحہ پر ہی جنم لیتا ہے۔

اسلام بچے پر سب سے پہلا حق اللہ تعالیٰ کا قرار دیتا ہے، کیونکہ وہ اللہ ہی انسان کا خالق ومالک ہے، انسان کی تمام صلاحیتیں اسی کی عطا کردہ ہیں، اس نے دنیا میں انسان کو اپنی عبادت اور خیر وشر کے ایک امتحان سے گزرنے کے لئے پیدا کیا۔ قرآن بھی شہادت دیتا ہے کہ انسانی فطرت میں اچھے اور برے اخلاق کا بنیادی تصور اللہ تعالیٰ من جانب اللہ ودیعت کر دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَىٰهَا قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّىٰهَا وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّىٰهَا﴾(۲)

ترجمہ: پس اس کو بدکاری سے بچنے کی سمجھ دی اور تقویٰ اس کو القاء کر دیا۔ جس نے اپنے نفس کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا۔ اور نامراد وہ ہوگا جس نے اسے دبا دیا۔

نفس انسانی میں گناہ کے جذبات بھی ابھرتے ہیں اور خیر کے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ہر انسان کے لاشعور میں اللہ تعالیٰ نے یہ تصورات رکھ دیئے ہیں خیر اور شر دونوں چیزوں کا القاء من جانب اللہ ہوتا ہے آگے انسان کا اپنا

---

(۱) صحيح البخاری، كتاب الجنائز، باب ما قيل في أولاد المسلمين، حديث نمبر:۱۳۸۵، ۲/ ۱۰۰

(۲) الشمس ۹۱:۸-۱۰

اختیار ہے کہ شر سے بچے اور خیر کے کاموں میں آگے بڑھے۔ کیونکہ کامیابی صرف اسی کے لیے ہے جو اپنے نفس کی اصلاح کرلیتاہے اور انسانی تخلیق فطرت پر ہوئی ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: آپ ایک طرف ہو کر اسی دین کی جانب منہ رکھیں۔ اللہ کی دی ہوئی فطرت پر قائم ہو جاؤ جس پر تخلیق کیا انسانیت کو۔ اللہ کے بنائے میں ردوبدل نہیں ہو سکتا۔ یہ دین قیم ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

آسمان وزمین میں موجود بے شمار نشانیاں اور فطرت کی آواز کی گواہی اسی لیے رکھی گئی تھی کی انسان یکسو ہو کر دینِ فطرت کی طرف چلتے ہیں حقیقت میں یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اچھائی کو اختیار کرے مگر دو وجہ سے انسان اس فطری راستے سے دور ہو جاتا ہے۔

ایک یہ کہ شیطان کے احکام کی تعمیل میں لگ جاتا ہے، اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں سماج کے جاہلانہ رسوم ورواج کا پابند ہو جاتا ہے۔

شیطانی بہکاوے کی وجہ سے دین فطرت کو چھوڑنے کی وجہ ایک حدیث قدسی میں بیان کی گئی ہے:

«وَ إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ». (۲)

ترجمہ: اور میں نے اپنے تمام بندوں کو (حق کے لیے) یکسو پیدا کیا پھر شیاطین ان کے نزدیک آتے ہیں اور انھیں ان کے دین سے دور کھینچ لیتے ہیں۔

دوسری وجہ خارجی ماحول ہے جس سے انسان فطری راستے کو چھوڑ کر جاہلانہ توہمات ورسومات اور مظاہر فطرت کی پرستش میں مبتلا ہو جاتا ہے اور خالق کائنات کی ذات وصفات میں شرک کرنے لگتا ہے۔ دوسری وجہ کو مذکورہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

«مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ». (۳)

---

(۱) الروم۳۰:۳۰

(۲) صحيح مسلم،كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة وأهل النار، حديث نمبر:٢٨٦٥، ٢١٩٧/٤

(۳) صحيح البخارى،كتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فمات، حديث نمبر:١٣٥٨، ٩٤/٢

ترجمہ: کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر فطرت (اسلام) پر، پھر والدین اس کو یہودیت یا نصرانیت یا مجوسیت کی طرف راغب کر لے جاتے ہیں۔

علماء اسلاف کے نزدیک فطرت، دینِ اسلام ہی کی تعبیر ہے:

"وَهُوَ الْمَعْرُوفُ عِنْدَ عَامَّةِ السَّلَفِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالتَّأْوِيلِ قَدْ أَجْمَعُوا فِي قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا عَلَى أَنْ قَالُوا فِطْرَةُ اللَّهِ دِينُ اللَّهِ الْإِسْلَامُ". (۱)

ترجمہ: یہی بات تمام اسلاف کے نزدیک معروف ہے نیز علماء کی جماعت متفق ہے کہ باری تعالیٰ کے فرمان "فِطۡرَتَ ٱللَّهِ ٱلَّتِي فَطَرَ ٱلنَّاسَ عَلَيۡهَاۚ" میں فطرت سے مراد دینِ اسلام ہے۔

انسان اسلامی خلقت پر تراشا جاتا ہے لیکن اس پر رفتہ رفتہ وہ ماحول اس پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے جس جگہ پرورش ہوتی ہے اور خارجی اثر کی بنا پر فطری اور طبعی استعداد میں تغیر و تبدل ہو جاتا ہے اور پھر وہ ماحول کے مطابق کافر، مشرک، یہودی، نصرانی وغیرہ بن جاتا ہے۔

خلاصہ کلام: توہم پرستی کے اسباب اور اقوام عالم کے رہن سہن سے عیاں ہو جاتا ہے کہ ہر دور کے انسان کے ذہنی، فکری اور عملی خرابی کے اسباب تقریباً ایک جیسے رہے ہیں، کیونکہ انسان کی فطرت اصلاً واحد ہے، اس کے داخلی اور خارجی طور پر اثر قبول کرنے کے ذرائع بھی ملتے جلتے ہیں۔ وہ ایک ہی جیسے عوامل سے بگڑتا اور ایک ہی جیسے اسباب سے سنورتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان اقوام کی ہلاکت واسباب کو ذکر کرتا ہے جو قومیں صدیوں پہلے عذاب کا شکار ہو چکی ہیں ان کے بگاڑ اور اصلاح کی نوعیت بھی یکساں رہی ہو گی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو خاص طور پر اہل کتاب (جس سے اس کو واسطہ زیادہ رہے گا) کی اوعتقادی، فکری اور عملی بگاڑ سے بچنے کی ہدایت کی ہے کیونکہ سابقہ امتوں کی گمراہیوں میں اس امت کے ساتھ بہت حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔

کثرت پرستی توہمات اور ذہنی اُلجھنوں کا سبب بنتی ہے۔ غم و اضطراب انسان سے اطمینان چھین لیتے ہیں۔ جس سے یہ احساس رہنے لگتا ہے کہ وہ زندگی کے حوادث کے سامنے کمزور ہے۔ عقیدہ توحید سے دوری نااُمیدی کو جنم دیتی ہے ایک خدا پر یقین نہ رکھنے والا انسان ایک ٹھکانہ کی بجائے ہمیشہ در در کا سوالی رہتا ہے۔ وہ ہر مافوق الفطرت اور ماوریٰ شے سے اُمیدیں باندھنے لگتا ہے۔ معاشرے میں جو لوگ ایک خدا کی عبادت سے دور بھاگتے ہیں ان کی زندگی بہت سارے مسائل کا شکار ہو جاتی ہے۔ علم اور علم والوں کی مجالس کا نہ ہونا انسان میں توہم پرستی جیسے خیالات ووساوس کو پیدا کرنے کا بڑا سبب ہے۔ اندھی تقلید اور من گھڑت قصے جاہلیت کی رسومات کو فروغ دیتے ہیں۔

---

(۱) التمهيد، لابن عبد البر القرطبي، ۷۲/۱۸

انسانی زندگی میں عروج وزوال اور مصائب و مشکلات بھی انسان کو اَن جانے خوف اور توہمات میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ مفلسی، ناکامی کا خوف اور معاشرتی طبقاتی تفریق انسان کو ذہنی اضطراب، اُلجھن اور نفسیاتی عدم توازن کا شکار کر دیتی ہے۔ یہی نفسیاتی امراض انسان کے ذہن و شعور اور اخلاق و کردار کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ اس گھٹن کی وجہ سے شعوری اور لاشعوری طور پر انسان کے رویے میں توہمات اور نفسیاتی بے اعتدالیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

ہمارا معاشرہ کئی اعتبار سے ناہمواری اور عدم توازن کا شکار ہے جس سے آپس میں بدگمانی، وہمی ہونا اور مختلف اشیا سے بدشگونی حاصل کرنا اس کالازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ خاندانی عدم توازن بھی معاشرتی توہم پرستی کا اہم سبب ہے۔ خاندان سے ہی برائی معاشرے میں سرایت کرتی ہے۔ انسانی رویے جو ایک دوسرے کے ساتھ باہمی میل جول سے تشکیل پاتے ہیں جب یہ توازن واعتدال سے ہٹ جائیں تو ذہنی و نفسیاتی امراض کا باعث بنتے ہیں انہیں امراض میں سے ایک بڑا مرض توہم پرستی ہے۔

قرآنی ہدایات کے درست فہم و عمل سے انسانی کردار کو مضبوط بنایا جاسکتا ہے کہ کوئی ذہنی الجھن، اضطراب، مایوسی، احساسِ برتری یا احساس کمتری جیسے توہماتی امراض و اسباب اور ان کے اثرات سے بچا جاسکتا ہے۔ توکل واعتماد اور تقدیر پر یقین، عقیدہ توحید کالازمی جزو ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ سے انسان لاحاصل اندیشوں اور خیالی خطرات سے خلاصی حاصل کرلیتا ہے۔ انسان جب یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ زندگی کے تمام معاملات منشاواحکامات الٰہی کے ساتھ وابستہ ہیں تو پھر اس کے جذبات واحساسات بھٹکتے نہیں ہیں۔ ذاتِ الٰہی کا شعور اور یقین انسانی شخصیت و کردار کو یکسر بدل دیتا ہے اس کی سوچ و عمل کارخ متعین ہو جاتا ہے۔ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر یقین، اعتماد اور اطمینان جیسی قوت فراہم کرتا ہے۔ جس سے توہم پرستی اور بدشگونی جیسے نظریات کے اثرات کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ اسلام نے صدر اول کے مسلمانوں میں قرآن مجید اور سنت مطہرہ کے ذریعے ایمان، توکل علی اللہ، اور علم جیسی صفات پیدا کیں جس سے ان کے توہم پرستی پر مبنی معاشرتی رسومات کا خاتمہ کر دیا۔

دین اسلام انسان کے داخلی اور خارجی جذبات و کیفیات کے بگاڑ کے باعث مسائل و امراض کا تذکرہ کرتا ہے بلکہ اس کا ایک جامع ومانع حل بھی پیش کرتا ہے۔ توہم پرستی کے مذکورہ بالا اسباب واثرات کا ذکر جس تفصیل سے قرآن وحدیث میں موجود ہے اسی تفصیل سے ان کا علاج بھی موجود ہے۔

اگلے باب میں اسلامی تعلیمات کے زمرے میں توہم پرستی سے چھٹکارے کالائحہ عمل وضع کیا جائے گا تاکہ انسانی اوہام اور باطل خیالات کا علاج و تدارک، شرکیہ اور مروجہ توہماتی طریقے سے بچتے ہوئے مکمل اسلامی اصولوں کے تحت ممکن ہو سکے۔

باب چہارم

توہم پرستی کا علاج و تدارک

(Remedies of Superstition)

توہم پرستی بجا طور پر ایسا مرض ہے جس کے اثرات انتہائی خطرناک اور مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ معاشرے میں توہم پرستی کے اثرات کی شدت کا احساس زیادہ نہیں ہے۔ عام طور پر اسے معمولی مرض خیال کیا جاتا ہے۔ عوام کی اکثریت باشعور نہیں، تعلیم شعور فراہم کرنے کا ایک وسیلہ تو ہے لیکن براہ راست شعور عطا نہیں کرتی۔ اس کے حصول کی خاطر تربیتی ماحول تشکیل دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور سماج میں تعلیم ہی اہم نہیں تو پھر شعوری فضا کی تشکیل یقیناً ایک امر محال نظر آتا ہے۔ شعور وآگہی، ماحول وتربیت کی فضا نہ تو حکومت کی پالیسی میں شامل رہی اور نہ ہی عوام کی ترجیحات کا حصہ ہے۔ اس لیے یہ امید لگانا کہ توہم پرستی جیسی نفسیاتی بیماریاں آسانی سے ختم کی جاسکتی ہیں یہ صرف ایک خواہش کے سوا کچھ نہیں۔

جس طرح توہم پرستی کے اسباب ایک دو نہیں ہیں بلکہ متعدد ہیں اسی طرح توہم پرستی کا طریقہ علاج بھی ایک ذریعے سے ممکن نہیں۔ جہاں توہم پرستی کے تدارک کے لیے مذہبی رہنمائی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح توہم پرستی کے روک تھام کے لیے علم نفسیات کی بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ فصل دوم میں ایسے نفسیاتی طریقہ تدارک پر بحث ہوگی جو مذہبِ اسلام کے زمرے میں آئے گے۔ کچھ لوگ ذاتی سطح پر نفسیاتی امراض سے متعلق ہوتے ہیں کہ وہی خود اس عارضے کے لاحق ہونے کا ذمہ دار ہوتے ہیں۔ فصل سوم میں ایسے طریقہ علاج کو بیان کیا جائے گا جن کا تعلق سماج سے ہوتا ہے کیونکہ خاص معاشرہ اور ماحول فرد کو اس بیماری میں مبتلا کر دینے کا سبب بھی بنتے ہیں۔ جس سے توہم پرستی کے مرض سے چھٹکارا حاصل کرنا معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

فصل اول: مذہبی علاج و تدارک

مبحث اول: اسلامی تعلیم کی ترویج

مبحث ثانی: اسلامی تربیت کی فراہمی

فصل اول: مذہبی علاج و تدارک

توہماتی امراض میں مذہب کی اہمیت

اعتقادات، عبادات، معاشرت یا معاملات میں اصالۃ مذہب کا مقصد رب العالمین کے حضور بندگی کا اظہار ہے۔ یعنی ابتدائی اور حقیقی اعتبار سے یہ سمع و طاعت کا قضیہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مذہب اور مذہبی اعتقادات واعمال کا دوسرا پہلو بھی ہے جو انسان کے جسمانی اور نفسیاتی امراض اور ان کے علاج کے ساتھ ربط رکھتا ہے۔ دینِ اسلام فطری اور الوہی پیغام ہے۔ نیز روز مرہ کے افعال و عادات دین اسلام سے شعوری یا لاشعوری طور پر اثر قبول کرتے ہیں۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے مفصل زاویے سے اس کے خدوخال پیش کیے ہیں۔

"هاهنا من الأدوية التي تشفي من الأمراض ما لم يهتد إليها عقول أكابر الأطباء، ولم تصل إليها علومهم وتجاربهم وأقيستهم من الأدوية القلبية، والروحانية، وقوة القلب واعتماده على الله، والتوكل عليه، والالتجاء إليه، والانطراح والانكسار بين يديه، والتذلل له، والصدقة، والدعاء، والتوبة، والاستغفار، والإحسان إلى الخلق، وإغاثة الملهوف، والتفريج عن المكروب؛ فإن هذه الأدوية قد جربتها الأمم على اختلاف أديانها ومللها، فوجدوا لها من التأثير في الشفاء ما لا يصل إليه علم أعلم الأطباء، ولا تجربته، ولا قياسه..."[1]

امراض سے علاج کے بعض طریقے ایسے بھی ہیں جن تک بڑے بڑے اطباء کی عقول، ان کے علوم اور تجارب کی رسائی نہیں ہے۔ علاج کے ان طریقوں کا تعلق قلبی اور روحانی امور سے ہے قلب کی قوت، اس کا اللہ پر اعتماد، توکل، اور اس کی طرف رجوع، عاجزی، انکساری، اس کی ذات کے آگے جھکنا، صدقہ، دعا، توبہ استغفار، خلقِ خدا کے ساتھ بھلائی، مجبور کی مدد، غمزدہ کے ساتھ تعاون، یہ سب وہ علاج اور دوائیں ہیں۔ جنہیں مختلف ادیان اور قوموں کے افراد نے آزمایا ہے اور اس میں وہ تاثیر اور شفاء پائی ہے کہ بڑے بڑے اطباء، ان کے تجربے اور فہم دنگ رہ جائیں۔

ان کی تاثیر حسی و طبی دواؤں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ علاج کے یہ طریقے قانون حکمت الٰہیہ کے عین مطابق ہیں۔ جب ایک انسان رب العالمین کے ساتھ اپنا ربط جوڑ لیتا ہے وہ رب العالمین جو بیماری و علاج کا خالق ہے فطرت و کائنات کا مدبر اور اس کو چلانے والا ہے تو ایسے دل کے لیے وہ دواء نہیں ہو گی جو رب العالمین سے اعراض کرنے والے صاحب قلب کے لیے ہے۔ جب روح طاقتور ہو جائے اور اس کے ساتھ نفس اور فطرت بھی مضبوط ہو جائیں تو پھر بیماری کو شکست دینا

---

(۱) زاد المعاد، لابن قيم الجوزية، ٤/ ١١

مشکل نہیں رہتا۔ کیسے انکار ممکن ہے کہ جب کسی شخص کی فطرت اور نفس طاقتور ہو جائے، وہ خالق کے قرب میں خوشی محسوس کرے، اس سے اُنس رکھے، محبت کرے، اس کے ذکر سے لطف اندوز ہو، اس کی تمام صلاحیتیں خالق کے لیے استعمال ہوں، اُس سے مدد طلب کرے، اس پر بھروسہ رکھے تو اس شخص کے لیے اس سے بڑی دواء اور نہیں ہو سکتی، یہ طاقت اور صلاحیت اس کے درد کو مکمل طور پر ختم کر سکتی ہے۔ اس کا انکار صرف جاہل، گناہ گار اور خدا سے اور انسانیت سے دور فرد ہی کر سکتا ہے۔

مبحث اول: اسلامی تعلیم کی ترویج

انسانیت کا دامن ان اقدار سے خالی ہے جس سے صحت مندانہ بالیدگی ہوتی ہے انسانیت کے سامنے کوئی صحت مند قدر حیات باقی نہیں جو اجتماعیت کو برقرار رکھ سکے دین اسلام میں انسانیت کی اعلی اور اکمل اقدار کی آبیاری ممکن ہے۔ نیز وہ علم کی فراہمی بھی ہے جو انسانیت کو ایسے طریق زندگی سے روشناس کراتا ہے جو فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہو، مثبت و تعمیری اور حقیقت پسندانہ ہو۔ اسلام کے ماننے والے دینِ اسلام کو مکمل نظام کی صورت میں دنیا کے سامنے رکھیں اور اس حقیقت کو جان لیں کہ ہمارے ضابطہ زندگی اور گرد و پیش میں پھیلے ہوئے ضابطہ میں اصولی فرق ہے۔ انسان ابتدا میں بجلی، ستارے، چاند، سورج گہن، اور اسی قسم کی چیزوں سے خوف کھاتا تھا لیکن جب متمدن انسان کو ان کے اسباب کا علم ہو گیا تو سب خوف جاتا رہا۔ اسی عقل و شعور اور علم و آگہی کی طرف قرآن مجید دعوت دیتا ہے۔

> "فالناس فی کل نظام الاسلامی، بعبد بعضهم بعضا في صورة من الصور وفي المنهج الاسلامي وحده يتحرر الناس جميعا من عبادة بعضهم لبعض، بعبادة الله وحده، والتلقى من الله وحده، والخضوع لله وحده."[1]

> ترجمہ: اسلامی نظام کے ماسوا تمام غیر اسلامی نظاموں میں انسان دوسرے انسانوں کی کسی نہ کسی شکل میں عبودیت کرتا نظر آتا ہے۔ صرف اسلام میں ایک نظام حیات ہے جس میں انسان انسانوں کی عبودیت سے آزاد ہو کر صرف خدائے واحد کی عبودیت و بندگی کرتا ہے۔ صرف خدا کی بارگاہ سے رشد و ہدایت لیتا اور اسی کے آگے سرافگندہ ہوتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کو بھرپور طریقے سے تب ہی اپنانا ممکن ہو گا جب ہم اسلامی معاشرے کا ایک جامع نظام کا حصہ ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے میں بہت حد تک غیر اسلامی روایات کی پاسداری کی جاتی ہے اور لوگوں نے غیر اسلامی زندگی بسر کرنے کے لیے بہت سارے حیلے بہانے تلاش کر رکھے ہیں۔

---

(۱) معالم في الطريق، سيد قطب، دار الشروق الطبعة السادسة ۱۹۷۹ء، ص:۸

قرآن وحدیث کی تعلیم

قرآن مجید علم وہدایت کا سرچشمہ ہے دُنیاوی تعلیم کے ساتھ ہائر سکول کی سطح پر تعلیم قرآن کا بندوبست ہونا چاہیے اس سلسلے میں ہائر سیکنڈری اور یونیورسٹی کی جماعتوں میں طلباء وطالبات میں کم از کم اتنی اہلیت پیدا کر دینی چاہیے کہ نہ صرف وہ دیکھ کر قرآن مجید پڑھ سکیں بلکہ اس سطح کے بچوں میں قرآن فہمی اتنی بڑھ جائے کہ وہ قرآن کی تلاوت کے ساتھ مفہوم کو بآسانی سمجھ سکیں۔

ناظرہ قرآن کا جو پروگرام ابتدائی سطح پر شروع کیا گیا تھا اب اس کی توسیع ہائر سیکنڈری اور یونیورسٹی کی سطح پر شروع ہونی چاہیئے۔ طلبہ وطالبات کو قرآن کی تفہیم عربی متن سے دی جائے کیونکہ کوئی بھی بہترین ترجمہ قرآن مجید کا نعم البدل نہیں بن سکتا۔ اور ہر زبان کا اپنا احساسِ بیان ہوتا ہے ہر زبان کے الفاظ وجملے، خوشی وغمی کی ترجمانی کے جذبات، دوسری زبان سے مختلف ہوتے ہیں۔لہذا یہاں بھی قرآنی تعلیم میں عربی زبان کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے طریقہ کار وضع کیا جائے تاکہ اس سطح کے بچوں میں تصورِ مذہب واضح ہو سکے اور ان کے ذہنوں میں ابہام پیدا نہ ہوں۔

حدیث اسلام کا دوسرا اہم ترین ماخذ ہے مگر ہمارے نصاب میں احادیث کو مناسب مقام حاصل نہیں۔ صرف چند احادیث کا میٹرک اور انٹر کے نصاب میں شامل کر لینا کافی نہیں۔ اور کہیں بھی مستقلاً احادیث سے لازمی یا اختیاری لیول پر اس کو داخل نصاب کرنے کی سعی نہیں ہوئی، حالانکہ احادیث کی تدریسی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ احادیث کی معتبر کتب سے منتخب احادیث کو تعلیم کی ترویج کا حصہ بنایا جاسکتا ہے اور اس سطح کے بچوں کے نصاب کو موثر بنانے کے حوالے سے اطلاقی وتجزیاتی طریقہ کو اپنانا چاہیئے اور کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر حدیث وفقہ کی اطلاقی مباحث کے ایسے سیمنار ہونے چاہیے جس سے طلباء کے اقدار میں صحت مندانہ بالیدگی فکر بیدار ہو سکے اور اسی سے علم حدیث کا مطالعہ صحیح معنوں میں ہو سکتا ہے اور ہم غیر اسلامی رسومات اور ان نتیجے میں پیدا ہونے والے توہمات سے بچ سکتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ».[1]

ترجمہ: حصولِ علم تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

دراصل کج فہمی سے معاشرے میں تمام قبیح رسوم و رواج جنم لیتے ہیں اس لیے معاشرے کو تعلیم یافتہ بنانا فرسودہ رسومات و رواج کے خاتمے کا زینہ ہے۔ ہر مثبت تعلیم خواہ اس کا تعلق تعمیرِ اخلاق اور کائنات کی ترقی و تسخیر سے نتیجتاً وہ

---

(۱) سنن ابن ماجه،افتتاح الكتاب في الإيمان و فضائل الصحابة و العلم، في باب فضل العلماء و الحث على طلب العلم؛ حديث نمبر: ۲۲٤، ۸۱/۱، [حكم الألباني]صحيح

اسلامی تعلیم ہے۔ نیز دین کی اکملیت ہے کہ اس کا ہر پہلو امت کے سامنے پریکٹیکل کرکے دکھایا گیا ہے، رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو مبعوث کرنے کا مقصود اعلیٰ بھی یہی تھا۔

مولانا ابوالاعلی مودودی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ نے کلام الٰہی میں مجمل احکامات اور ہدایات دیے یا چند اصول بیان کرکے یا اپنی پسند وناپسند کا اظہار کرکے معاملہ رسول کریم ﷺ کی سنت کے ساتھ وابستہ کر دیا کہ وہ نہ صرف لفظاً اس قانون کی ہیئت کو واضح کریں ے بلکہ عملاً اسے زندگی کا لازمی حصہ بنا دیں کر اس کے مطابق کام کرے کے بھی دکھائیں۔(۱)

اس عہد زریں کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دین حنیف کے مطابق زندگی بسر کی اور دورِ ماضی میں ایک عرصہ تک صرف اسی وجہ سے دنیا پر حاکم رہے کہ انہوں نے اس دین کی درست تعلیمات کو اپنی زندگی کا حصہ بنا ڈالا۔ آج کے دور میں بھی مسلمان اپنی زندگی سے غیر اسلامی اثرات کو زائل کرنے اور توہمانہ رویوں سے چھٹکارا پانے کے لیے صرف حقیقی اسلامی تعلیمات کا سہارا لے سکتے ہیں۔

اسلامیات کو الگ مضمون تو پڑھایا جاتا ہے لیکن باقی مضامین میں دین کے تحت کوئی واضح خاکہ موجود نہیں اس کا تعلیمی نظام پر اثر یہ ہوا کہ طلبہ دین اور دنیا کو فرق محسوس کرتے ہیں اس بنا پر دنیوی زندگی دین سے بالکل بے گانہ اور جداگانہ متصور ہوتی ہے۔ آج دین و دنیا کو باہم متصادم باور کیا جاتا ہے، در حقیقت یہ تفریق نہ تو ہمارے علمی اداروں کا فیض ہیں اور نہ ہی ہمارے دین کی عطا بلکہ ہمارا دین تو اسلام کی بنا پر زندگی کے ہر مرحلے کو تشکیل دینے کا پرزور داعی ہے جس کے نتیجے میں کسی مسلمان کا دین کی روشنی میں دُنیوی زندگی کی اصلاح کے لئے اُٹھایا جانے والا ہر قدم بھی آخر کار دین ہی ٹھہرتا ہے۔ اس بنا پر علماء کو مسلم معاشروں کی عمرانی ساخت پر نظر رکھتے ہوئے اجتماعی شعور کو اجاگر کرنا چاہیئے۔

عام تعلیم کے ساتھ اسلامیات کے مضمون کا ایک پیوند لگانے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ایسا کرنے سے توہمانہ اور جاہلانہ تصورات ختم نہیں ہوں گے۔ حق تو یہ ہے کہ دینی اقدار کو تعلیم اور نصابِ تعلیم کی روح قرار دے کر اسے ہر شعبہ تعلیم میں شامل کیا جانا چاہیئے۔

نظام تعلیم میں بہت بڑا سقم ہے کہ قرآنی تعلیم سے پہلو تہی برتی گئی ہے۔ ابتدائی سطح سے لے کر اعلیٰ سطح تک قرآن تعلیم کو منظم طریقے سے متعارف نہیں کرایا گیا۔ علاوہ ازیں اس میں ربط و تسلسل کی کمی بھی شروع سے آخر تک موجود رہتی ہے۔ امر مطلوب ہے کہ ہم قرآنی تعلیم کو نصابی سرگرمیوں کا حصہ بنائیں جس پر عمل کرتے ہوئے ہم اپنے معاشرے کو صحیح

---

(۱) سنت کی آئینی حیثیت، ابوالاعلی مودودی، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، گیارہویں اشاعت، جولائی ۱۹۸۷ء، ص:۸۷

معنوں میں ایک مثالی واسلامی معاشرہ بنا سکیں۔ ذیل میں اسلامی تعلیم کی ترویج کے لیے ایک عملی خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔ جو یقیناً اسلامی نظمِ تعلیم کے فروغ کے لیے مؤثر ہو سکتا ہے۔

عربی زبان کی تدریس

ہم اپنے افکار و خیالات اور احساسات دوسروں تک زبان کے ذریعہ سے پہنچاتے ہیں دنیا میں انگریزی کے بعد زیادہ بولی اور سمجھی گئی زبان عربی ہے۔ پھر یہ کہ خدا کا آخری کلام جو اس روئے زمین پر نازل ہوا وہ عربی زبان میں ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: بیشک ہم نے اس کو اتارا قرآن عربی تاکہ تم سمجھو۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی حکمت ورحمت کے مطابق اس کائنات کی ہدایت اور بھلائی کی خاطر اپنی آخری کتاب قرآنِ حکیم کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے، اور پھر اسے عام فہم اور سہل اُسلوب میں بیان کیا ہے تاکہ ہر عام وخاص اور عرب وعجم سبھی بآسانی پڑھ سکیں اور اس کے ارشادات اور احکام کو بآسانی سمجھتے ہوئے اُن پر عمل کر سکیں۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ عظیم نعمت ہے کہ اس نے نے قرآنِ حکیم سے پند وموعظت لینے کی دعوت دی ہے اور اسے نہایت آسان بنا کر پیش کیا ہے۔ عربی زبان کی غیر معمولی اہمیت ہے کیونکہ یہ اسلامی ثقافت اور تہذیب وتمدن کے ماحول میں پنپنے والے مفاہیم کو سمجھنے کا بنیادی ذریعہ ہے۔ ضروری ہے کہ ہم عربی زبان میں مہارت رکھتے ہوں۔ اس امر کی طرف توجہ دینی چاہیے اور پرائمری سطح ہی سے جس طرح اردو کا قاعدہ پڑھایا جاتا ہے بالکل اسی طرح سے عربی قاعدہ شامل نصاب کیا جانا چاہیئے۔ فہم عربی کورسز کا آغاز کیا جانا چاہیے جس میں اس قسم کی چھوٹی چھوٹی کتابیں شامل نصاب ہوں تاکہ بچے اردو کے ساتھ عربی سے بھی واقفیت رکھتے ہوں۔

اس سلسلے میں ہمارے ملک میں دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد کی خدمات قابل قدر ہیں جس کے زیر انتظام فہم دین کورسز اور دیگر کانفرنس کا بخوبی اہتمام کیا جاتا ہے ضرورت اس امر کی ہے ابتدائی سطح کے بچوں کے لیے اس پروگرامز کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے مختلف طبقہ ہائے فکر کے سکولوں کو بھی شریک عمل کیا جانا چاہیئے تاکہ اس عمل کو مزید موثر بنایا جاسکے۔ خاص طور پر ابتدائی سطح کے بچوں کو گرمی کی چھٹیوں کا جو کام دیا جاتا ہے وہ محض لکھنے اور نقل اتارنے کے علاوہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اگر حکومتی یا پھر سکولوں کی سطح پر بچوں کے لیے خاص ایسے پروگرامز لازمی کر دیے جائیں جس سے ان کی دنیاوی تعلیم کے ساتھ، دینی اور فکری نشوونما بھی ممکن ہو سکے۔

---

(۱) یوسف ۱۲:۲

تاریخ اسلام سے واقفیت

ثانوی اور اعلیٰ سطح پر جس مضمون کی ضرورت ہے وہ تاریخ اسلام ہے۔ مستند اسلامی تاریخ کی کتاب کو شامل نصاب کرنا چاہیے تاکہ نسل نو درست تاریخی تجزیہ سے آگاہ ہوتے ہوئے مستقبل کی تعمیر و ترقی میں شامل ہوسکے نیز اقوام کی ترقی کا دارومدار متوازن تعلیم پر ہوتا ہے۔ ترقی کے منازل کی طرف بڑھنا ہر قوم کا اولین مقصد ہوتا ہے اسے لیے ضروری ہے کہ اقوام کی تاریخ کے عروج وزوال کے بارے میں آگاہی ہو۔ ہمارے نوجوان کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اجتماعی فکر، مَشِیَّت الہی، قانونِ فطرت جیسے دیگر وہ کونسے عوامل ہیں جن کا کردار اقوام کی ترقی میں پنہاں ہیں۔ اور جہالت، اندھی تقلید، مفاد پرستی جیسے عوامل کس طرح معاشرے کے اخلاقیات کو تباہ کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید کا انبیا کے قصص کو بیان کرنے کا مقصد بھی، علت و معلول اور مکافات عمل جیسے عوامل کی نشاندھی کرنا ہوتا ہے چنانچہ ارشاد الہی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ [1]

ترجمہ: بلاشبہ پہلی قوموں (کے عروج وزوال) کی داستانوں میں (درسِ) عبرت ہے سمجھ داروں کے لئے۔ یہ قرآن (جس میں یہ قصے ہیں) کوئی تراشی ہوئی بات تو ہے نہیں (کہ اس سے عبرت نہ ہوتی)، بلکہ اس سے پہلے جو (آسمانی) کتابیں آچکی ہیں موافق ہے اس کے، اور ہر بات کی وضاحت نیز ہدایت اور رحمت کا سامان ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں۔

معلوم ہوا کہ انبیا کے واقعات اور دیگر تاریخی حقائق کو قرآن مجید محض قصہ و کہانی کے طور پر بیان نہیں کرتا بلکہ ان واقعات کو انسان کی ہدایت و عبرت کے لیے ذکر کی جاتا ہے۔

محمد مظہر الدین صدیقی لکھتے ہیں:

"کافر کائنات پر کسی ایک قانون کی فرمانروائی تسلیم نہیں کرتے بلکہ ہر واقعہ کو ایک جداگانہ علت کا اور ہر حادثہ یا انقلاب کو کسی جزئی مَشِیَّت کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ واقعات فطرت اور انقلابات تاریخ میں جو عمومی مَشِیَّت اور عالمگیر قانون کارفرما ہے اس تک ان کی نظر نہیں پہنچتی، اسی وجہ سے وہ کثرت پرستی اور شرک میں مبتلا رہتے ہیں" [2]

---

(۱) یوسف ۱۲:۱۱۱

(۲) اسلام کا نظریہ تاریخ، محمد مظہر الدین صدیقی، مکتبہ جمال لاہور، ۲۰۰۹ء، ص:۳۷

انسان اپنے ماضی کا اسیر ہے، بالخصوص ابتدائی تعلیمی ماحول میں بسر ہوئے ماہ سال اور بچپن کی کتب بینی، بچپن میں انسان کی سیکھنے کی صلاحیت انتہائی تیز ہوتی ہے اور علم کے کسی شعبہ میں سب سے پہلا جو تعارف اسے حاصل ہوتا ہے، وہ اس کے دل و دماغ میں جڑ پکڑ جاتا ہے۔ لہذا ابتدائی عمر سے ہی تاریخ کے اس تجزیاتی مطالعہ سے درست ثقافت، قدروں سے شناسائی ہوگی اور نسل نو معاشرے سے توہمانہ رسومات کو پنپنے کی روک تھام میں آہنی دیوار کا کام دے گی۔ نیز تاریخ کے ساتھ ساتھ سیرت النبی کی جامع تعلیم سے بھی رہنمائی ہونی چاہیئے۔ نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ میں ہمارے لیے مکمل راہنمائی پوشیدہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ...﴾ (۱)

ترجمہ: تمہارے لیے اللہ کے رسول بہترین نمونہ ہیں۔

مبحث ثانی: اسلامی تربیت کی فراہمی

قرآن کریم کی تعلیمات سے یہ حقائق واضح ہو جاتے ہیں کہ قرآنی تعلیمات کا بنیادی مقصد کردار سازی اور تربیتِ انسان ہے۔ اور اس تربیت کا محور انسان کی صالحیت ہے جو اپنے حقیقی مفہوم میں خدائے تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کرنے والا ہو۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (۲)

ترجمہ: اور میں نے جن اور آدمی محض اپنے بندگی کے لیے بنائے ہیں۔

اور وہ انسان حکم الٰہی کا سچا پیروکار ہو۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (۳)

ترجمہ: پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تم تک پہنچے جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں کسی خوف اور رنج نہ ہوگا۔

درحقیقت قرآنی تعلیمات کا مقصد پورے انسان کی تربیت ہے۔ قرآن کے نزدیک مادی اور روحانی زندگی میں گہرا تعلق ہے اس لیے قرآن انسان کے جسم و عقل اور روح تینوں کی نشو و نما میں توازن اور ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ (۴)

---

(۱) الاحزاب۳۳:۲۱

(۲) الذاریات۵۱:۵۶

(۳) البقرۃ۲:۳۸

(۴) دیکھیے: قرآن سے انٹرویو، ایم رفیق چوہدری، مکتبہ دارالھدیٰ کراچی، طبع:۲۰۰۳ء، ص:۱۱۱

تعلیمی اداروں کو بھی اپنی تعلیم و تربیت کو ہمہ گیر کرنا ہو گا۔ نظامِ تعلیم کا دائرۂ عمل پورا معاشرہ ہے، اداروں میں کردار کی محدودیت کی بجائے اُسوۂ حسنہ سے روشنی پا کر اپنا کردار متعین کرنے کی صلاحیت ہر طالب علم میں ہونی چاہیئے۔ ہمارے نظامِ تعلیم میں عبادات، باہمی اختلافات اور مذہبی رسوم و رواج کی تعلیم پر اکتفا کرنے کی بجائے پورے اسلام کی تعلیم دی جائے اور طلبہ کو نبی اکرم ﷺ کے مکمل شخصی اور اجتماعی کردار سے روشناس کرایا جائے۔

روحانی و عقلی تربیت

روحانی تربیت سے مراد ہے وہ تربیت ہے جو دل کی منتشر قوتوں کو یکجا کے انسان کو صالح عمل پر مجبور کرے انبیا کی دعوت کا مرکز و محور روحانی تربیت کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ اچھی تربیت کا انسان پر اچھا اثر پڑتا ہے اور بری تربیت کا ہمیشہ برا نتیجہ نکلتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ وَٱلْبَلَدُ ٱلطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُۥ بِإِذْنِ رَبِّهِۦ ۖ وَٱلَّذِى خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ ٱلْءَايَٰتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴾ (۱)

ترجمہ: اور زمین پاکیزہ اس کی کھیتی اپنے امر رب سے نکلتی ہے اور جو زمین خراب ہو گئی ہو اس سے ناتمام پیداوار کے علاوہ نہیں نکلتا۔ اس طرح ہم آیتوں کو شکر گزاروں کیلئے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔

اس آیت میں قبولیتِ صالحیت کے سلسلے میں مومن اور کافر کی عمدہ مثال کو پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت یکساں آتی ہیں مومن کے دل پر اثر کر جاتی ہے اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے جبکہ کافر کے پاس جب ہدایت پہنچتی ہے تو وہ قبول نہیں کرتا۔

> "قرآن کا مقصد انسان کامل کی تیاری ہے جس میں روح کی تیاری سرفہرست ہے۔ قرآن نے روحانی زندگی کے ارتقا کے لیے ذکر و فکر، عبادت اور تلاوت کو ضروری ٹھرایا اور اعلیٰ اخلاق و اوصاف سکھائے ہیں۔"(۲)

عقل انسان کے لیے بہت بڑی نعمت خداوندی ہے جس کا کام میں نہ لانا ناشکری اور کفران نعمت ہے۔ قرآن ہر انسان کو کائنات میں غور و فکر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کا مشاہدہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

---

(۱) الأعراف ۷:۵۸

(۲) قرآن سے انٹرویو، ص:۱۱۱

﴿ إِنَّ فِي خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفِ ٱلَّيْلِ وَٱلنَّهَارِ وَٱلْفُلْكِ ٱلَّتِي تَجْرِي فِي ٱلْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ ٱلنَّاسَ وَمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مِن مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ ٱلْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيفِ ٱلرِّيَٰحِ وَٱلسَّحَابِ ٱلْمُسَخَّرِ بَيْنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ لَءَايَٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴾ (۱)

ترجمہ: آسمان اور زمین کی بناوٹ اور رات دن کی تبدیلی، اور کشتی جو لے کر چلتی ہے دریا میں جو چیزیں لوگوں کو کام آئیں، اور وہ جو پانی اللہ نے آسمان سے اتارا، پھر اس سے زمین کو بعد از مرگ جلایا (ترو تازہ کیا)، اور پھیلا دیئے زمین میں تمام قسم کے چلنے پھرنے والے جانور اور ہواؤں کے گردش کرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں ان میں نمونے ہیں عقلمند لوگوں کو۔

"شریعت کی حکمتیں قرآن واضح کرتا ہے اور اندھی تقلید سے روکتا ہے۔ قرآن کے نزدیک کسی معاملے میں علم و یقین کی جگہ محض وہم گمان سے کام لینا صحیح نہیں، قیامت کے دن ہر شخص سے اس کی عقل کے عدم استعمال یا غلط استعمال پر مواخذہ ہو گا۔" (۲)

مسلمان بچپن کی عمر اگر قرآنِ کریم اور اسلامی تربیت کے سائے میں گذارتے ہیں۔ تو ان کے ذہنوں اور حافظے میں قرآنی الفاظ، محاورے اور سیرت کے واقعات محفوظ ہو جاتے ہیں۔ نیز ان کی آنکھوں میں قرآنی الفاظ اور جملوں کی کتابت کی شکلیں مرتسم ہو جاتی ہیں۔ نیز بعض اوقات انسانی بداعمالیوں اور گمراہیوں کی وجہ سے انسان کی ذاتی صلاحیتیں کمزور پڑھ جاتی ہیں سبب اس کہ وہ حق وہدایت سے مکمل انتفاع بھی حاصل نہیں کر سکتا لہذا انسان کی کردار سازی کے اس عمل میں قرآن اور نبوی طریقہ کار سے مدد لی جاسکتی ہے تاکہ وہ مفید سماجی سرگرمیوں میں صحیح طور پر حصہ لے سکے۔

جذبات واحساسات کی تربیت

قرآن کا مقصود انسان کی ذاتی و اجتماعیت حیات کو کامیاب بنانا ہے۔ قرآن انسان کو ایک ایمانی، اخلاقی اور روحانی طور پر دیکھتا ہے انسان کو دیکھا جائے تو وہ مانندِ زنجیر ہے جس کا ہر جوڑ اہمیت کا حامل ہے۔ ایک جوڑ کا ٹوٹنا زنجیر کی تباہی کا باعث بنتا ہے اسی طرح انسانی وجود کی ہر خاصیت اہم ترین ہیں۔ اگر ہم دورِ نبوت اور خلافت راشدہ کے زریں عہد کا تجزیہ کریں تو بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اس دور کے معاشرے میں مسلمان ایمان، جذبات، اخلاق، اور افکار کے اعتبار سے مفید شہری تھے۔ یہ قرآن کریم کی تربیت کا معجزہ تھا کہ صحابہ کرام کی جذباتی اور اخلاقی تربیت میں وہ شعور موجود تھا کہ وہ نظریات اور عقائد

---

(۱) البقرۃ ۲:۱۶۴

(۲) قرآن سے انٹرویو، ص:۱۱۲

وافکار کے ساتھ دین کے جملہ احکام پر مکمل عمل پیرا تھے۔ جذبات واحساسات کی تربیت نے صحابہ کرام کو دنیا کے مصائب برداشت کرنے میں بلند حوصلہ عطا کر دیا تھا جس کے باعث وہ ایمانی اعتبار سے کسی مقام پر بھی لرزاں نہیں ہوئے۔

"قرآن کا مقصد انسان کے جذبات اور علم وشعور کی آبیاری کرنا بھی ہے، قرآن کا مقصد انسان کو صرف اللہ کا خوف سکھانا ہے اور باقی ہر قسم ہے خوف سے (مثلاً موت کا خوف، غریبی کا خوف) اور موہوم خطرات سے نجات دلانا ہے۔ قلوب انسانی میں دنیاو آخرت کی ابدی نعمتوں کی نشو نما کرنا ہے تاکہ انسان ان تعلیمات کی روشنی میں حق وباطل، توہمات، اور رسوم رواج سے بچ سکے اور ان سے احتیاط برتے۔"(۱)

مذہبی اعتقادات اور اعمالِ صالحہ سے علاج معالجہ کرنے اور ان سے شفاء حاصل ہو جانے کی تائید مخصوص ادعیہ واذکار سے ہوتی ہے نیز جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑنے کی ہدایات ونصیحت کی گئی ہے۔ انسان کو لاحق ہونے والی بعض بیماریوں کی تشخیص اور علاج بھی مذہبی اعمال کے ذریعہ سے ممکن ہے۔

مثلاً بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ انسان کے لیے کچھ اشیا کا حصول معلّق مقدر کیا گیا ہے۔ بعض مشکلات اور امراض کو دعاؤں کے ذریعے سے ٹالا جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے دعاء کو مسلمان کے لیے ہتھیار بتایا کہ اس سے خدائے تعالیٰ اپنے بندوں سے کئی مصائب کو دور کر دیتا ہے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں:

«لاَ يَرُدُّ القَضَاءَ إِلاَّ الدُّعَاءُ، وَ لاَ يَزِيدُ فِي العُمْرِ إِلاَّ البِرُّ».(۲)

ترجمہ: انسان کے مقدر کو صرف دعاء کے واسطے سے دور کیا جاسکتا ہے، اور عمر میں اضافہ نیکی سے ممکن ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا قول منقول ہے فرمایا:

«دَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ، وَ حَصِّنُوا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكَاةِ، وَ أَعِدُّوا لِلْبَلَاءِ الدُّعَاءَ».(۳)

ترجمہ: اپنے امراض کا مداوا صدقات وخیرات کرنے سے کرو، اور اپنے اموال کو محفوظ بناؤ زکوۃ کی ادائیگی کے ساتھ، اور مصیبتوں کے لیے دعاء کو (بطور ہتھیار) تیار رکھو۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) قرآن سے انٹرویو، ص:۱۱۳

(۲) سنن الترمذی، كتاب القدر، باب ما جاء لا يرد القدر إلا الدعاء، حديث نمبر:۲۱۳۹، ٤٤٨/٤، [حكم الألباني]:حسن

(۳) السنن الكبرى للبيهقي، أحمد بن الحسين أبوبكر البيهقي (المتوفي:٤٥٨ھ) دار الكتب العلمية بيروت، الثالثة، ١٤٢٤ھ، حديث نمبر:٦٥٩٣، ٥٣٦/٣

«مَنْ فُتِحَ لَهُ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ، وَ مَا سُئِلَ اللَّهُ شَيْئًا يَعْنِي أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يُسْأَلَ العَافِيَةَ؛ وَ قَالَ: إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ، فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللهِ بِالدُّعَاءِ».[۱]

ترجمہ: جس کے دعا کے دروازے کھولے گئے اس کے لئے بابِ رحمت کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک عافیت مانگنا ہر چیز مانگنے زیادہ محبوب ہے اور فرمایا دعا اس مصیبت کے لئے بھی فائدہ مند ہے جو نازل ہو چکی ہے اور اس کے لئے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی، لہذا اے اللہ کے بندو دعا کو لازم پکڑو۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ[۲] لکھتے ہیں:

"إن الدعاء ينفع مما نزل أي من بلاء نزل بالرفع إن كان معلقا وبالصبر إن كان محكما فيسهل عليه تحمل ما نزل به فيصبره عليه أويرضيه به حتى لا يكون في نزوله متمنيا خلاف ماكان بل يتلذذ بالبلاء كما يتلذذ أهل الدنيا بالنعماء ومما لم ينزل أي بأن يصرفه عنه ويدفعه منه أويمده قبل النزول بتأييد من يخف معه أعباء ذلك إذا نزل به".[۳]

ترجمہ: حدیث میں "ممّا نزل" سے مراد ایسی آفتیں اور بلائیں ہیں جو لٹکی ہوتی ہیں ان کو دعاء کی برکت سے ختم کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ واقع ہو چکی ہوں یا ان کا ظہور ہونا متعین ہو تو ان کو جھیلنے کی استعداد آ جاتی ہے۔ وہ ان مصائب پر صبر و استقامت کا عملی مظاہرہ کرتا ہے حتی کہ اس امر کے خلاف کی خواہش نہیں کرتا بلکہ ان مصائب سے تلذذ حاصل کرنے لگتا ہے جس طرح دنیا والے نعمتوں بہرہ مند ہوتے ہیں۔ "ومما لم ینزل" مدعا بیان ہے کہ اس مصیبت کی حقیقتِ صوری کو رفع کر دیا جاتا ہے یا پھر مصیبت کو واقع کرنے سے پہلے اسے برداشت کرنے کا کوئی وسیلہ رکھ دیا جاتا ہے۔

دیگر احادیث سے یہی فکر مؤکد ہوئی ہے کہ آدمی کی خوش بختی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے وتقدیر کے ساتھ راضی رہے۔ اللہ کے وضع کردہ مقدر کے ساتھ راضی واطمینان ہونے کو نیک بختی کہا ہے کہ اس سے مصائب ومشکلات کی شدت احساس میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اور ایسے اعمال کے ذریعے انسان خود کو ذہنی طور پر کم دباو میں محسوس کرتا ہے اور رب تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو سپرد کرنے کے بعد توہمات اور بے چینیاں اس کے قریب نہیں آتیں۔

---

(۱) سنن الترمذي، أبواب الدعوات، حديث نمبر:۳۵۴۸، ۵/۴۴۴،قال أبو عيسى: هذا حديث غريب

(۲) مبارکپوری، عبد الرحمٰن، محدث جید عالم فقیہ اور مفتی تھے۔ (۱۸۶۷ء-۱۹۳۵ء) اساتذہ میں نذیر حسین محدث دہلوی اور علامہ شمس الحق عظیم آبادی شامل ہیں۔ مشہور کتابوں میں تحفۃ الاحوذی، شرح جامع ترمذی، نور الابصار وغیرہ شامل ہیں۔ (مقدمة: تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذی، عبدالرحمن مباركپوری، دارالفكر، بیروت، ص: ۱/۳)

(۳) تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي، محمد عبد الرحمن المباركفورى، دار الفكر بيروت، طبع ۲۰۰۸ء، ۹/۳۷۴

آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللَّهُ لَهُ، وَ مِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللهِ، وَ مِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهُ بِمَا قَضَى اللَّهُ لَهُ». (۱)

ترجمہ: آدمی کی خوش بختی یہ ہے کہ وہ اس تقدیر پر راضی رہے جس کا انتخاب رب تعالیٰ نے اس کے ساتھ وابستہ کیا ہے نیز آدمی کی بد بختی کی پہچان یہ ہے، وہ اللہ سے استخارہ نہیں کرتا۔ اور آدمی کی بد بختی ہے کہ وہ اللہ کی قضاء پر ناراضگی کا اظہار کرے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ حدیث کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ کس طرح تقدیر پر راضی نہ رہنے والا توہمات اور بے چینی کا شکار ہو جاتا ہے۔

" أي الرضا بقضاء الله، و هو ترك السخط علامة سعادته. و إنما جعله علامة سعادة العبد لأمرين؛ أحدهما: ليتفرغ للعبادة؛ لأنه إذا لم يرض بالقضاء، يكون أبدا مهموما مشغول القلب بحدوث الحوادث، ويقول: لم كان كذا ولم لا يكون كذا؟ والثاني: لئلا يتعرض لغضب الله تعالى بسخطه. و سخط العبد أن يذكر غير ما قضى الله له". (۲)

ترجمہ: رضا بالقضاء کو نیک بختی کی خصوصیت شمار کیا گیا ہے (مصائب پر آزردگی کا اظہار نہ کرنا) دو وجہ سے بندے کے لیے خوش بختی کا سبب بنتا ہے۔ ایک یہ کہ بندہ کو عبادت کے لیے فرصت مل سکتی ہے کیونکہ جب وہ قضاء پر راضی نہ ہو گا تو پھر غمگین ہو گا اور وہ قلبی طور پر پریشان حال ہو گا اور وہ یہ کہے گا کہ ایسا کیونکر ہوا، ایسا کیوں نہ ہوا؟

دوسری وجہ: رضاء بالقضاء خدا کے قہر و غضب سے بچاتی ہے نیز بندے سے ناراضگی کا مدعا ہے کہ وہ تقدیر کے برعکس کا ذکر کرتا رہے۔

مذہبی راہنماؤں اور اساتذہ کی تربیت

سکول یا مدرسہ بچے کی تعلیم و تربیت کا پہلا رسمی ادارہ ہوتا ہے مدرسہ میں تعلّم کا عمل استاد اور تلمیذ کے مابین طے پاتا ہے اور اس سے معاشرہ اجتماعی شعور کی جانب بڑھتا ہے۔ لہذا معاشرہ کی تشکیل میں باصلاحیت اور صاحبِ علم حضرات اساسی کردار رکھتے ہیں۔ کیونکہ معاشرہ دراصل انہی لوگوں کا نام ہے اور انہی کے نقش قدم پر چلتا ہے۔

---

(۱) سنن الترمذی، أبواب القدر، باب ما جاء في الرضا بالقضاء، حديث نمبر: ۲۱۵۱، ٤/٢٤، [حكم الألباني]: ضعيف

(۲) الكاشف عن حقائق السنن، شرف الدين الحسين بن عبد الله الطيبي (٧٤٣هـ)، مكتبة نزار مصطفى الباز، الأولى، ١٤١٧هـ، ١٠/٣٣٣٨

استاد کی تربیت گویا پوری قوم کی تربیت ہے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اسلامی اقدار و اذہان کے حامل اساتذہ کا تقرر معاشرے سے جاہلانہ رسومات کے خاتمے کا ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ مذہبی تصورات اور معاشرتی رسوم کی خرابی کی وجہ مذہبی راہنماؤں اور اساتذہ کا علمی و فکری جمود ہے۔ کچھ مذہبی رہنما حقیقی قرآنی تعلیمات سے صحیح معنوں میں واقف نہیں وہ اپنے خطبات میں صرف فروعی مسائل اور غیر ضروری امور پر بحث کرتے نظر آتے ہیں۔

امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ[1] کے تجزیے کے مطابق:

"مسلمانوں کی اگر موجودہ حالت کا جائزہ لیا جائے اور حق بات کی جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسلمان علوم سفلیہ کی لعنتوں میں گرفتار ہیں مشرکانہ بدعتوں کا شکار ہیں... دینی معاملات میں اللہ کی ہدایت کی تلاش اور طلب مفقود ہے مختلف فرقے اپنے اپنے اماموں کی عصبیت کا شکار ہیں... آج مسلمانوں خدا اور رسول ﷺ کی خیر خواہی سے زیادہ اپنی خیر خواہی مطلوب ہے۔"[2]

علم بغیر تربیت مکمل نہیں ہو سکتی۔ تربیت کے بغیر فرد معیاری فرد نہیں بن سکتا۔ معیاری فرد کے بغیر معیاری خاندان وجود میں نہیں آسکتا۔ معیاری خاندان کے بغیر معیاری معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔ نتیجتاً معاشرہ کو قابل اَذہان بڑی تعداد میں میسر آسکتے ہیں۔ اور فطری و دینی ضروریات کے تحت معاشرہ کی تشکیل کرنے والے محبِ دین دستیاب ہو سکتے ہیں۔ بالعکس معاشرے میں مذہبی طبقے نے دین کو الجھا کر پیش کر رکھا ہے۔ معاشروں کی ہمہ جہتی اصلاح ایک عظیم کام ہے، لیکن ایسا اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک علمائے کرام کے مطلوبہ معاشرتی کردار کے بارے میں سنجیدگی سے غور و فکر نہ کیا جائے۔

وعظ و نصیحت کا اہتمام

معاشرے سے توہم پرستی کو ختم کرنے کے لیے وعظ و نصیحت کا طریق و اسلوب اہم ترین ہے۔ اس طرح کا اسلوب کہ جو قرآن کریم نے بتایا ہے اور آپ ﷺ نے عملاً اس کا مظاہرہ کر کے دکھایا ہے۔ جبر و استبداد اور طاقت کے ذریعے معاشرتی کجی اور برائی کو درست کرنا ٹھیک نہیں بلکہ اس کا بہتر ذریعہ وعظ و نصیحت ہے۔

تبلیغ دین اور وعظ و نصیحت اللہ تعالیٰ اور نبی آخر الزمان ﷺ کا انتہائی پسندیدہ عمل ہے۔ اس بے مثال مشن کے بے پناہ فوائد و ثمرات قرآن مجید اور احادیث بنویہ سے پتہ چلتے ہیں۔

---

(۱) اصلاحی، مولانا امین احسن (۱۹۰۴ء-۱۹۹۷ء) مدرسہ فراہی کے ایک جلیل القدر عالم دین، مفسر قرآن اور ممتاز ریسرچ سکالر تھے آپ امام حمید الدین فراہی کے تلمیذ خاص اور انکے افکار و نظریات کے ترجمان تھے۔ [مقالہ نگار]

(۲) حقیقت دین، امین احسن اصطلاحی، مرکز انجمن خدام القرآن لاہور۔ ۱۹۷۳ء، ص: ۱۲۳-۱۲۷

قرآن میں ارشاد ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (۱)

ترجمہ: اور تم میں سے ایک امت ضرور ہونی چاہیے جو دعوت دیتے ہوں خیر کی طرف، اور حکم کرتے ہوں معروف (پسندیدہ) کاموں کا اور منع کرتے ہوں برے کاموں سے، اور وہی لوگ بامراد ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ...﴾ (۲)

ترجمہ: اے نبی حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے اپنے رب کی راہ کی طرف بلایئے نیز ان سے ایسے طریقے پر بحث کیجیے جو نہایت حسین ہو۔

قرآن کے اوصاف میں سے یہ نمایاں وصف ہے کہ یہ اہل ایمان کے ساتھ ساتھ کفار و مشرکین کو بھی انتہائی دلکش انداز میں وعظ نصیحت فرماتا ہے۔ قرآن کا انداز وعظ و نصیحت بہت ہی دلنشین اور خوبصورت ہے جس سے حق و باطل کے مابین تفریق ہو جاتی ہے کہ کسی طرح کا شک باقی نہیں رہتا اور انسان پوری روشنی میں راہ حق پر گامزن ہو جاتا ہے، قرآن کا یہ اسلوب وعظ و نصیحت عصر حاضر میں توہم پرستی اور نفسیاتی اُلجھنوں کو ختم کرنے کے لیے بھی از حد مفید اور ضروری ہے۔

بلکہ قرآن نے وعظ و نصیحت کرنے کو مؤمن کی صفت قرار دیا ہے:

﴿التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۳)

ترجمہ: یہ مؤمنین (جنہوں نے اللہ سے اُخروی سودا کر لیا ہے) توبہ کرنے والے، عبادت گزار، اللہ کی حمد و ثنا کرنے والے، دنیوی لذتوں سے کنارہ کش، روزہ دار، (خشوع و خضوع سے) رکوع، سجود کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم دینے والے ہیں، اور بری باتوں سے روکنے والے ہیں اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور ان اہل ایمان کو خوشخبری سنا دیجیے۔

وعظ و نصیحت سے اصلاح معاشرہ نہ صرف ممکن بلکہ کئی مواقع پر وعظ و نصیحت فریضہ بن جاتا ہے۔ فردِ واحد کی اصلاح سے قوم و معاشرہ درستی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب افراد صالح ہوں گے تو معاشرہ خود بخود دیکھ کر صالح بن جائے گا۔

---

(۱) آل عمران ۳:۱۰۴

(۲) النحل ۱۶:۱۲۵

(۳) التوبۃ ۹:۱۱۲

"دراصل اصلاح معاشرہ ایک ایجابی عمل ہے جو کائنات میں مثبت قدروں کو فروغ دیتا ہے وہ زندگی کے قدم کو آگے بڑھانے کے لیے راستہ کو زیادہ صاف اور روشن بناتا ہے۔ وہ دنیا میں ایک فعال معاشرہ کو جنم دیتا ہے اور جامد سوسائٹی کے تصور کو مٹاتا ہے۔ اصلاح معاشرہ کے باب میں ہے کہ اصلاح معاشرہ کی خاطر قرآن زندگی کے تمام شعبوں میں عدل و توازن برقرار رکھنے پر زور دیتا ہے یعنی جس طرح نہ چاند سورج کو دوڑ کر پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے۔ تمام اپنے دائرے میں چل رہے ہیں۔ انسانی سوسائٹی کے بھی چند آداب ہیں اور ان آداب کو ملحوظ رکھ کر ہی معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے۔"(۱)

آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَ اللَّهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللَّهُ بِهُدَاكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ».(۲)

ترجمہ: خدا کی قسم تیری راہنمائی سے اگر اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو ہدایت عطا فرمائیں تو یہ عمل تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ خیر و برکت ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

«بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَ إِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَ النُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ».(۳)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے دست اقدس پر نماز کے قیام، زکوۃ کی ادائیگی اور ہر مسلمان کو نصیحت کی خاطر بیعت کی۔

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ قَبْلَ الصَّلَاةِ مَرْوَانُ. فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ، فَقَالَ: الصَّلَاةُ قَبْلَ الْخُطْبَةِ، فَقَالَ: قَدْ تُرِكَ مَا هُنَالِكَ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ؛ أَمَّا هَذَا فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ».(۴)

---

(۱) محاضرات القرآن، ڈاکٹر سید وقار رضوی، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۹۹ء، ص: ۵۰۴

(۲) سنن أبي داود، فی کتاب العلم، فی باب فضل نشر العلم، حدیث نمبر: ٣٦٦١، ٣/٣٢٢، [حکم الألباني]: صحيح

(۳) سنن الترمذی، فی ابواب البر و الصلة، حدیث نمبر: ١٩٢٥، ٤/٣٢٤، [حکم الألباني]: صحيح

(۴) صحيح مسلم، فی کتاب الإيمان، باب بيان کون النهي عن المنكر من الإيمان...، حدیث نمبر: ٤٩، ١/٦٩

ترجمہ: طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ[1] فرماتے ہیں کہ پہلا شخص جس نے نماز عید سے پہلے خطبے کی ابتدا کی، مروان تھا۔ ایک آدمی مروان کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہا: "نماز خطبے سے پہلے ہے؟" مروان نے جواب دیا: جو طریقہ (یہاں پہلے) تھا، وہ ترک کر دیا گیا ہے۔ اس پر ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: اس انسان نے (جس سے صحیح بات کہی تھی) اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے۔ میں نے نبی کریم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ سے سنا، آپ ارشاد فرما رہے تھے: جو شخص تم میں سے کوئی بات شریعت کے خلاف دیکھے تو لازم ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے تبدیل کر دے۔ ایسا ممکن نہ ہو تو ایسا زبان سے کرے۔ اگر اس کا بھی امکان نہ رہے تو برائی کو دل میں بُرا خیال کرے۔ مگر یہ ضعیف ترین ایمانی درجہ ہے۔

اسلامی تہذیب وثقافت کی ترویج وترقی

اسلامی ثقافت دنیا کی وہ واحد ثقافت ہے جس کی بنیاد براہ راست وحی پر ہے۔ عقیدے، سماجی اقدار اور انفرادی و اجتماعی اصولِ حیات کی بنیادی اقدار کی رہنمائی محفوظ ہے اسلامی ثقافت کا منبع و مصدر ذات باری تعالیٰ ہے جبکہ دیگر ثقافتیں انسانی عقل کی پیداوار ہیں۔ اس میں انسانی فطرت کے تمام تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

گلوبلائزشن کی فکر میں درپردہ نئی نسل فیشن اور Civilization کے نام پر غیر اسلامی تہذیب کو اختیار کرتی جارہی ہے اور اندھی تقلید کی وجہ بھی سوسائٹی میں غیر اسلامی تہذیب کے طریقوں کی ترویج و اشاعت ہو رہی ہوتی ہے۔ اس صدی کو ثقافتی یلغار اور ثقافتی تصادم کی صدی کہا جاتا ہے لہذا اسی یلغار کے نتیجے میں ہمارے معاشرے میں بہت سے نوعمر لڑکے اور لڑکیاں غیر مسلم اقوام کی تہذیب وثقافت میں رنگتے چلے جارہے ہیں۔

اسلامی ثقافت میں تمام مظاہر فطرت کی پرستش کرنے سے کھلم کھلا منع کیا گیا ہے کیونکہ اسی سے توہم پرستی جنم لیتی ہے اور انبیا اور مقدس ہستیوں کی یادگاری تصاویر اور مجسمہ سازی پر بھی کڑی گرفت کی تاکہ بت پرستی کا شائبہ بھی نہ رہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَلَا وَ إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَ صَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ».[2]

(۱) طارق بن شہاب بن عبد شمس البجلی الأحمسی، أبو عبد اللہ الکوفی، راجح قول کے مطابق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی حالت میں دیکھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع ثابت نہیں۔ آپ کی روایات مرسلاً صحاح ستۃ میں مروی ہیں۔ (الإصابة في تمييز الصحابة، ۳/۴۱۴)

(۲) صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المساجد على القبور، حديث نمبر: ۵۳۲، ۱/۳۷۷

ترجمہ: جان لو تم سے پہلے لوگ اپنے انبیا اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا کرتے تھے، خبر دار! تم قبروں کو سجدہ گاہیں نہ بنانا، میں تم کو اس سے روکتا ہوں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ غیر اسلامی تہذیب اور جاہلانہ رویوں کی پیروی سے بچا جائے کیونکہ یہ معاشرے کو شکست وریخت کا شکار بنادیتی ہے۔

"جب کوئی شخص ایک بار اس میں ملوث رہتا ہے اور اس کا چسکا لگنے کے بعد اسے چھوڑنا کٹھن ہو جاتا ہے، وہ جابجا ارتکاب کرتا ہے جس کے باعث برائی پھیلتی ہے اور اس کے مضر اثرات میں بڑھوتری ہوتی ہے اور معاشرے میں یہ گناہ، وبا کی طرح پھیل جاتا ہے"۔ (۱)

قابل ذکر امر یہ ہے کہ اسلام کا حقیقی امتیاز اور مرّوجہ تہذیب و معاشرت سے برتری سماجیات (سوشل سائنسز) کے انہی میدانوں میں ہے جس کو مسلم معاشروں میں نسیاً منسیاً کیا جا چکا ہے۔ نیز اسلامی تہذیب و معاشرت کی بحالی ہی آج مسلم معاشرے سے غیر اسلامی تہذیبوں کے اثرات کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ اشاعت مسلمانوں کے اعمال و کردار سے ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ محض دعوے کرنا اور دروس دینا کافی نہیں۔ جب تک ہماری زندگی یعنی اعمال و کردار میں اسلامی اصولوں کے مطابق حقیقی تبدیلی نہیں آجاتی اس وقت تک اسلام کے بہترین نظام ہونے سے متعلق ہمارے دعوے بے بنیاد ہیں۔

---

(۱) کتاب الفقہ، عبد الرحمٰن الجزیری، مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب، طبع ۱۹۷۴ء، ص:۳۷

فصل دوم: نفسیاتی علاج و تدارک

مبحث اول: ذاتی طریقہ علاج

مبحث ثانی: تربیتی طریقہ علاج

فصل دوم: نفسیاتی علاج و تدارک

نفسیاتی علاج میں کردار سازی اور اخلاقیات کی اہمیت مسلمہ ہے، قدیم اور جدید مباحث میں علم الاخلاق کے ساتھ نفسیات کا ذکر کرنا لازمی حصہ ہے۔ علم اخلاق کی اصطلاح میں ہر عملِ ارادی کو "سلوک" کہتے ہیں جس میں تمام اخلاقی و باطنی امراض کی اصلاح شامل ہیں۔

مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

"انسان کے کردار کے لیے کچھ نفسیاتی مبادیات ہیں جن کا مصدر و منبع نفس ہے۔ جیسے ملکہ اور عادت مگر یہ مبادیات ہمیں محسوس نہیں ہوتیں، بلکہ ان کے آثار کا احساس ہوتا ہے اور ان ہی کا نام سلوک (کردار) ہے۔ مثلاً ہم ملکہ کو محسوس نہیں کرتے، لیکن اُس سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں اُن کو محسوس کرتے ہیں۔ لہذا ہر کردار کے لیے لازمی جزو ہے کہ وہ کسی نفسیاتی مبدأ سے ظاہر و صادر ہو۔"[1]

مبحث اول: ذاتی طریقہ علاج

فلسفہ عقائد کی تفہیم

عقائد کی درست تفہیم انسان کو توہمات، نفسیاتی الجھنوں اور اخلاقی بگاڑ سے نجات دلانے میں معاون ہوتی ہے۔ عصر جدید کے ماہرین اور معالجین کے خیال میں کسی شخص کی غیر متوازن شخصیت یا اس کے رویوں میں تبدیلی لانے کے لیے اولین امر یہ ہے کہ ان کے خیالات و رجحانات کو بدلا جائے جو اس کے نفسیاتی امراض کا سبب بنتے ہیں۔ اس کے ان خیالات و رجحانات کا اس کے افعال و کردار پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ لہذا تحلیلِ نفسی کے ماہرین پہلے مرحلہ میں نفسیاتی مریضوں کے افکار و رجحانات کو یکسر بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

"معالجین کہتے ہیں مریض میں اکثر بیماریوں کا سبب ماضی کے واقعات سے وابستگی ہوتی ہے۔ لہذا نفسیاتی طریقہ علاج یہ ہے کہ مریضوں کو اپنے اندر احساس جرم اور دوسرے افراد سے متعلق قائم کردہ آراء کو اس کے ذہن سے نکال کر متبادل افکار کو بسایا جائے جس کے نتیجہ میں مریضوں کے اندر مایوسی کی جگہ اُمید اور خود شکستگی کی جگہ سکون و مسرت لے لے گی۔"[2]

---

(۱) اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص:۱۵

(۲) نفسیات، مسز شہر بانو، اعتصام پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص۷۹، ۳، ۳۹۲

مگر ان کوششوں کا پھل اسی صورت سامنے آتا ہے جب مریض تعاون کرے اور اس کی سوچ وخیالات کو بدلا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی (اچھی) حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ لوگ خود اپنی (صلاحیت کی) حالت کو نہیں بدل دیتے ہیں۔

جدید ماہرین نفسیات کی تحقیقات اکثر مواقع پر قرآن ہی کا پر تو دیکھائی دیتی ہیں۔ نزولِ قرآن کا مقصود ہے کہ انسان کو غلط رجحانات وخیالات سے پاک کیا جانا چاہیئے۔ عقائد انسان کی شخصیت کو بدل کر عظمت ورفعت کی وہ بلندی عطا کرتے ہیں کہ جس کا تصور آج کے جدید انسان کی فکر سے بہت بالا ہے۔ یعنی کہ عقائد کی درست تفہیم نفسیاتی امراض اور توہمات سے محفوظ رکھتی ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے قرآن شفاء ہے جو دل کی بیماریوں کو بھی شامل ہے جیسے شکوک وشبہات، جہالت ونادانی، فاسد خیالات وغیرہ، کیونکہ قرآن اس علم کا نام ہے جو جہالت ونادانی کو دور کرتا ہے، اور ایسی نصیحت پر مشتمل ہے جو دل کی تمام بیماریوں کا علاج ہے خواہ وہ شبہات کی بیماریاں ہوں یا نفسانی خواہشات کی۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ ٱلْقُرْءَانِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ...﴾ (۱)

ترجمہ: اور ایسی چیزیں (یعنی قرآن) ہم نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔

کیونکہ ایمان والے رب العزت کی ہدایت کو مان کر عمل کرتے ہیں جس سے اُن پر رحمت اترتی ہے اور عقائد باطلہ و خیالات فاسدہ سے شفاء ہوتی ہے۔ انسان کی فکر و نظر کے زاویے اوائل عمری میں ایک رخ اختیار کر لیتے ہیں، نفسیات کے ماہرین کے نزدیک انسان اپنی فکری شخصیت کا بیشتر حصہ اپنی زندگی کے پہلے عشرے میں پورا کر لیتا ہے، اس کے بعد مزید علمی تفصیلات کو اسی کی روشنی میں پرکھتا اور اختیار کرتا ہے۔ لہذا درست عقائد کی تفہیم بچپن سے ہی ہو جائے تو اس کی ساری عمر میں نقش ہو جائے گی۔

حسد وکینہ سے حفاظت

حسد دل کی بیماری کا نام ہے جو در حقیقت کینہ اور غصہ کی شدت سے پیدا ہوتی ہے۔ کسی مستحق نعمت سے اس سے نعمت کے ضائع ہونے کی خواہش کرنا حسد کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر اپنا فضل واحسان کرکے اسے علم ومرتبہ یا دولت وعزت عطا کرتا ہے حاسد کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس سے یہ نعمتیں چھین جائیں۔ حاسد در حقیقت اللہ تعالیٰ کے کسی پر فضل وکرم پر معترض ہوا کرتا ہے انہی اعتراضات کی بنا پر اپنی فطری نفسیات خراب کر کے کئی نفسیاتی مسائل میں گھیر جاتے ہیں جس کا اثر انسانی زندگی میں حتمی، مثبت وتعمیری محنت چھوڑ کر تخریبی افکار میں مبتلا ہونے کی صورت میں نکلتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

---

(۱) بنی اسرائیل ۱۷:۸۲

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْاْ مَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بِهِۦ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ (۱)

ترجمہ: اور ہوس مت کرو جس چیز میں اللہ نے ایک کو ایک پر فوقیت دی۔

رسول اللہ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے:

«لاَ تَبَاغَضُوا، وَ لاَ تَحَاسَدُوا، وَ لاَ تَدَابَرُوا، وَ كُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا، وَ لاَ يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ». (۲)

ترجمہ: بغض نہ رکھو اور کسی سے حسد نہ کرو اور نہ کسی کی غیبت کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین رات سے زیادہ ترک تعلق کرے۔

امراض باطنہ جن کو عرف عام میں نفسیاتی معالجہ کہا جاتا ہے۔ اس طریقہ علاج کے متعلق علماء نے یہ انکشاف کیا ہے کہ امراض باطنی یعنی پریشانی و بے چینی، غم و غصہ کا انسان کے جسمانی اعضاء پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ مغربی ممالک کی کئی یونیورسٹیوں میں ان امراض کا باقاعدہ مطالعہ کیا گیا اور ان کے معالجہ کے لیے نفسیاتی طب کے ہسپتال کھولے گئے مگر ان کے نتائج اتنے بار آور نہ نکلے۔ ڈاکٹر پول ارنسٹ اڈلف کہتے ہیں:

> "وہ بڑے بڑے امراض جن کو ہم عصبی امراض کے نام سے پکارتے ہیں بلاشبہ ان امراض کے بڑے اسباب گناہ، خطا، حسد اور خوف ہیں، یہ بڑی ہی افسوسناک بات ہے کہ جو لوگ نفسیاتی علاج کے سلسلے میں کام کرتے ہیں ان کی اکثریت اضطراب نفس کے اسباب معلوم کرنے میں تو کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن وہ ان اضطراب کا علاج کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ معالجہ کے دوران ان مریضوں کے دلوں میں ایمان باللہ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔" (۳)

اسلام ایک فطری دین ہے اسی لیے اسلام میں حسد کی ایک خاص صورت کو درست کہا ہے کیونکہ انسانی فطرت بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ انسان دوسرے کی نعمت دیکھ کر دل میں اس کے حاصل کرنے کی خواہش کرے اور خوشی کا اظہار کرے، یہ صورت رشک کی ہے، جس میں انسان یہ تمنا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی نعمت عطا کرے اور مجھے بھی اپنے فضل و کرم سے اپنی نعمتیں عطا فرمائے۔ جنت اور جنت والوں کی خوبیوں میں سے ہے ان کے دل کینہ سے صاف کر دیے جائیں گے۔

﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ﴾ (۴)

---

(۱) النساء۴:۳۲

(۲) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب ما ینھی عن التحاسد والتدابر، حدیث نمبر:٦٠٦٥، ١٩/٨

(۳) اسلام اور تعمیر شخصیت، ص:۴۵

(۴) الحجر۱۵:۴۷

ترجمہ: اور ہم وہ کدورت صاف کر دیں گے جو ان کے سینوں میں تھا، بھائی بھائی بن کر رہیں گے تختوں پر آمنے سامنے ہونگے۔

حسنِ ظن کی ترویج

ذہنی تردد کے نتیجے میں توہم پرستی سے محفوظ رہنے کا بڑا ذریعہ حسن ظن رکھنا ہوتا ہے۔ لہذا دوسروں کے بارے میں ہمیشہ نیک گمان رکھے اور کسی کے لیے خود سے ایسی آراء اختیار نہیں کر لینی چاہیں جن کی وجہ سے وہ آپ اندر ہی اندر کڑھتا رہے اور بے چینی کا شکار ہو جائے۔ حسنِ ظن نہ رکھنا انسان کے اندر منفی رویوں کے جنم لینے کا باعث بنتا ہے اور یہی رویے دراصل توہم پرستی کا پیش خیمہ ہیں۔ مثلاً کوئی شخص دوسرے کے پاس سے گزرا اور وہ اس سے جان پہچان بھی رکھتا تھا۔ گزرتے وقت اس نے اپنے دوست کو سلام نہیں کیا اور نہ اس سے کوئی بات کی۔ اس صورت میں دوست کو چاہیے کہ وہ بدگمانی نہ کرے یعنی وہ یہ نہ سوچے کہ اس نے سلام نہ کیا گویا وہ مجھ سے ناراض ہوگا، مجھے اہمیت نہیں دے رہا، یا وہ مجھے اپنے سے کمتر محسوس کرتا ہے وغیرہ۔ اگر اس طرح کے خیالات ذہن کے اندر پیدا ہوں گے تو اس کے اثرات صرف ایک واقعہ تک محدود نہیں رہیں گے بلکہ یہ بدگمانی کے اثرات اس کی روزمرہ زندگی کے دیگر معاملات میں بھی ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گے۔ گویا منفی فکر اور بے چینی اس کی زندگی کا حصہ بن جائے گی یہی توہم پرستی ہے جس کے عذاب میں وہ اپنی ذات کو ہر وقت مبتلا کر لیتا ہے۔ خوشیاں اس سے روٹھ جاتی ہیں اور زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔ اس فکر کے بالکل برعکس اگر وہ سلام نہ کرنے والے دوست کے بارے میں حسنِ ظن رکھتا اور یہ خیال کر لیتا کہ شاید اس نے مجھے دیکھا نہ ہوگا، وہ جلدی میں ہوگا، یا یہ کہ ہو سکتا ہے اس نے آہستہ سے سلام کیا ہو جو مجھے سنائی نہ دیا ہو تو یہ سوچ اسے توہمانہ تصورات سے بچالے گی اور اسے عذاب کا ایندھن بننے سے بھی محفوظ رکھے گی۔ اسی سلسلے میں درست تربیت کے ذریعہ سے نفسیاتی مبادیات اور ان کے قوانین کی معرفت و تعلیم پر انسان کو قدرت ہو سکتی ہے۔

چنانچہ بدگمانی سے بچنے کے لیے قرآن میں ارشاد ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱجْتَنِبُواْ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ...﴾ (۱)

ترجمہ: اے ایمان والو بے جا بدگمانی سے دور رہو کیونکہ بدگمانیاں صریح لغزشیں ہوتیں ہیں۔

بدگمانی احکامات الٰہیہ کے تحت گناہ کے درجہ ہے اور اس کی شناعت اور برائی اس قدر زیادہ ہے جس کے نتیجہ میں اخوت و مودت کو نقصان پہنچتا ہے۔

---

(۱) الحجرات ۴۹:۱۲

"بدگمانی ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو ہر ایک کام میں بدنیتی ہی بدنیتی معلوم ہوتی ہے اور کسی کے کام میں اس کو حسن نیت نظر نہیں آتا۔ دوسرے کی طرف اَن کہی ہوئی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے۔ دوسرے کو بھی اس کا خیال ہوتا ہے اور نتیجۃً وہ کترانے لگتا ہے۔ اس سے آپس میں نفرت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے۔"(۱)

لوگوں کے بارے میں حسنِ ظن رکھنے کا مفہوم یہ نہیں کہ جان بوجھ کر کسی سے دھوکہ کھالیا جائے اور کسی کی بدنیتی اور چالاکی پر بھی خاموش رہتے ہوئے اس کے بارے میں اچھے خیالات دل میں پالے جائیں۔ حسنِ ظن کا مقصود یہ ہے کہ بلاوجہ کسی کے متعلق بدگمانی نہ رکھی جائے جب تک کہ کوئی پختہ ثبوت اور شواہد موجود نہ ہو۔ اگر کسی شخص کے متعلق شواہد اور آزمائش کے بعد کامل یقین ہو جائے، وہ دل کا صاف نہیں پس ایسے افراد سے دور رہنا اور اس کے قرب سے محفوظ رکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

«لست بخب، و لا يخدعني الخب». (۲)

ترجمہ: نہ میں مکار ہوں اور نہ کوئی مکار مجھے دھوکہ دے سکتا ہے۔

لہذا حسن ظن رکھنے کا درست مرتبہ ہے کہ بلاوجہ یا غیر ضروری طور پر کسی کے بارے میں بدگمانی نہ پالی جائے۔ بدگمانی کا رویہ توہم پرستی کی ذہنیت کا عکاس ہے اور نہ ہی خود کو جان بوجھ کر فریب کا شکار بنایا جائے۔ شریعت اور معقولیت بھی اس کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«إِيَّاكُمْ وَ الظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحَدِيثِ، وَلاَ تَحَسَّسُوا، وَلاَ تَجَسَّسُوا، وَلاَ تَنَاجَشُوا، وَلاَ تَحَاسَدُوا، وَلاَ تَبَاغَضُوا، وَلاَ تَدَابَرُوا؛ وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا». (۳)

ترجمہ: تم بدگمانی سے بچو اس لیے کہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے، لوگوں کے عیوب کی جستجو نہ کرو، اور آپس میں جلن نہ کرو، غیبت نہ کرو، بغض نہ رکھو، بلکہ سب اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔

بدگمانی کا ازلہ کسی چیز کو جان لینے سے ممکن ہو سکتا ہے بدگمانی بسا اوقات اس کر بھی ہوتی ہے کہ ہم واقعہ کی مکمل حقیقت سے واقف نہیں ہوتے، اور شیطان کا عمل اس معاملے میں یہی ہوتا ہے کہ وہ انسانی قلب میں وسوسے اور بدگمانیاں

---

(۱) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۶/۲۸۸

(۲) إعلام الموقعين عن رب العالمين، ابن قيم الجوزية، تحقيق:محمد عبد السلام إبراهيم، دار الكتب العلمية، بيروت، الأولى، ۱٤۱۱هـ، ۱۸۹/۳

(۳) صحيح البخارى، كتاب الادب، باب يا أيها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا من الظن،حديث نمبر:٦٠٦٦، ١٩/٨

ڈالتا اور ان کو بڑھانے میں مزید شکوک وشبہات میں پیدا کرتا ہے۔ اس کا علاج اس طرح ممکن ہے کہ درست حالات و واقعات کے مکمل علم کے ذریعے سے بد گمانی کے امکانات کو کافی حد تک دور کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ حدیث میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا جس میں بد گمانی سے بچنے کی ہدایت ملتی ہے:

عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ؛ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعْتَكِفًا فَأَتَيْتُهُ أَزُورُهُ لَيْلًا، فَحَدَّثْتُهُ ثُمَّ قُمْتُ فَانْقَلَبْتُ؛ فَقَامَ مَعِي لِيَقْلِبَنِي، وَ كَانَ مَسْكَنُهَا فِي دَارِ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، فَمَرَّ رَجُلَانِ مِنَ الأَنْصَارِ، فَلَمَّا رَأَيَا النَّبِيَّ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْرَعَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ «عَلَى رِسْلِكُمَا إِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ» فَقَالاَ سُبْحَانَ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ؛«إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ، وَ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا سُوءًا، أَوْ قَالَ: شَيْئًا».(۱)

ترجمہ: حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا واقعہ نقل کرتی ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حالت اعتکاف میں (مسجد میں) تھے تو میں آپ ﷺ سے ملاقات کے لئے رات کو آئی میں نے آپ ﷺ سے کچھ گفتگو کی پھر میں واپسی کے لئے کھڑی ہوئی تو آپ ﷺ بھی میرے ساتھ مجھے پہنچانے کے لئے کھڑے ہوئے اور صفیہ کا قیام اسامہ بن زید کے مکان پر تھا اتنے میں دو انصاری ادھر سے گزرے جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کو (اس حال میں) دیکھا تو تیزی سے چلے تو رسول اللہ صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ذرا ٹھہرو (عورت) صفیہ بنت حیی (میری زوجہ) ہیں (دل میں کچھ اور خیال نہ کرنا) آدمیوں نے کہا اے اللہ کے رسول! سبحان اللہ (آپ ﷺ کے بارے کوئی بد گمانی پیدا نہیں ہو سکتی) آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑ تا ہے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں (میری طرف سے) کوئی برائی (یا بد گمانی) نہ ڈال دے۔

معلوم ہوا کہ انسانی نفس میں طرح طرح کی بد گمانیاں اور خیالات پیدا ہو سکتے ہیں اور یہ شیطانی وساوس ہو سکتے ہیں انہیں دور کرنا اور سمجھنا بہت ضروری ہے۔

شیطانی وسوسہ بہت خطرناک بیماری اور آفت ہے، وسوسہ (برے خیالات) عقیدہ، عبادات جیسے نماز اور طہارت میں شک کے طور پر ہوتا ہے، اور کبھی موہوم بیماریوں سے خوف کے بارے میں ہوتا ہے۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جناب نبی کریم صَلَّى ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے وسوسوں سے متعلق شکایت کی تو ارشاد فرمایا:

«يَأْتِي الشَّيْطَانُ الْإِنْسَانَ فَيَقُولُ: مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ؟ فَيَقُولُ؛ اللهُ، ثُمَّ يَقُولُ: مَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ؟ فَيَقُولُ: اللهُ، حَتَّى يَقُولَ: مَنْ خَلَقَ اللهَ؟ فَإِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ ذَلِكَ، فَلْيَقُلْ؛ آمَنْتُ بِاللهِ وَرَسُولِهِ».(۲)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، حدیث نمبر:۳۲۸۱، ۱۲٤/٤

(۲) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۱۸٦۷، ۱۹٤/۳٦، [حکم شعیب الأرنؤوط]:متن الحدیث صحیح

ترجمہ: تم میں سے کسی کے پاس شیطان آکر کہتا ہے کہ آسمانوں اور زمیں کو کس نے تخلیق کیا؟ انسان کہتا؛ اللہ نے، یہاں تک کہ یہ بھی کہہ دیتا؛ تمہارے رب کو کس نے تخلیق کیا؟ جب اس حالت کو پہنچ جائے تو اللہ کی پناہ طلب کرے اور یہ ک ہے کہ میں اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہوں۔

اسی طرح برے خواب دیکھ لینے اور اس کے برے نتائج سے متعلق حدیث جو حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ:

كُنْتُ أَرَى الرُّؤْيَا أُعْرَى مِنْهَا، غَيْرَ أَنِّي لَا أُزَمَّلُ، حَتَّى لَقِيتُ أَبَا قَتَادَةَ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ؛ «الرُّؤْيَا مِنَ اللهِ، وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا حَلَمَ أَحَدُكُمْ حُلْمًا يَكْرَهُهُ فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثًا، وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللهِ مِنْ شَرِّهَا، فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ». (۱)

ترجمہ: بعض اوقات میں ایسا خواب دیکھتا تھا جس سے میں بخار اور کپکپی جیسی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا تھا، بس میں چادر نہیں اوڑھتا تھا یہاں تک کہ میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے ملا اور انھیں یہ بات بتائی تو کہا ابو قتادہ نے؛ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سنا، آپ نے فرما رہے تھے: (سچا) خواب اللہ کی طرف سے ہے اور (برا) خواب شیطان کی طرف سے، تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے برا لگے تو وہ اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے اور (جو اس نے دیکھا) اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرے تو وہ اسے ہرگز نقصان نہیں پہنچائے گا۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وساس جیسے خواب کا اثر محسوس کرتے تھے یہاں تک کہ وہ بیمار بھی پڑ جاتے۔ اور خواب دیکھنے والے کو چاہیے کی اللہ کی پناہ طلب کرے، بائیں طرف تھوک دے اور پہلو تبدیل کر لے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (۲) محدث دہلوی ان احادیث کا فلسفہ بیان کرتے ہیں:

وسوسہ سے متعلق احادیث کا مقصد ہے اللہ تعالیٰ سے التجا کرنا، یاد الٰہی میں مشغول ہو جانا، وسوسہ کے قبح کو پیش نظر کر لینا اور شیاطین کو بہ نظر ذلت واستحقار دیکھنا، انسان کی توجہ کو خدائے پاک کی جانب پھیر دیتے ہیں اور وسوسہ کا اثر رک جاتا ہے۔ چنانچہ یہی مضمون اس آیت میں مذکور ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ ٱتَّقَوْاْ إِذَا مَسَّهُمْ طَٰٓئِفٌ مِّنَ ٱلشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُواْ فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ﴾ (۳)

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الرويا، حديث نمبر: ۲۲۶۱، ۱۷۷۲/٤

(۲) شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم (۱۱۱۴ھ-۱۱۷۶ھ) برصغیر کی نمایاں علمی شخصیات میں تھے۔ علم تفسیر، علم حدیث، فقہ، تصوف اور تاریخ پر وقیع کام کیا۔ علوم القرآن اور تفسیر القرآن سے خصوصی شغف تھا۔ (الفوز العظیم، خورشید انور قاسمی، قدیمی کتب خانہ کراچی، ص ۲۰۰)

(۳) الأعراف ۷: ۲۰۱

ترجمہ: وہ لوگ جو خدائے تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچتے ہیں جب شیطان کا وسوسہ ان کو چھوتا ہے (وہ اس کو اپنے اندر محسوس کر لیتے ہیں) تو وہ خدائے پاک کی یاد میں مشغولیت اختیار کر لیتے ہیں۔ ثمرہ اس کا یہ ہوتا کہ چشمِ بصیرت کھل جاتی ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وساوس شیطانیہ جو انسان کے دل میں وارد ہوتے ہیں اس کی تین اقسام ہیں۔ جس کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔

۱. بڑا وسوسہ جس کے نتیجہ میں آدمی کافر ہو جائے اور دائرہ اسلام سے خارج ہو، الا کسی پر اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت ہو اور وہ فضل ربی اور قوت ایمانی کی بدولت اس سے محفوظ ہو جائے۔
۲. دوسری قسم کے وسوسے کے آثار ونتائج میں، مختلف گرہوں یا افراد کا آپسی لڑنا جو کہ فساد منزلی یعنی خانہ داری کے نظام کا درہم برہم ہونا شامل ہے۔
۳. تیسری قسم کے وسوسہ کی نوعیت ایک "خاطر" یا یوں سمجھئے ایک خیال کی ہوتی ہے جو آتا جاتا رہتا ہے۔[۱]

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس تقسیم کے مطابق دراصل بدگمانی پیدا ہونے کی وجہ یہی تیسری قسم ہے جو انسان کے دل میں شر کا باعث بنتی ہے۔

شارح حجۃ اللہ البالغہ مولانا عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ "وسوسہ" کی اس تیسری قسم کی تشریح یوں بیان کرتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق انسان کے قلب میں فرشتے اور شیطان کی جگہ ہے۔ اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ جو القا فرشتہ کے واسطے ہوتا ہے اس کی خاصیت یوں ظہور پذیر ہوتی ہے، کہ انسان کی قوتِ ایمانی اس سے بڑھتی ہے نیکی کی طرف رغبت ہوتی ہے اُنس وسرور اس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ نیز شیاطین کے وسوسہ اور القا سے جو تاثیر پیدا ہوتی ہے اس سے انسانی دل وحشت اور قلق سے لبریز ہو جاتا ہے، تکذیب کے جذبات اُٹھتے اور شر کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے۔[۲]

عصر حاضر کے معاشرے میں لوگوں کے اندر سے حسن ظن جیسی اخلاقیات ناپید ہوتی جارہی ہیں۔ لوگوں کا روزمرہ کا تعامل بھی اس کی وجہ ہے۔ تقریباً ہر ایک دھوکے کا سامنا کرتا ہے۔ انتہائی کم لوگ جو قابل اعتماد ہیں یعنی اعتماد کے لیے ہمیں دلیل اور آزمائش کی حاجت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ہونا چاہیے تھا کہ زندگی کا نارمل اور غالب پہلو اعتماد ہوتا مگر دیکھنے میں

---

(۱) انظر: حجة الله البالغة، شاه ولی الله دهلوی، تحقيق السيد السابق، دارالجيل طبع الاولى ۲۰۰۵ء، ص:۲۸۲

(۲) دیکھیے: حجۃ اللہ البالغہ، شرح وترجمہ: مولانا عبد الرحیم، پبلشرز قومی کتب خانہ لاہور، ۲/۴۳

یہ آیا ہے کہ بے اعتمادی اور فریب اس معاشرے کا غالب پہلو بن چکے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کامیابی کے لیے لازم ہے کسی پر اعتماد نہ کرو۔ اگر ہر شخص پر اعتماد کروگے تو ناکامی مقدر بنے گی۔ اس بے اعتمادی کے دور میں ہمیں شیطانی وساوس سے دور رہنا، اور حسن ظن کی فکر کو عام کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ معاشرہ درست سمت میں سفر کر سکے اور لوگوں کی زندگی سے توہمانہ افکار کا خاتمہ ممکن بنایا جاسکے۔ اور اگر کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آئے تو اللہ کی پناہ طلب کرنا جس کا حکم قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ نَزْغٌ فَٱسْتَعِذْ بِٱللَّهِ ۖ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ﴾ (۱)

ترجمہ: اور اگر آپ کو کوئی شیطانی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ لیجیے، بیشک وہ سمیع و علیم ہے۔

معتدل خوف

معتدل خوف تربیتِ انسانی میں اہم کردار ادا کرتا ہے خوف کے متعدد اسباب ہیں جن سے انسانی طبیعت میں فطری اصلاح کا حصول ممکن ہوتا ہے کیونکہ برائی کے انجام سے بے خوف انسان معاشرے اور اپنے لیے خطرناک ثابت ہوتا ہے ایسے ہی شدید خوف زدہ ہونے کی کیفیت بھی کئی ظاہری و باطنی امراض کا باعث بن سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے سے مطلوب ہے کہ وہ معتدل خوف اور اُمید کے درمیان رہے۔

ارشاد ہے:

﴿وَإِيَّٰىَ فَٱرْهَبُونِ﴾ (۲) ترجمہ: صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

﴿فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْقَوْمُ ٱلْخَٰسِرُونَ﴾ (۳)

ترجمہ: (یہ یاد رکھیں کہ) اللہ کی دی ہوئی ڈھیل سے وہی لوگ بے فکر ہو بیٹھتے ہیں جو آخر کار نقصان اٹھانے والے ہوتے ہیں۔

﴿إِنَّهُۥ لَا يَاْيْـَٔسُ مِن رَّوْحِ ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْقَوْمُ ٱلْكَٰفِرُونَ﴾ (۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس تو بس کافر ہی ہوتے ہیں۔

مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

(۱) فصلت ۴۱:۳۶

(۲) البقرۃ ۲:۴۰

(۳) الأعراف ۷:۹۹

(۴) یوسف ۱۲:۸۷

"خوف تربیت کے اعلیٰ کارکنوں میں سے ہے اور انسان وحیوان کی صلاح کاری کے لیے معتدل خوف کا وجود ازبس ضروری ہے۔ اس لیے کی ہمارے جانب دشمن لگے ہوئے ہیں جن کو یہ مرغوب ہے کہ ہمارے نفوس، اموال، اور اخلاق پر نت نئے آفات نازل ہوتے رہیں۔ اور ہم کو ان آفات سے کوئی شے بھی نجات نہیں دلاتی مگر ان سے پیدا ہونے والی اذیت وتکلیف کا خوف۔ نیز ہوا خیزی کی تکلیف کا خوف ہی ہم کو ہمارے اعمال میں کامیاب وکامراں بنانے کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ اور ہمارے اخلاق، ہمارا حسن سلوک بلاشبہ فساد کا ذریعہ بن جاتے اگر ماحول کی مذمت، اور تحقیر کا خوف، ان کی حفاظت نہ کرتا۔ اس پر یہ اور اضافہ کیجیے کہ مستقبل کے برے نتائج کا خوف ہی وہ چیز ہے جو مصلحینِ اُمت کے اندر اپنی امتوں کی اصلاح کے لیے حمیت وغیرت بھر دیتا ہے اور صلاحیت سے آراستہ کر دیتا ہے کہ اصلاحِ امت کے نفاذ واجراء میں جس قدر مکروہات (مصائب) بھی پیش آتے ہیں وہ بخوشی جھیلتے اور برداشت کرتے ہیں۔"(۱)

لہذا مدعا یوں ثابت ہوا ہے دینِ اسلام میں معتدل خوف محمود اور مطلوب ہے۔ اور اعمال کی جواب دیہی سے معبر ہے۔ جس سے انسان میں احساس فرض شناسی کی صلاحیت کو فروغ ملتا ہے اور اوہام باطلہ اور وساوس شیطانی کی طرف خیال نہیں کرتا بلکہ اپنا خیال اصلاح قلب کی جانب مرتکز رکھتا ہے۔

مبحث ثانی: تربیتی طریقہ علاج

مثالیت اور توازن

ہم میں سے بہت سارے لوگ اس لیے توہم پرستی اور پریشانی کا شکار رہتے ہیں کیونکہ وہ سوچتے ہی غلط ہیں۔ غلط سوچنے کا منشا ہے کہ وہ زندگی کے تمام شعبے اور قضیے میں کمال اور مثالیت کی خواہش کی امید رکھتے ہیں۔ وہ کسی بھی شے میں Perfection کے امید کر بیٹھتے ہیں۔ ہر چیز میں خامی اور انحراف تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ان کے ذہن میں یہ راسخ ہو چکی ہوتی ہے کہ انہیں مثالیت چاہیے اور دوسری طرف وہ اس کو کبھی پا نہیں سکتے۔ اور اس کے حصول کی خواہش کے زیر اثر ہر معاملے میں منفی پہلوؤں پر غور کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ مثالیت کا تعین کیا جا سکے، مثالیت کی تلاش کسی عذاب سے کم نہیں ہے۔

مثالیت اور کمال سبب اختیار ہے کہ زندگی میں وہ خوش نہیں ہوتا جس وقت تک اس کے ساتھ کے لوگ اس سے مکمل خوش نہ ہو جائیں۔ عام طور پر دفاتر اور دیگر کام کاج کی جگہوں پر کئی لوگ ایسے مل جاتے ہیں جن کے چہرے پر اضطراب، بے

---

(۱) اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص:۲۱-۲۲

چینی اور بو جھل پن بالکل واضح ہوتا ہے، اس طرز اسلوب کے باعث وہ اس مسابقت میں رہتے ہیں کہ اس کے دوست احباب کسی طرح اس سے راضی اور خوش رہیں۔ ایسی سوچ رکھنے والا شخص توہمات کا شکار ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کے افعال، رد عمل اور ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ میں بس یہ تلاش کرتا رہتا ہے کہ آیا وہ مجھ سے خوش اور راضی ہیں یا نہیں۔ اگر وہ شخص مثالیت کی بجائے واقعیت پسند ہو تو اس کا چہرہ بے چین اور مضطرب نہیں ہوگا۔ وہ یہ جانتا ہوگا کہ دنیا میں ہر شخص کو راضی رکھنا ممکن نہیں ہوتا اور ایسی خواہش رکھنا سراب کے پیچھے بھاگنے کے مترادف ہے۔ نتیجتاً خود اور اہل وعیال کو برا انجام بھگتنا پڑے گا۔ جہاں وہ خود توہمات میں گھر کر خوشیوں کو لات مار دے گا وہیں اس کے بچے بھی اس کی اس غیر صحت مند روش سے متاثر ہوں گے اور ان پر بھی غلط اثرات مرتب ہوں گے۔ کیونکہ علمِ سماجیات سے ثابت ہے کہ گھر کے سربراہ کے فکری رجحانات کا براہ راست اور پہلا اثر اس کے گھر پر ظاہر ہوتا ہے۔

کئی لوگ گھریلو امور میں بھی توہمانہ افکار کے حامل ہوتے ہیں۔ بالتخصیص اپنی زوجہ کے متعلق وہ مثالیت (idealism) کے نقطۂ نظر پر کاربند ہوتے ہیں۔ وہ شادی سے پہلے ہی ہونے والی زوجہ کے ظاہری اور باطنی خدوحال اور مظاہر کے حوالے سے ایک طویل فہرست تیار کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ خواہش رکھتے ہیں کہ اسے اس زمین پر ہر طرح سے کامل رفیق حیات مل جائے جس میں کوئی خَلقی وخُلقی نقص اور کمی نہ ہو۔ طویل عرصہ تک اسی تلاش میں رہتے ہیں اور جب شادی کرلیتے ہیں تو اس کے بعد شریک حیات کو اپنی مثالیت آمیز فہرست پر تولنا اور پرکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر جب اس میں کوئی خامی ظاہر ہوتی ہے تو وہ کڑھنے لگتے ہیں۔ یوں اہل خانہ کی زندگی غیر ہموار اور غیر متوازن ہو کر اجیرن ہو جاتی ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ».[1]

ترجمہ: کوئی مردِ مومن کسی مومن خاتون کو دشمن نہ رکھے اگر ایک عادت اسے مرغوب نہ ہوگی تو اس کی دوسری عادت سے خوش ہوگا۔

شیخ عبد الرحمٰن آلِ سعدي رحمه الله[2] حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الإرشاد إلى معاملة الزوجة والقريب والصاحب والمعامل، وكل من بينك وبينه علقة واتصال، وأنه ينبغي أن توطن نفسك على أنه لا بد أن يكون فيه عيب أو نقص أو

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب الوصية بالنساء، حديث نمبر:١٤٦٩، ١٠٩١/٢

(۲) عبد الرحمن بن ناصر بن عبد الله آل سعدي (۱۳۰۷ھ-۱۳۷۶ھ) مشہور تفسیر "تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان" آٹھ جلدوں میں ہے۔(صفحات من حياة علامة القصيم العلامة عبد الرحمن بن ناصر السعدي، د/عبدالله بن محمد،دار ابن الجوزى، ص:٦٤)

أمر تكرهه؛ فإذا وجدت ذلك، فقارن بين هذا وبين ما يجب عليك أو ينبغي لك من قوة الاتصال والإبقاء على المحبة، بتذكر ما فيه من المحاسن والمقاصد الخاصة والعامة، وبهذا الإغضاء عن المساوئ وملاحظة المحاسن، تدوم الصحبة والاتصال وتتم الراحة وتحصل لك". [۱]

ترجمہ: اس حدیث میں زوجہ، رشتہ دار، رفیق اور تمام کے ساتھ برتاو کی رہنمائی موجود ہے نیز میل جول اور ربط والے کے ساتھ بھی ہدایات یہ ہیں۔ اس بات کا کامل ادراک ہونا چاہیے کہ جس کسی ساتھ تمہارا ربط و تعلق قائم ہوتا ہے اس میں خامیاں، نقائص اور ناپسندیدہ عادات بھی لازماً موجود ہوں گی۔ جب کبھی اس میں موجود مندرجہ بالا عیوب عیاں ہوں تو اس وقت خامیاں اور آپس کے تعلق و محبت کے درمیان مقابلہ کرو اور اُن بھلائیوں اور مقاصد خاصہ وعامہ کے ساتھ بھی تقابل کرو جو ان میں پائے جاتے ہیں۔ برائیوں سے اغماض کرنے اور نیکیوں کو سامنے رکھنے سے انسیت اور ربط ہمیشہ قائم رہے گا اور تمہیں راحت بھی حاصل ہوگی۔

یہ تسلیم کرنے میں کوئی ابہام نہیں کہ مثالیت (idealism) کو حاصل کرنا ناممکن ہی رہتا ہے۔ خاص کر موجودہ عہد میں جب اقدار کی حیثیت ثانوی سطح کی سی رہ گئی ہے۔ اور کسی بھی شے میں کمال اور اوج کی تلاش میں رہنا وقت کا ضیاع اور زندگی کو مزید مشکل بنا دیتا ہے۔

مثلاً وہ لوگوں سے اپنی امیدوں پر پورا اترنے کا تقاضا کرنا دورِ جدید میں حریت فکر کی تعریف اور دائرہ اتنا وسعت اختیار کر چکا ہے کہ کسی کی خواہشات کے مطابق ہونا شخصی آزادی پر سمجھوتہ کرنے کے برابر ہے اس خصوصیت کے حاملین دراصل ماسوا کی زندگی اور حقِ حریت پر قدغن لگانے والے ہوتے ہیں۔ اولا بے عیب زندگی کی جستجو پر اصرار کرنا ہی ایک غیر فطری اور ناقابل حصول مطالبہ ہے نیز خدائے تعالیٰ کی بابت ملنے والی چھوٹی چھوٹی نعمتوں اور خوشیوں کی توہین بھی ہے۔ جب کوئی فرد بڑی خوشیوں اور بڑی نعمتوں کے انتظار میں رہتا ہے اور عدسہ لے کر ان کے پیچھے لپکتا رہتا ہے تو وہ دراصل زندگی میں آنے والی ان نعمتوں کی ناقدری کر رہا ہوتا ہے جو اسے بن مانگے مل جاتی ہیں۔ جنہیں اس نے تلاش نہیں کیا اور نہ ان کا انتظار کیا، لہٰذا زندگی کے ساتھ انصاف یہی ہے کہ اس کی ہر نعمت اور خوشی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

توہم پرست ذہنیت میں مبتلا شخص کبھی نعمتوں کو بھی اپنا مد مقابل خیال کر لیتا ہے اسے صرف وہی نعمت اور خوشی بھلی معلوم ہوتی ہے جس کی طلب وہ رکھتا ہے اگر اس کی مطلوبہ خوشی اسے نہ دستیاب ہو سکے تو وہ ہر لمحہ بے چینی میں ہوتا ہے اور بالعکس وہ بن مانگی خوشیوں کو اہانت کی نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے۔ یہ بیماری مصیبت کو کھینچ لانے والی ہوتی ہے۔ اس انداز زندگی سے صرف اخلاقیات ہی نہیں صحتِ انسانی بھی خراب ہوتی ہیں۔

---

(۱) الوسائل المفيدة للحياة السعيدة، عبد الرحمن آل سعدي، الجامعة الإسلامية، المدينة المنورة، الثانية، ۱۴۰۹ھ، ص:۲۸

مصیبت کو چھوٹا سمجھنا

توہمانہ افکار اور ذہنی تر دد سے محفوظ رہنے کا ضابطہ ہے کہ انسان درپیش مشکلات کو ادنیٰ و معمولی تصور کرے اور یہ یقین رکھے کہ اس سے بڑی دشوار اور تکلیف دہ صورت حال کا سامنا بھی ہو سکتا تھا۔ یوں سوچ لینے کے بعد راحت حاصل ہو گی اور اس کا فکری ارتکاز مضمحل ہو کر توہمات کی نذر نہیں ہو گا۔

مصائب دراصل انسان کے اعتماد کو صدمہ وتکلیف دیتے ہیں اور انسان میں صبر وبرداشت کرنے کی صلاحیت بھی لرزاں ہو جاتی ہے۔ مصیبت جس قدر بڑی ہو گی آدمی کا بھروسہ اتنی تیزی سے پاش پاش ہو گا اور اس کے بعد وہ طرح طرح کے خیالات اور توہمات میں التفات کرنے لگے گا۔ امر لازم ہے کہ آدمی ہر مصیبت کو برداشت کرتا جائے نیز مصائب کو اتنا اہم نہ خیال کرتے ہوئے اس کی طرف توجہ کم کر دے اور اللہ تعالیٰ پر یقین کامل رکھے جس کا واضح اثر اس کی شخصیت پر اعتماد، مضبوط اور نڈر ہونے کی صورت میں ہو گا۔

علم نفسیات میں بھی یہ طریق علاج مستعمل ہے، آپ ﷺ نے بھی اس طریق علاج کو استعمال کیا۔ حضرت خباب بن الأرت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مکی دور میں مسلمانوں پر زندگی کی تکالیف کو سخت تر کر دیا گیا تو وہ نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ ﷺ کعبہ کے سائے میں تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَلاَ تَسْتَنْصِرُ لَنَا، أَلاَ تَدْعُو اللَّهَ لَنَا؟ قَالَ: «كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الأَرْضِ، فَيُجْعَلُ فِيهِ، فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ، وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ أَوْ عَصَبٍ، وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَاللَّهِ لَيُتِمَّنَّ هَذَا الأَمْرَ، حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ، لاَ يَخَافُ إِلَّا اللَّهَ، أَوِ الذِّئْبَ عَلَى غَنَمِهِ، وَلَكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ». (۱)

ترجمہ: ہمارے لئے مدد کیوں نہیں مانگتے ہمارے لئے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا تم سے پہلے بعض لوگ ایسے ہوتے تھے کہ ان کے لئے زمین میں گڑھا کھودا جاتا وہ اس میں کھڑے کر دیئے جاتے پھر آرا چلایا جاتا اور ان کے سر پر رکھ کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے اور یہ ظلم بھی دین سے نہ روک سکا تھا نیز لوہے کی کنگھیاں ان کے گوشت کے نیچے اور پٹھوں پر کی جاتی تھیں اور یہ تکالیف وستم دین پر ایمان سے نہ روکتیں، اللہ کی قسم! یہ دین (اسلام) کی اس وقت تک تکمیل نہ ہو گی، اگر ایک سوار شہر صنعاء سے شہر حضرموت تک چلا جائے گا تو اس کو اللہ کے علاوہ کوئی خوف نہ ہو گا اور نہ کوئی شخص اپنی بکریوں پر بھیڑیے کا خوف کرے گا لیکن اس معاملہ میں تم عجلت چاہتے ہو۔

---

(۱) صحیح البخاری، فی کتاب المناقب، وباب علامات النبوة فی الإسلام، حدیث نمبر:۳۶۱۲، ۱۰۲/٤

فرد کو چاہیے کہ اگر وہ اپنا ذہنی ارتکاز اور سکون باقی رکھنا چاہتا ہے تو وہ اعتماد کو مضطرب نہ ہونے دے۔ اعتماد کے ٹوٹ پھوٹنے سے توہمات کو بسیرا کرنے میں مدد ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ بیماری میں کہا جاتا ہے خدا کا شکر بجالائے کہ خدا نے اسے بڑی بیماری سے محفوظ رکھا۔ اگر کاروبار میں مندی ہو جائے تو یہ کہا جائے کہ خدائے تعالیٰ نے اس سے بڑے نقصان سے محفوظ رکھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«انْظُرُوا إِلَى مَنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ، وَ لَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللهِ». (۱)

ترجمہ: تم اس آدمی کی طرف نظر رکھو کہ جو تمہارے سے کم تر ہے اور اس آدمی کی جانب التفات نہ کرو جو درجہ میں تمہارے سے بلند ہو تم اللہ کی نعمتوں کو حقیر نہ سمجھنے لگ جاؤ۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو پر اعتماد، مطمئن اور خوش رہنے کا طریقہ بتایا کہ وہ دنیاوی امور میں اس طرح مسابقت نہ کریں کہ ان کے انفرادی وجود پر مایوسی کے خدوخال نمایاں ہوں۔ یہاں دنیاوی تجارت اور کاروبار میں مثبت مسابقت سے منع نہیں کیا جارہا بلکہ ایسی مسابقت کی آرزو سے منع کیا جارہا ہے جس میں خدائے تعالیٰ کی ناسپاسی کا اندیشہ ہو یا انسان کے انفرادی وجود میں عدم توازن کے اثرات نمودار ہوں۔ انسانی وجود میں عدم توازن کی یہ کیفیت فرد کو اعتماد سے نکال کر توہمات اور احساس کمتری کی طرف لے جاتی ہے جو صحت مند انسانی شخصیت کے خلاف ہے۔

مصائب کو چھوٹا خیال کرنے کے نفسیاتی علاج کی افادیت کا علم قرآن کریم سے بھی ہوتا ہے۔ غزوہ اُحد میں حضور ﷺ نے تیر اندازوں کے ایک دستے کو پہاڑی پر مقرر کیا اور حکم دیا کہ وہ یہاں سے تب تک نہ ہٹیں جب تک میں نہ کہوں۔ مگر جنگ کے شروع میں مسلمانوں کو ابتدائی فتح نصیب ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہوگئے۔ اس دوران تیر اندازوں کا دستہ بھی اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہوگیا۔ کفار نے اس موقع کو مفید سمجھا اور انہوں واپس پلٹ کر پہاڑی کی جانب سے لشکر کشی کر دی۔ حملہ اتنا اچانک اور شدید تھا کہ مسلمانوں کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملا اور انہیں سخت جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ اس حملے کے دوران کسی نے یہ افواہ اڑا دی کہ نبی کریم ﷺ شہید ہوگئے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ خبر اندوہناک تھی۔ اس سے ان کے حوصلے یکسر ٹوٹ گئے۔ قرآن کریم اس منظر کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُۥنَ عَلَىٰٓ أَحَدٍ وَٱلرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِىٓ أُخْرَىٰكُمْ فَأَثَٰبَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا۟ عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ أَصَٰبَكُمْ ۗ وَٱللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (۲)

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقائق، حديث نمبر:٢٩٦٣، ٤/٢٢٧٥

(۲) آل عمران ۳:۱۵۳

ترجمہ: اور جب تم پہاڑ کی جانب بھاگ رہے تھے اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہو پا رہے تھے جبکہ رسول تمہیں پیچھے سے آواز دے رہے تھے۔ اس وقت تمہیں ایک کے بعد دوسرا غم لاحق ہوا تھا تاکہ تم سے جو رہ گیا اور جو تمہیں لاحق ہوا اس پر غم نہ کرو، جو تم کام کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک آیت (فأثابكم غماً بغمٍ: تمہیں ایک کے بعد دوسرا غم لاحق ہوا) سے مراد، دوسرا غم تو آپ ﷺ کی وفات کی خبر تھی جبکہ پہلا غم مال غنیمت کا چھین جانا تھا۔[1]

آیت میں مذکور ہے کہ جب تمہیں دوسرا دکھ لاحق ہوا اور اس کے کچھ دیر بعد پتہ چلا کہ یہ افواہ غلط تھی اور آپ ﷺ زندہ ہیں تو انہیں مال غنیمت کے چھن جانے کا دکھ ختم ہو گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بس اس پر خوش تھے کہ آنحضور ﷺ حیات ہیں۔ معلوم ہوا کہ بڑی مصیبت کے یاد کرنے سے چھوٹی مصیبت کا دکھ کم ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول حدیث ہے کہ:

«فَتَحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَابًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ، أَوْ كَشَفَ سِتْرًا، فَإِذَا النَّاسُ يُصَلُّونَ وَرَاءَ أَبِي بَكْرٍ، فَحَمِدَ اللَّهَ عَلَى مَا رَأَى مِنْ حُسْنِ حَالِهِمْ، وَرَجَاءَ أَنْ يَخْلُفَهُ اللَّهُ فِيهِمْ بِالَّذِي رَآهُمْ، فَقَالَ؛ «يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّمَا أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ، أَوْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أُصِيبَ بِمُصِيبَةٍ، فَلْيَتَعَزَّ بِمُصِيبَتِهِ بِي عَنِ الْمُصِيبَةِ الَّتِي تُصِيبُهُ بِغَيْرِي، فَإِنَّ أَحَدًا مِنْ أُمَّتِي لَنْ يُصَابَ بِمُصِيبَةٍ بَعْدِي أَشَدَّ عَلَيْهِ مِنْ مُصِيبَتِي».[2]

ترجمہ: آپ ﷺ نے (مرض الوفات کے ایام میں اپنے حجرے سے) ایک دن اپنے اور لوگوں کے مابین سے پردے کو ہٹایا۔ لوگ اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں اس اچھی حالت میں دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے لیے تعریف کی اور یہ دعا کی کہ اللہ انہیں اسی حال پر قائم رکھے۔ اس کے بعد فرمایا: اے لوگ جس شخص کو بھی کوئی مصیبت لاحق ہو تو وہ اس کا موازنہ اس مصیبت کے ساتھ کرے جو مجھے لاحق ہوئی۔ میرے بعد اُمت میں سے کسی کو اتنی سخت مصیبت لاحق نہ ہو گی جو مجھے ہوئی۔

مصروفیت کے مواقع

توہم پرستی کبھی زیادہ فرصت کے مواقع کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے یا کسی ایک کام پر زیادہ دیر تک اثر رکھنے کے باعث وابستہ ہو جاتی ہے۔

---

(۱) دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، ص: ۲/ ۱۴۳

(۲) سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصبر على المصيبة، حديث نمبر: ۱۵۹۹، ۱/ ۵۱۰، حكم الألباني: صحيح

مثلاً کچھ لوگوں کو طہارت کی توہم پرستی میں مبتلا ہوتے ہیں وہ ہاتھ دھونے میں وقت زیادہ لگاتے ہیں نہانے میں بہت سارا وقت ضائع کر دیتے ہیں یا وضو کرتے وقت اعضاء کو کئی دفعہ دھوتے رہتے ہیں اور اس دوران بد حواسی اور تذبذب کی کیفیت میں بھی نظر آتے ہیں۔

حدیث مبارکہ میں طہارت میں وساوس ڈالنے کو شیطان کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

«إِنَّ لِلْوُضُوءِ شَيْطَانًا، يُقَالُ لَهُ: الوَلَهَانُ، فَاتَّقُوا وَسْوَاسَ الْمَاءِ».(۱)

ترجمہ: وضوء میں وسوسے کے لیے مخصوص شیطان ہے جس کا نام ولھان ہے۔ لہذا تم پانی کے وسوسے سے بچو۔

اس مرض سے جان چھڑانے کا اچھا طریقہ ہے کہ ایسے شخص کو مصروف رکھا جائے خصوصاً طہارت کے وقت اسے کم وقت دیا جائے تاکہ اس کا ذہن بٹا رہے اور وہ زیادہ دیر طہارت کے معاملے میں سوچنے کی بجائے متبادل کو ترجیح دے۔ جب وہ متبادل کو فوقیت دینے لگے تو مرض سے بآسانی ٹھیک ہو سکتا ہے۔

بری عادت کو اچھی عادت سے بدلنے کے لیے ماہرین نفسیات تبدیلیِ مقام کی تجویز دیتے ہیں ایسے میں نیا مقام یا تبدیلی مجلس کو اختیات کرے اور مفید کاموں میں مشغول رہے تو یقیناً اس کیفیت کا مریض بہتر حالت میں آسکتا ہے۔

"انسان کے اخلاق میں سے کوئی عادت اعتدال کی حدود سے ہٹ جائے تو اسے معتدل کرنے کی ترکیب یہ ہوتی ہے کہ اس کی ضد کی طرف میلان اختیار کیا جائے"۔(۲)

توہم پرستی میں مبتلا مریض کو مصروف رکھتے ہوئے یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ متبادل مصروفیت اس پر بوجھ نہ بننے پائے۔ وہ اپنی مشغولیت کو اہم تو خیال کرے مگر اس کو مصیبت نہ سمجھے اگر ایسا ہو کہ وہ متبادل کو بوجھ خیال کرتا ہو تو اس کے ذہنی اضطراب اور توہماتی رویے میں مزید شدت بڑھتی چلی جائے گی۔

اخلاقی معاونت فراہم کرنا

بعض اقات یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ توہماتی رویے جنم لینے کی ایک وجہ انسان کا بے وجہ خجالت اور شرم وحیا کا عنصر جو کہ تنہائی پسند ہونے کے ناطے پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ ہر وقت گوں مگوں اور تذبذب کی کیفیت میں مبتلا رہتا ہے، اور کسی بھی کام کی انجام دیہی سے پہلے شدید تامل کرتا ہے۔ خصوصاً اجتماعی نوعیت کے امور میں، یہ مرض تقریباً ہر معاشرے میں

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الطهارة، باب كراهية الإسراف في الماء، حديث نمبر:۵۷، ۱/۱۱۲، حكم الألباني: ضعيف جدا

(۲) اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص:۸۷

موجود رہتے ہیں اس کی بنیادی وجہ بچپن کی غیر صحتمندانہ پرورش ہوتی ہے۔جو والدین بچپن میں بچوں کو کسی تفریحی عمل، مشغلہ اور آپس کے میل جول سے دور رکھتے ہیں ایسے بچوں میں خود اعتمادی کی کمی کے باعث توہماتی رویے نشوونما پاسکتے ہیں۔

ان افراد کی اصلاح،تربیتِ نفس اور جذباتی رویوں کو درست سمت مہیا کی جاتی ہے جس سے مریض کی خوداعتمادی(Self Esteem) کو بحال کرنے میں دوسروں کی اخلاقی معاونت کی ضرورت ہوتی ہے۔

"(Self Discipline)ترتیب نفس یعنی نفس کا کنٹرول ہونا ہر نوعیت کے اخلاقی عمل کی شرط اول ہے اخلاقی زندگی اپنے درجات کی پستی سے لے کر اعلیٰ ترین منازل تک اسی تربیت نفس، ضابط شناسی اور (Self Control) قابو یافتگی پر ہے اسی وجہ سے قرآن میں اتباع ھوی کو تکفیر اور گمراہی کا بنیادی سبب شمار کیا گیا ہے کیونکہ جو اپنے جذبات و خواہشات کا بندہ ہو وہ کسی اخلاقی مقصد اعلیٰ کو تسلیم نہیں کر سکتا۔اس کی حریت نفس میں لازماً خلل واقع ہو گا۔تہذیبِ نفس اور جذبات کی تربیت اخلاقی زندگی کا ایک لازمی حصہ ہے اور جس کا نفس کنٹرول (Self Control) نہ ہو اخلاقی اعتبار سے سرفراز نہیں ہو سکتا ہے۔"[۱]

انسان کی تربیت واصلاح میں مجالس کی صالحیت سے انکار نہیں۔صحبت صالح سے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا:

«الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُم مَن يُخَالِلُ».[۲]

ترجمہ: انسان رفیق خاص کے عقیدہ و نظریات پہ ہوتا ہے۔تو تمہیں چاہیئے کہ غور کرو کس سے دوستی کر رہے ہو۔

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں فرمایا کہ:

«مَثَلُ الجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ، كَحَامِلِ المِسْكِ وَنَافِخِ الكِيرِ، فَحَامِلُ المِسْكِ؛ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً، وَنَافِخُ الكِيرِ؛ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً».[۳]

ترجمہ: نیکوکار اور بدکار رفیق کی مثال مشک اٹھا رکھنے والے اور بھٹی دہکانے والے جیسی ہے(مشک رکھنے والا)مشک میں سے تمہیں کچھ ہدیہ عنایت کرے گا یا اس سے خریداری کرلوگے یا کم سے کم تمہیں عمدہ خوشبو تو ضرور ملے گی اور بھٹی دھونکنے والا یا تمہارا لباس جلادے گا، یا تمہیں بھٹی والے سے ناگوار بدبودار ملے گی۔

---

(۱) اسلام کا نظریہ اخلاق، محمد مظہر صدیقی، مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ص:۱۴

(۲) سنن ابی داود، فی كتاب الأدب، وباب من يؤمر أن يجالس، حديث نمبر:٤٨٣٣، ٢٥٩/٤، حكم الألباني:حسن

(۳) صحیح البخاری، كتاب الذبائح والصيد، باب المسك، حديث نمبر:٥٥٣٤، ٩٦/٧

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ توہمات کا شکار مریض کے معالجہ کی خاطر سعادت مندر شتہ داروں اور خیر خواہ دوستوں کی اخلاقی معاونت لی جائے۔ ایسے مریض کو اجتماعی امور کی انجام دہی کی خاطر مناسب ماحول بھی دیا جائے تاکہ وہ شرم وحیا محسوس نہ کریں اور انہیں کسی منکر بات پر متنبہ کرنے کے لیے دوستانہ ماحول میں رہتے ہوئے بغیر تنقید کے سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ اس باخلاقی معاونت کے ذریعے سے توہماتی رویوں سے نجات ممکن ہوسکتی ہے۔

فصل سوم: معاشرتی علاج و تدارک

مبحث اول: تعلیمی شعور و آگاہی

مبحث ثانی: قانون سازی اور ماحول کی فراہمی

فصل سوم: معاشرتی علاج وتدارک

انسان کی سیرت، کردار اور چال چلن معاشرہ میں رہ کر ہی تربیت پاتے ہیں۔ اور اس کی بے شمار صلاحیتیں معاشرتی ماحول کے تحت اُجاگر ہوتی ہیں۔ معاشرہ بھی فرد کے احساسات اور جذبات پر فعالیت رکھتا ہے نیز یہ فعالیت اخلاقی اور روحانی ترقی کا باعث بنتا ہے۔ اور دیگر صلاحیتیں بھی معاشرہ ہی میں نشو ونما پاتی ہیں۔ لہذا معاشرتی رویوں کی اصلاح توہم پرستی سے چھٹکارے کا بہت اہم ذریعہ ہے۔ جہاں تک اسلام کی معاشرتی ہدایات کا تعلق ہے تو قرآن وسنت میں فرد کی تربیت واصلاح کے ساتھ معاشرے کو دین پر قائم کرنے کی ضرورت کو بھی بڑی شدت سے اُجاگر کیا گیا ہے اور اس کے تفصیلی احکامات موجود ہیں۔ اسلامی احکامات میں فرد سے ادائیگی ٔفرض کا تقاضا کیا جاتا ہے لیکن اس کی برکات مسلم اجتماعیت ومعاشرت بحال ہونے کی صورت میں ہی حاصل ہوتی ہیں۔

مبحث اول: تعلیمی شعور وآگاہی

تعلیم بالغاں

ہمارے معاشرے میں توہمانہ اور غیر اسلامی اثرات کی ایک اہم وجہ ناخواندگی بھی ہے۔ جہالت وناخواندگی دور کرنے کی خاطر تعلیم بالغاں کا اہتمام ہو کیونکہ آبادی کے ایک بڑے حصے کا جاہل وناخواندہ ہونا نہ صرف ترقی یافتہ ہونے میں حائل رکاوٹ ہے بلکہ معاشرے کی فلاح وبہبود کی خاطر امر مقصود ہے۔ مناسب تعلیم کی عدم فراہمی سے مذہباً دور ہوتے جارہے ہیں نیز غیر اسلامی اقدار وروایات کی اقتداء کرنے سے ہچکچاتے نہیں ہیں۔

تعلیم بالغاں کا اہتمام نہ کرنے کا مطلب؛ آئندہ ہم کم سے کم پانچ عشروں تک معاشرتی رویوں کو جوں کا توں رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ اس صورت میں کہ اگر ہم نے نئی نسل کے لیے مناسب تعلیم کا بھرپور انتظام کریں ورنہ اس سے بھی زیادہ مدت ہم اسی فکری واعتقاداتی انحطاط کا شکار رہیں گے۔

"أن للمجتمع منطقه السائر وعرفه العام وضغطه الساحق ووزنة الثقيل.. على من ليس يحتمي منه بركن ركين، وعلى من يواجهه بلا سند متين.. وللتصورات السائدة والافكار الشائعة ايحاؤهما الذي يصعب التخلص منه بغير الاستقرار على حقيقة تصغر في ظلها تلك التصورات والافكار، والاستمداد من مصدر أعلى من مصدرها وأكبر وأقوى."[۱]

---

(۱) معالم في الطريق، ص:١٦٤

ترجمہ: معاشرے پر کچھ افکار و نظریات کی حکمرانی ہوتی ہے کچھ ہمہ گیر رویات کا چلن ہوتا ہے۔ جن کی پشت پر اس کا سخت گیرانہ دباؤ اور مضبوط معاشرتی زنجریں ہوتی ہیں۔ یہ حالات اس شخص کے لیے ناقابل برداشت ہوتے ہیں جسے کسی طاقت ور ہستی کی پناہ حاصل نہ ہو۔ اور جو بغیر کسی مضبوط سہارے کے معاشرے کو چیلنج کرتا ہے۔

معاشرے میں مخصوص افکار و نظریات کے اپنے مخصوص اثرات و تقاضے ہوتے ہیں جن سے چھٹکارا تب ممکن ہے کہ انسان کا تعلق ارفع و اعلیٰ ذات یعنی خداوند سے استوار ہو جائے۔ لہٰذا خدا کی فراہم کردہ تعلیم و تربیت سے وہ مومن کے بلند مرتبے پر فائز ہو سکتا ہے۔ جس سے اکتسابِ ہدایت لیتے ہوئے وہ معاشرتی برائیوں کا خاتمہ کر سکتا ہے۔

تعلیم کا معاشرے سے بڑا گہرا اور براہِ راست تعلق ہے۔ تعلیم معاشرے کو مطلوبہ سمت میں نشو و نما کے لئے درکار افراد فراہم کرتی ہے۔ نیز تعلیم یافتہ اور باصلاحیت افراد اپنے معاشرہ کو درست سمت ترقی دیتے ہیں۔ ہماری قومی تعلیمی پالیسیوں میں تعلیم بالغاں کے لیے کئی ایک طریقوں پر غور ہوا مگر افسوس کہ اس کے لیے ابھی تک کوئی ٹھوس پروگرام ترتیب نہیں دیا گیا اس لیے یہ مسئلہ ابھی تک ویسا کا ویسا ہی ہے۔ اسلام جو مسلمانوں کے ہر معاملے کو عمل سے منسلک کر کے ہمیں بہترین نتائج کا وعدہ دیتا ہے، برخلاف اسے مسلم معاشرے میں محض تعلیم و تعلّم کا پیشہ بنا دینے تک محدود کر دیا گیا ہے علماء و فضلا کی علمی کاوشوں کا کل ارتکاز ان علوم کی مزید تعلیم تک ہی منحصر ہے اور دیگر مغربی علوم کے بالمقابل عملی میدان میں اُنہیں کھپانے کی کوئی گنجائش میسر نہیں ہوتی۔ حکومت کو چاہیے کہ اس طرف مناسب توجہ دے کیونکہ ناخواندگی کے باعث لوگ نہ زراعت کو ترقی دے سکتے ہیں، نہ صنعتوں کو فروغ اور نہ رسم و رواج کے بندھنوں کو توڑ سکتے ہیں اور نہ ہی توہمات پر قابو پا سکتے ہیں اس کا واحد حل تعلیم ہے۔

تعلیمی اداروں کی کمی کا سدباب

تعلیم کی کمی میں ایک اہم رکاوٹ مدارس اور تعلیمی اداروں کی کمی بھی ہے۔ نیز ہر سال بہت سے طلبہ و طالبات اسکولوں میں داخلوں سے محروم ہو جاتا ہے اور حصولِ علم میں طلبہ کو بہت سی دشواریاں اور مشکلات درپیش ہوتی ہیں۔ دیہاتوں میں یہ مسئلہ اور بھی گھمبیر شکل اختیار کیے ہوئے ہے۔ اول تو بعض دیہاتوں میں سرے سے اسکول موجود ہی نہیں ہیں اور جہاں ہیں وہاں عمارت انتہائی مخدوش اور فرنیچر معدوم ہے اور اساتذہ کی کمی ایک مستقل مسئلہ ہے۔ نتیجہ یہ کہ سب سے زیادہ جہالت اور ناخواندگی کی شرح ہمیں دیہاتوں میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہ ہماری ۷۰ فیصد آبادی کا حال ہے اس ماحول کی وجہ سے سب سے زیادہ دیہاتوں کے لوگ رسوم و رواج اور توہمات میں جکڑے ہوئے ہیں۔

کسی علم کو تدریس تک ہی محدود کر دینا اور معاشرتی عمل میں استعمال میں نہ لانا اس رویہ کا غماز ہے کہ معاشرے میں ان علوم کا تحفظ و وجود ہی مطلوب ہے، نہ کہ اس کی بنا پر اپنی اجتماعی و انفرادی زندگیوں کی تشکیل کرنا۔ اسلام کو عملی و معاشرتی تشکیل سے نکال کر محض تعلیم و تعلّم تک محدود کر دینا اسلام کے ساتھ ناانصافی کے مترادف ہے۔

مکاتیب و مدارس کے لئے معاشرے میں انتہائی محدود کردار تجویز کیا گیا ہے۔ ان حالات میں محض تعلیمی سند دے کر فضلا سے یہ توقع رکھنا کہ وہ معاشرے کی صحیح سمت میں تشکیل دے لیں گے معاشرے میں اس کے حقیقی امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ منظم و منضبط معاشرہ کی اسلامی تشکیل اور اس کو اسلامی تقاضوں کے مطابق اُستوار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تعلیمی اداروں میں جدید سماجی علوم کی تربیت دے بھی دی جائے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ مصلحین کی تمام ترکاوش نظریاتی میدان سے آگے نہیں بڑھ پاتی کیونکہ معاشرے میں اس کے بالمقابل متوازی جاہلی تصورات کارفرما ہوتے ہیں۔

خواتین میں شعور کی بیداری

خواتین میں شعور بیدار کر کے ہم غیر اسلامی رسوم و رواج پر قابو پا سکتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ توہمات اور رسوم و رواج کی پاسداری اور نقالی خواتین ہی زیادہ کرتی ہیں۔ اس روش کو بدلنے کے لیے ہمیں خواتین کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دینا ہوگی خواتین کو باشعور بنانے کے لیے اعلیٰ سطح تک کی تعلیم کو عام کرنا پڑے گا تاکہ تمام والدین کم سنی سے ہی بیٹیوں کو تعلیم و تربیت کی فراہمی ممکن بنا سکیں۔

عورت کی تعلیم و تربیت کے پیش نظر اسلامی تعلیمات میں بیٹی کو رحمت قرار دیا گیا ہے بلکہ دو بیٹیوں کے والدین کو روز قیامت آپ ﷺ کی رفاقت بھی حاصل ہو گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص نے دو لڑکیوں کی ان کے بالغ ہونے تک دیکھ بھال کی، روزِ قیامت میں اور وہ اس طرح آئیں گے۔ اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو آپس میں منسلک کیا۔"[۱]

اسلام میں عورت مذہبی، سماجی، اور قومی ذمہ داریوں میں مرد کے برابر تصور کی گئی ہے۔ اسلامی معاشرہ میں عورتوں کے لیے دینی تعلیم و تربیت کا ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ ایک تربیت یافتہ عورت ہی خاندانی نظام کو مربوط رکھ سکتی ہے۔ عورت کی دینی تعلیم و تربیت کی وجہ سے قومی بیداری اور اجتماعی شعور بیدار ہوتا ہے۔ اسلام سے قبل عورتوں کی تعلیم کی طرف توجہ نہیں دی جاتی تھی، پس لڑکیوں پر عنایت و شفقت اور خصوصی نشو و نما کی جانب خاص توجہ دلائی گئی، آپ ﷺ نے بیٹی کی عمدہ تربیت کو جہنم سے آزادی کا سبب بتایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الإحسان إلى البنات، حدیث نمبر: ٢٦٣١، ٢٠٢٧/٤

«مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ، فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ، فَأَطْعَمَهُنَّ وَسَقَاهُنَّ وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَّتِهِ؛ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ».[1]

ترجمہ: جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ اس پر صبر کرے، انہیں اپنی استطاعت کے مطابق کھانا پینا نوش کرائے، اور پہنائے، تو (روز قیامت) آگ سے حفاظت ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ بیٹیوں کی کفالت میں اچھی تربیت کرنا مطلوب و مقصود ہے اور اس عمل کی وجہ سے جہنم سے خلاصی بھی ممکن ہے۔ عورت کی اصلاح کی اہمیت میں اضافہ یوں بھی ہو جاتا ہے کہ دنیا میں خواتین مقابلہ مردوں کے زیادہ ہیں۔ اگر عورتوں کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دی جائے تو اکثر معاشرے کی اصلاح ممکن ہو جائے گی۔ کسی بھی معاشرے میں عورت کی تعلیم و تربیت کا نمایاں کردار ہوتا ہے اور عورت کی تربیت نہ ہونے کا اثر خاندان بلکہ تمام معاشرے پر پڑتا ہے۔

خواتین سوشل ورکرز کا اہتمام

ایک سوشل ورکر انتہائی ذمہ دار، تعلیم یافتہ، محنتی، درمند، رحم دل، باہمت، لوگوں کے مسائل کو سمجھنے والا فرد ہوتا ہے، اسی طرح خاتون سوشل ورکرز کے بھی یہی اوصاف ہوتے ہیں۔ اس لیے ہائی سوسائٹی سے قطع نظر بظاہر عام سی مگر اندرونی طور پر مندرجہ بالا اوصاف کی حامل خواتین کو بطور سوشل ورکر قائم کرنا ہوگا تاکہ وہ ملک کے تمام علاقوں بالخصوص دیہاتوں میں جاکر خواتین میں پیدا شدہ سماجی برائیوں کو دور کر سکیں اور ان کی اصلاح کر سکیں۔ خواتین کے علاوہ مرد سوشل ورکرز مردوں کی تربیت کے لیے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ ان سوشل ورکرز کی تربیت اسلامی نقطہ نظر سے ہونی چاہیے۔ یہ تربیت حکومت بھی کر سکتی ہے اور بعض ادارے بھی اس کا ذمہ اٹھا سکتے ہیں۔

مبحث ثانی: قانون سازی اور ماحول کی فراہمی

ذرائع ابلاغ کی اصلاح

اخبارات، رسائل و جرائد، اور خاص طور پر ٹی وی، انٹرنیٹ معلومات حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے فوائد کی طرح اس کے نقصانات بھی ہیں کہ موجودہ ذرائع ابلاغ کسی قسم کے اصول و قوانین سے بالاتر ہیں۔ بسا اوقات آزاد بنیادوں پر فراہم کی جانے والی خبریں لوگوں کے اذہان کو مشوش و بے چین کرنے اور انہیں توہم پرست بنانے میں بڑا کردار ادا کرتی ہیں۔

کسی معاشرہ کی اصلاح میں دو عناصر بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور در حقیقت یہ دونوں عناصر 'تعلیم' کے ہی دو مراحل ہیں۔ ایک وہ تعلیم ہے جو انسان درسگاہوں میں حاصل کرتا ہے اور دوسری وہ تعلیم جو ابلاغ اور میڈیا کے ذریعے سے حاصل ہوتی

---

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۷۴۰۳، ۶۲۲/۲۸،[حکم شعیب الأرنؤوط]:إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الصحيح غير أبي عُشَّانة.

ہے۔ترقی یافتہ اقوام جان چکی ہیں کہ نظریات میں تبدیلی قوت کی بجائے ابلاغ سے کی جائے کہ سوچنے سمجھنے کے پیمانے ہی تبدیل کیے جاتے ہیں۔لہذا ابلاغ کی قوت سے ذہن اور خیالات کی مثبت سمت میں رہنمائی کی جاسکتی ہے۔

میڈیا دور جدید میں اِبلاغ کا سب سے موئثر اور وسیع ذریعہ ہے اور نظریاتی اور تہذیبی مشن کے لیے سب سے زیادہ موئثر ہتھیار ہے۔ ذرائع ابلاغ نہ صرف عوامی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں بلکہ مجموعی معاشرتی حالات کو بھی شدید متاثر کرتے ہیں۔ لہذا ذرائع ابلاغ کو مادر پدر آزادی نہیں حاصل ہونی چاہیے۔ صحافتی آزادی کے زمرے میں خبروں کی صداقت کی آڑ میں خبروں کو (چاہے سچی ہوں) توڑ مروڑ کر اور جذبات انگیختہ سرخیاں لگا کر اپنا کاروبار چمکانا درست نہیں کیونکہ اس سے سامعین کے اوپر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ وہ نفسیاتی طور پر غیر منضبط فکر کے حامل ہو جاتے ہیں اور بے چینی و توہمات زندگی کا جزو خاص بن کر رہ جاتے ہیں۔

میڈیا میں بعض خبریں تو ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے خبر بننے یا نہ بننے سے عوام کو کوئی مثبت فائدہ نہیں ہوتا بلکہ الٹا نقصان ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر اخبار میں شادی بیاہ کے بارے میں فیچر چھاپا جائے اور اس ضمن میں رسوم ورواج کو غیر معمولی اہمیت دی جائے تو یہ صحافتی آزادی نہیں بلکہ اس آزادی کا ناجائز استعمال ہے۔ اسی طرح کوئی خبر پیروں فقیروں کی کرامات اور کوئی خبر بیٹے کے پیدا ہونے پر فائرنگ سے متعلق ملتی ہے تو یہ ایسی خبریں ہیں جنہیں محض اخبار کا پیٹ بھرنے کے لیے خبر بنایا گیا ہے۔ اسی طرح اخبارات میں نجومیوں کے اشتہارات دینا بھی صحافت نہیں بلکہ توہم پرستی کو فروغ دینے کا ذریعہ ہے۔ ذرائع ابلاغ کا استعمال ایسا ہونا چاہیے جو ہماری اسلامی اقدار کو مجروح نہ کرے۔

> "ذرائع ابلاغ کا وظیفہ صرف اطلاع کے بعد ختم نہیں ہو جاتا بلکہ معاشرہ کی تعمیر وترقی میں غیر معمولی سیرت و کردار ادا کرتے ہیں۔"(۱)

ہمارے اخبارات ورسائل کو نت نئے لباس اور میک اپ کے ولایتی طریقے سکھانے اور گھریلو سجاوٹ کے امریکی نمونوں کی اشاعت کی بجائے کہ جو عام عوام کمتری کا احساس دلاتے ہیں۔ میڈیا درحقیقت اسلامی معاشرت کی عکاس ہونا چاہیے اور ریڈیو ٹی وی کو معاشرتی برائیوں کی ترجمانی سے ہٹ کر تعلیمات اسلامیہ کو مؤثر طریقے سے نمایاں کرنا چاہیے۔ میڈیا پر جو کچھ عوام کے لیے دیکھایا جاتا ہے وہ اسی کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیں گے۔

> "الیکٹرونک میڈیا کی ایجاد سے قبل انقلاب کی رفتاری سست ہوا کرتی تھی وہ اپنی چال میں آہستہ سفر کرتا تھا لوگوں تک رسائی میں سست روری ہوا کرتی تھی۔ دور جدید میں برقی تبدیلیوں سے گویا انقلاب میں ایٹمی انرجی آگئی ہے جہازوں ہواؤں کی رفتار بلکہ آوازوں سے تیز لمحہ بالمحہ ہر موقع پر دستیاب ہے۔"(۲)

---

(۱) ابلاغ عامہ اور دورِ جدید، نفیس الدین، کراچی ڈیسنٹ پریس، ۱۹۸۶ء ص:۶۶

(۲) پاجا سراغ زندگی، ابوالحسن ندوی، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۷۰ء، ص:۱۴۳

اہل مغرب اپنا فلسفہ زندگی کی پیش کاری کے لیے اب نہ تو وہ فوج کشی کرتیں اور نہ غاصب کہلاتی اور بغیر خون ریزی کے وہ حاکم بن جاتے ہیں، نیز عوام محکوم اور وہ آقا ہوں، اسی کا نام سرد جنگ ہے۔ اس سرد جنگ میں ہمارے ذراع ابلاغ مغربی آقاؤں کی بھرپور مدد کررہے ہیں۔ اخبارات، رسائل، فلمیں، ریڈیو اور ٹی وی سبھی مغربی اور ہندوانہ رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ "البلاغ" کے مدیر مفتی تقی عثمانی حفظہ اللہ [۱] کہتے ہیں:

"جہاں تک مسلم معاشرہ میں اخلاقی زوال کا تعلق ہے تو اس میں بھی بڑا حصہ ہمارے ذرائع ابلاغ کا ہی ہے۔ منظم خفیہ تدبیر کے تحت اسلامی معاشرے کی اساس کھوکھلی کرنے کا منصوبہ ہے۔ حالانکہ عوام ان سے اتنا متاثر ہوتے تو انہیں عوام کی اصلاح کا ذریعہ بھی بنایا جاسکتا ہے"۔ [۲]

ذرائع ابلاغ ہمارے معاشرے کو داخلی تصادم کا شکار بنانے کا بھی کام انجام دے رہے ہیں اور یہ داخلی تصادم نفسیاتی الجھنوں کے جنم لینے کا سبب بنتا ہے۔ ذرائع ابلاغ مسلم معاشروں کی شناخت اور ثقافت پر حملہ آور ہوتے ہیں اور یہی حملے داخلی تصادم پیدا کرتے ہیں کہ ایک مشرقی روایات کا حامل فرد جب میڈیا پر اجنبی ثقافت کی اہمیت و مقبولیت کے گیت سنتا ہے تو وہ فکری انتشار کا شکار ہو جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ وہ کس شناخت کو اپنائے۔ مسلم ممالک میں شائع ہونے والے رسائل مغربیت کی نقالی کا عندیہ ہیں۔ لباس وخوراک کی برتری سے متعلق تصاویر چھاپی جاتیں ہیں، ٹی وی اور ریڈیو سے ڈراموں اور کہانیوں کی صورت میں مغربی طرز زندگی کی عکاسی اس طرزِ اسلوب سے کی جاتی ہے کہ بس یہی معیاری ہے اس کو اپنانا کامیابی ہے۔

"مغربی ذرائع ابلاغ کی اثر پذیری ہمارے ذرائع پر اس قدر زیادہ ہے کہ عوام الناس نے ملکی ذرائع ابلاغ پر یقین بھی ترک کر دیا ہے اور تازہ ترین معلومات کے لیے باہر کی طرف دیکھنا شروع کر دیا ہے۔" [۳]

اخبارات اپنی روایات کو زندہ رکھنے کے لیے اگر کچھ لکھتے بھی ہیں تو ڈرتے ڈرتے اندر کے صفحات پر۔ ٹی وی ریڈیو اگر اسلامی معاشرے کی بہتری کے لیے کوئی پروگرام نشر کرتے ہیں تو ان اوقات میں کہ جب کوئی نہیں دیکھتا سنتا اور لوگ بس سونے کی تیاری کر رہے ہوتے ہیں۔ ہم اپنے ابلاغ کے ذرائع کو سنسنی اور ہیجان سے دور رکھیں تاکہ لوگ اس کے منفی اثرات سے بچ سکیں اور انہیں اتنا با اعتماد و مؤثر بنائیں کہ عوام کی توجہ خود بخود اس جانب مبذول ہو جائے۔

---

(۱) تقی عثمانی، ۱۹۴۳ء کو دیوبند ضلع سہانپور میں پیدا ہوئے۔ پاکستان ہجرت کے بعد دارالعلوم کراچی سے ۱۹۵۱ء میں تکمیل علوم حاصل کی۔ کثیر کتب کے مصنف ہیں، شرعی کورٹ میں جسٹس بھی رہے، اور خدمت دین میں مصروف ہیں۔ (اکابر علماء دیوبند، ص:۵۵۱)

(۲) ماہنامہ البلاغ، مفتی تقی عثمانی، شمارہ نمبر ۱۰۷، ۱۹۸۰ء، ص:۴۳

(۳) ایضاً، ص:۴۳

لوگوں کو ذہنی انتشار، توہمات اور برے رسوم ورواج سے بچانے اور ان کی اصلاح کرنے کے لیے ذرائع ابلاغ سے مدد لی جاسکتی ہے۔ ان میں سینما، ٹی وی اور ریڈیو نہایت کارآمد اور مفید تشہیری ذرائع ہیں۔ مغربی ممالک نے ان وسائل سے قومی تعمیر وترقی میں بڑا کام لیا ہے لیکن ہمارے یہاں ان کو صرف تفریح کا سامان سمجھا جاتا ہے اور ان سے جس طرح کام لیا جارہا ہے وہ معاشرے کے حق میں مفید سے زیادہ مضر ثابت ہوتا ہے۔

کروڑوں لوگ سینما اور ٹی وی دیکھتے ہیں۔ اگر اصلاحی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر سبق آموز فلمیں بنائی جائیں تو ان کے ذریعے بڑے وسیع پیمانے پر مثبت رویے کی تشہیر ہوتی رہے گی اور نفسیاتی اُلجھنوں وبرائیوں کی اصلاح کرنے کا احساس عوام میں بیدار ہو جائے گا۔ معاشرتی خرابیوں سے متعلق تمام حقائق اور معقول دلائل پیش کر کے اصلاحی مہم کو مقبول وکامیاب بنایا جاسکتا ہے۔

قانون واحکامات کی تعمیل

رسوم ورواج چونکہ انسانی طبعی فطرت میں رچا بسا ہے اور پھر باعثِ پسندیدگی بار بار انہیں اختیار کرتا ہے۔ کسی بھی ملک میں ان رسوم ورواج کا مذہب یا ملکی قانون سے براہ راست تصادم نہ ہو حکومت یہ حق نہیں رکھتی کہ لوگوں کو نجی زندگی میں مداخلت کرسکے۔ لیکن اگر یہی رسم ورواج انسانوں کی تفریح اور خوشیوں کی بجائے بوجھ اور دکھ کا باعث بن جائیں۔ ان کا ٹکراؤ مذہب اور سماجی مثبت رویوں سے ہونا شروع ہو جائے تو قانون کی مداخلت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اس صورتحال سے نمٹنے کی خاطر مناسب قانون سازی کرنا حکومت وقت کا اولین فریضہ بن جاتا ہے۔ حکومت نہ صرف قانون سازی کرے بلکہ اس پر عمل درآمد کو بھی یقینی بنائے تاکہ ملک میں امن وامان برقرار رہے۔ تمام افراد ایک جیسی عادات وطبائع کے حامل نہیں ہوتے۔

اسلام نے ایسی کامل شریعت متعارف کرائی ہے جس میں قانونِ عدل کو حکومت کا نظام قائم رکھنے کے لیے اساسی حیثیت ہے قانونِ عدل کے تصور سے ہٹ کر کسی بھی نظم وجماعت اور حکومت کا شیرازہ بکھر جائے گا اور ہر کسی کی جان ومال اور عزت کی سلامتی نہ رہے گی۔ کسی معاشرے میں حکومت کی فعالیت کا خاتمہ جیسا کہ عیسائیت میں پوپ نے اس کو پیش کیا جس سے عملاً عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق بھی تورات کے قانونِ عدل کا خاتمہ کر ہو گیا، تاریخ انسانی میں ایسا قانون کبھی قابل عمل یا دیرپا نہیں رہا جو عدل کے برخلاف رہا ہو۔ عیسائیت کی موجودہ تاریخ شاہد ہے کہ کسی قانونِ عدل کے ماسوا محض اخلاقیات کے سہارے پر خطہ ارضی پر امن وامان کا قیام ممکن نہیں اور اخلاقیات سے نہ ہی معاشرتی برائیوں کا خاتمہ ہو سکا ہے۔[1]

---

(۱) دیکھیے: سیرت النبی ﷺ، ۶/ ۳۷۰

ہمارے معاشرے میں توہم پرستی کے بے شمار مظاہر ہیں۔ کچھ فرد کی نجی زندگی سے متعلق ہے اور ان کے اثرات سماج پر یا سماج کے کسی اور فرد پر مرتب نہیں ہوتے۔ ان مظاہر میں اصلاح کی کوشش کی جائے اور اصلاح کے لیے تعلیم و تربیت وغیرہ کا استعمال کیا جائے مگر توہم پرستی کے وہ مظاہر جو کہ متعدی ہیں یا ان کے اثرات خاندان پر یا سماج کے دیگر افراد پر بھی مرتب ہوتے ہیں تو اس صورت میں حکومت کو قانون سازی کی ضرورت ہے تا کہ سماج کے صحت مند رویے اور سلوک پر زد نہ پڑے اور معاشرہ غیر معقولیت کا نشانہ نہ بننے پائے۔

توہمات اور غیر معقول رسم و رواج ہر ملک کی خاص حالت اور قدیم اعتقادات کی بنا پر بزور زمانہ قائم ہو جاتے ہیں۔ نیز رسم و رواج قوموں کی تہذیب و ثقافت، اخلاق و مذہبی عقائد اور طرز معاشرت پر گہرا اثرات رکھتے ہیں اور قوموں کے عروج و زوال میں معاون ہوتے ہیں۔

ماحول کی تبدیلی

امراض سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے تبدیلی ماحول کی اہمیت سے انکار نہیں کی جا سکتا جدید دور میں مفید اور قدرے کامیاب طریقہ علاج متصور ہے۔ کبھی مریض پر بیماری خاص ماحول میں اثر انداز ہوا کرتی ہے یعنی وہ ایسے ماحول میں رہ رہے ہوتے ہیں جہاں جہالت یا بعض دیگر عوامل کی وجہ سے توہمانہ تصورات کا غلبہ ہوتا ہے۔ لہذا ایسے آدمی کے لیے بہتر ہے اس کو ماحول سے الگ کر دیا جائے تا کہ وہ اس مرض سے چھٹکارا حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ اور بعض اوقات خاندان اور اس کی بعض سخت ذمہ داریوں کی وجہ سے بھی توہم پرستی لاحق ہو جاتی ہے اس صورت میں ایسے شخص کو خاندان سے کچھ عرصہ کے لیے جدا رکھنے میں فائدہ ہو گا۔ کیونکہ ہر وقت پریشانی کے ماحول میں وقت گزارنے کی وجہ سے بھی ذہنی اضطراب اور توہماتی رویہ تشکیل پا جاتا ہے۔

اچھا ماحول کا انسان پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ لہذا انسان اپنے ارد گرد کے ماحول سے شعور کی تربیت لیتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَكُونُواْ مَعَ ٱلصَّـٰدِقِينَ ﴾ (۱)

ترجمہ: اے مومنو! اللہ کے لیے تقوی اختیار کرو، اور سچے لوگوں کی معیت میں رہا کرو۔

﴿ وَٱلْبَلَدُ ٱلطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُۥ بِإِذْنِ رَبِّهِۦ ۖ وَٱلَّذِى خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ... ﴾ (۲)

---

(۱) التوبۃ ۹:۱۱۹

(۲) الاعراف ۷:۵۸

ترجمہ: اور پاک وزرخیز زمین اپنے رب کے حکم سے سبزیاں اگاتی ہے اور بنجر وناکارہ زمین میں نکمی چیز کے علاوہ کچھ نہیں اگتا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«المرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ».(۱)

ترجمہ: آدمی اسی کے ساتھ ہوتا ہے جن سے محبت کا تعلق رکھتا ہے۔

انسانی زندگی پر تبدیلئ ماحول وتربیت کا اثر ہوتا ہے۔ انہی علوم کی روشنی سے استفادہ کرتے ہوئے یہ بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ صحت مند ماحول کی تبدیلی انسانی ترقی کے وجوہات میں سے اہم وجہ ہے جو خاص طور پر من جانب اللہ ودیعت کیے جاتے ہیں اچھے ماحول کی فراہمی میں تربیتِ انسانی کا وافر حصہ موجود ہوتا ہے جو کہ انسان کی زندگی پر مثبت اثر رکھتا ہے۔

مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"شاذونادر کو چھوڑ کر اہم ختلافاتِ باہمی کے باوجود تمام انسان یکساں طور پر شرافت، حق سچائی اور اسی قسم کے فضائل کے خواہشمند ہیں۔ اگرچہ ان کے اس میلان وخواہش میں ضعف وقوت کے اعتبار سے کسی قسم کا اختلاف کیوں نہ ہو۔ اور صحیح تربیت اس میلان میں قوت فراہم کر دیتی ہے، اور آدمی کو اخلاق کاملہ کے اس انتہائی درجہ پر پہنچا دیتی ہے جہاں تک پہنچنا اس کے امکان وقدرت میں ہے۔ اسی طرح بُری تربیت اس رجحان کو کمزور کرتی رہتی ہے اور کبھی فنا کے گھاٹ بھی اتار دیتی ہے۔"(۲)

مزید لکھتے ہیں:

"ماحول کی دو قسمیں ہیں ایک طبیعی (مادی) اور دوسری اجتماعی (روحی)۔ طبیعی ماحول جس کا تعلق جسم کی نشوونما اور اس کی حیات سے ہے اسی قسم کے ماحول میں جغرافیائی اور موسمی اثرات کے تحت تہذیب و تمدن اور ثقافتی پہلوؤں کا نمودار ہونا ہے۔ طبیعی ماحول کی تبدیلی بھی انسانی اخلاق وکردار اور امراض کی صحت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ماحول کی دوسری قسم اجتماعی (روحانی ماحول) ہے، یہ نظم اجتماعی کا نام ہے جو انسان کی جماعتی زندگی کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ مثلاً مدرسہ، قیام گاہ، شعائر دینیہ، معتقدات، افکار، علم وفن وغیرہ۔ انسان جب تک غیر متمدن رہتاہے اس پر طبیعی (مادی) ماحول کے اثر کا غلبہ ہوتا ہے نیز جب اس کو تمدن کی ہوا لگتی ہے تو اس میں اجتماعی (روحانی) ماحول کا اثر سرایت کرنے لگتاہے۔"(۳)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب علامة حب الله عزوجل، حدیث نمبر:٦١٦٨، ٣٩/٨

(۲) اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص:۱۷،۱٦

(۳) ایضاً، ص:۵٦،۵۴

ماحول کا اثر انسان پر اس شدت سے ہوتا ہے اگر اس کی نشوونما اچھے ماحول و علاقے، عمدہ سکول میں تعلیم اور مہذب رفقاء کی صحبت میسر آئی ہو تو اس سے عمدہ اخلاق و کردار کا صدور ہوگا اور اس کی زندگی میں فطری توازن نظر آئے گا۔ اس کے برعکس متضاد ماحول سے معاشرہ میں شر و فساد کا اندیشہ یقینی ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ موسمیاتی تبدیلیاں بھی انسان پر نفسیاتی طور پر شدید طریقے سے اثر انداز ہوتی ہیں۔ بعض لوگوں کو سخت گرمیوں میں دماغی الجھن کا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ وہ ہر وقت کڑھتے رہتے ہیں، ناراض محسوس ہوتے ہیں اور لڑنے پر آمادہ لگتے ہیں یہ عوامل بھی توہماتی رویے کو جنم دینے کا ایک ذریعہ ہیں۔ اس کا بہترین علاج ماحول کی تبدیلی ہے۔

ماحول اور حالات کو تبدیل کرنے کے لیے خارجی عوامل کی تبدیلی داخلی مداخلت بھی ضروری ہوتی ہے کیونکہ معاشرہ کی تبدیلی کا سب سے پہلے احساس داخلی ہوتا ہے جس کی معاونت ماحول کے دیگر ذرائع کرتے ہیں۔ اس لیے قرآن مجید میں اصلاح معاشرہ اور تغیر احوال کے لیے جزولاینفک ہے کہ افراد اپنے حالات کو بدلنے کے لیے خودآمادگی کا مظاہرہ کریں۔ قرآن مجید میں ارشاد الہٰی ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنفُسِهِمۡ﴾ (۱)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا کسی قوم کی (اچھی یا بری) حالت کو جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے۔

خلاصہ کلام: توہماتی رویے کی تشکیل میں بعض اوقات کام کی جگہ یا کام کی نوعیت بھی شامل ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ جس جگہ کام کرتے ہیں وہاں وہ ذہنی اور شعوری طور پر مطمئن نہیں ہوتے۔ وہ زیادہ حساس ہوتے ہیں مگر دیگر عملہ اور سربراہان اس کی طبعی حساسیت کی طرف دھیان نہیں دیتے لہٰذا وہ عدم اطمینان اور بوجھل کی کیفیت میں آجاتا ہے اور یہ خواہش دل میں جاگزیں ہونے لگتی ہے، کہ اس کی ذہنی حالت کو سمجھا جائے یا پھر دوسرا کام حاصل کیا جائے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ کام کے اوقات کے بعد قدرے بہتر محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ کام کو چھوڑ دے یا اس کے احباب و دوست اگر اس کی حالت سے واقف ہیں۔ تو اس کی مدد کریں تاکہ وہ ایک بہتر زندگی جینے کے حق سے لطف اندوز ہو سکے۔ اسی طرح کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ کام کی جگہ اور عملے سے کوئی شکایت نہیں ہوتی مگر کام کی نوعیت سے وہ قلبی اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ اس حالت میں بھی رشتہ دار اور دوستوں کا فریضہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ تعاون یا کسی تبدیلی ماحول کا انتظام کریں۔ ماحول کی یہ تبدیلی اس کے لیے انتہائی قیمتی ثابت ہو سکتی ہے۔

---

(۱) الرعد ۱۳:۱۱

خلاصہ بحث

معاشرتی اقدار اور سماجی رویے انسانی فطرت پر اثر انداز ہوتے ہیں یوں انسان کبھی توحید خالص کے فطری داعیہ سے ہٹ جاتا ہے جس کا انسان کو مکلف بنایا گیا ہے۔ اور عقل وشعور کے فطری تقاضے سے ہٹ کر مظاہر پرستی میں مبتلا ہو کر توہمات کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسلام میں بدشگونی (تطیر) کی ایسی اقسام کو منع کرتا ہے جس میں توکل علی اللہ سے روگردانی کی جاتی ہو۔ دینِ اسلام میں بدشگونی (تطیر) حرام ہے کیونکہ یہ انسان کو شرک تک لے جاتی ہے۔

معلوم انسانی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان اَن دیکھی، فوق العادت، عجیب اور نادر مخلوقات سے سے خوف کھاتے ہوئے ایسے رسومات وعقائد کی طرف مائل ہوا، اور ناقص عقل سے توہماتی رویہ اختیار کرنے لگا۔ اسلام تطیر یعنی بدشگونی کو حرام قرار دیتا ہے تو دوسری جانب انسانی فطرت اور طبعی تقاضے کو فال کے زُمرے میں اس حد تک جائز رکھتا ہے جو توہمات کی رسوم سے مبرا ہو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد کے منافی نہ ہو۔

انسانی معاشرے میں سب سے پہلے رسومات اپنی ہیئت میں شرکیہ امور کی طرف تبدیلی کا شکار ہوتیں ہیں۔ انسانی خیالات، روایات اور تصورات اس کو کسی نہ کسی مذہب کا پابند کرتے ہیں۔ اور مذاہب میں موجود کچھ ایسی سماجی رسومات ہوتی ہیں جو انسان کو مظاہر فطرت سے مظاہر پرستی کی طرف لے جاتی ہیں۔ مذاہب عالم کی تاریخ توہم پرستی کی ابتدا کو سمجھنے کے لیے مدد فراہم کرتی ہے۔ قربانی اور یقین تقریباً تمام مذاہب میں مشترک روایات ہیں، اسی یقین کو منفی صورت میں استعمال کرتے ہوئے توہمات کو فروغ ملتا ہے انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ توہمات اس کے زعم میں تسکین فراہم کرتیں ہیں۔ مذہب کے حوالے سے قدیم تاریخ سے عیاں ہوتا ہے کہ سامی اور غیر سامی مذاہب کے ماننے والوں میں توہمات وخرافات کو دینی شعائر کا رتبہ حاصل رہا ہے۔ اعتقادات کی بنیاد وہم وخیال سے شروع ہو کر ظن اور یقین کی حد میں داخل ہو جاتی ہے رفتہ رفتہ ان کو مذہبی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ عرب کا جاہلی معاشرہ بھی توہمات انہیں سے مستعار لیتا نظر آتا ہے۔ عربوں کے انہی عقائد ونظریات کو قرآن سابقین اور آباؤ اجداد کے توہمات وخرافات کہہ کر رد کرتا ہے۔

توہم پرستی مذہبی، معاشرتی مسئلہ ہے انسانی تعلق کے باعث یہ نفسیاتی مرض بھی ہے۔ توہم پرستی کے اثرات انسان کی شخصیت پر ظاہری وباطنی طور پر مرتب ہوتے ہیں لہذا معاشرتی سطح پر توہماتی رسومات کی صورت میں اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ قرآن وحدیث اس کا مذہبی، نفسیاتی اور معاشرتی سطح پر علاج تجویز کرتا ہے۔

چنانچہ امراضِ باطنہ حسد، حرص، غصہ جیسے نفسیاتی امراض انسان کے ذہن وشعور اور اخلاق وکردار کو متاثر کرتے ہیں۔ لیکن اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے انسان معاشرتی وسماجی اور انفرادی واجتماعی سطح پر توہم پرستی جیسے خطرناک مرض سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے۔

نتائج

۱) توہم پرستی ایک معاشرتی مسئلہ اور اسلام میں بدشگونی (تطیر) کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۲) توہم پرستی شرک کی بنیادوں پر قائم ہوتی ہے یا پھر شرک کی طرف لے جاتی ہے جو اسلام میں حرام ہے۔

۳) انسانی فطرت کو مد نظر رکھتے ہوئے، اسلام میں نیک شگونی (فال) جائز ہے جو توہمات کے عناصر سے پاک اور اللہ تعالیٰ پر توکل خلاف نہ ہو۔

۴) مذاہب عالم میں توہم پرستی کی جڑیں موجود رہی ہیں، ان میں کچھ عناصر حسّی یا صوری شکل میں مشترک نظر آتے ہیں۔

۵) توہمات اور خرافات انسان کی حساسیت اور خوف کے تحت بھی جنم لیتے ہیں جنہیں علم کا سہارا میسّر نہیں ہوتا، آہستہ آہستہ یہی توہمات معاشرے میں تقدس کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔

۶) مظاہر پرستی تقریباً دنیا کے ہر مذہب اور گروہ میں پائی جاتی ہیں حتی کہ سیکولر اور عہد حاضر کے معاشرے بھی اس سے مبرا نہیں۔

۷) مختلف مظاہر کی پرستش کرنے کی وجہ سے ہر قوم وقبیلہ کا اپنا معبود بن جاتا ہے جس سے قومی اور انسانی سطح پر تفرقہ اور انتشار جنم لیتا ہے۔

۸) مظاہر پرستی سے حقیقی روحانیت کی بجائے دنیا پرستی (مادیت) کو فروغ ملتا ہے۔

۹) توہم پرستی ایک نفسیاتی بیماری ہے جبکہ اس کا اثر محض باطنی کیفیات پر نہیں ہوتا بلکہ فرد کے ظاہری افعال و سکنات پر بھی اس کے اثرات واضح نظر آتے ہیں۔

۱۰) مصائب و مشکلات انسان کو اَن جانے خوف اور توہمات کا شکار بنا دیتے ہیں، جس سے انسان کئی جسمانی ونفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

۱۱) بعض اوقات کامیابی اور عروج کے زوال کا خوف بھی عجیب وغریب توہمات کا شکار بنا دیتا ہے۔

۱۲) معاشرتی سطح پر تعلیمی وتربیتی ماحول تشکیل دینے سے معاشرتی توہمات کی روک تھام ممکن ہو سکتی ہے۔

سفارشات

بفضل الٰہی مقالہ ہذا انسانی معاشرے میں توہم پرستی کے اسباب، اثرات اور تدارک کے حوالے سے اہم کاوش ہے۔ توہم پرستی ایک انسانی مسئلہ ہے جس کا تعلق کسی بھی مذہب یا طرزِ معاشرت سے ہو سکتا ہے۔ انسانی وحدت کی تشکیل اور پرامن معاشرہ کی تعمیر نو میں جو غلط فہمیاں اور مشکلات پیدا ہو رہی ہیں اس میں ایک وجہ توہم پرستی بھی ہے۔ مذاہب عالم میں اسلام عالمگیر اور آفاقی مذہب ہے اس کی تعلیمات میں تمام سماجی رویوں کی رہنمائی موجود ہے۔ اسلام نسلی، لسانی اور جغرافیائی تصوارت سے بالاتر ہو کر توہم پرستی کا نیک شگونی کی صورت میں فطری حل پیش کرتا ہے۔ تاہم توہم پرستی کے انسانی مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر مذکورہ تجاویز وسفارشات انتہائی موثر ثابت ہو سکتی ہیں۔

۱. اسلامی تعلیم وتربیت کو فروغ دیا جائے جوں جوں قوم تعلیم یافتہ اور باشعور ہوتی جائے گی توہمانہ رسومات معاشرے سے ختم ہونا شروع ہو جائیں گئیں۔

۲. انسانی معاشرہ کی تشکیل میں مذہب کا کردار مسلمہ حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے مختلف مذاہب میں موجود توہم پرستی کے عمرانی وسماجی پہلوؤں پر کام کرنے کی ضرورت واہمیت کے پیش نظر اس رجحان کو فروغ دینا چاہیئے کہ جس سے معاشرے میں توہم پرستی کی بنیادی وجوہات کم ہو سکیں۔ اس سلسلے میں اسلام کی آفاقی وہمہ گیر تعلیمات کو مد نظر رکھتے ہوئے نیک شگونی (فال) کے ان جائز اور فطری رویوں کو بیان کیا جانا چاہیے جس کی اسلام نے فطری تقاضوں کے تحت اجازت دی ہے۔

۳. اسلامی تعلیمات کا نفاذ؛ عبادات، اخلاقیات اور معاشرت کے تمام پہلوؤں پر عمل کی خاطر اسلامی آداب، دعاوں اور ماثور اذکار کی پابندی کی جائے کیونکہ یہ ہمیں نفسیاتی بیماریوں اور شیطانی وساوس سے بچاتی ہے۔

۴. ہمارے اداروں میں ایسے اساتذہ کا تقرر کیا جائے جو خود بھی تربیت یافتہ ہوں اور طلبہ میں اسلامی اقدار کو راسخ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ نیز دورانِ تدریس اس امر کا خیال رکھا جائے کہ ایسی تمام تعلیمات جو روحِ دین کے منافی ہوں، ان پر مناسب تنقیدی طریقہ کار اختیار کیا جائے، نیز ان داروں میں بنیادی دینی تعلیمات کا انتظام کیا جائے تاکہ طلبہ اسلام کی اصلیت اور اس کی روح سے مکمل واقفیت حاصل کر سکیں۔

۵. اسلامی معاشرے میں مسجد کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اس عمل کو مزید فعال بناتے ہوئے اصلاح معاشرہ کے لئے مسلم سوسائٹی بنائی جائے جو خاص طور پر ان رسومات کا تدارک کر سکے۔ وہاں ایسے امراض میں الجھے لوگوں کی تربیت (کاونسلنگ) کا اہتمام ہو اور ایک ایسے نظام کی تشکیل ممکن ہو جو غیر اسلامی نظریات پر گرفت کرے اور اسلامی تعلیمات کو فروغ دے۔

۶. توہم پرستی معاشرتی مسئلہ ہونے کے ناطے ایک نفسیاتی مرض بھی ہے۔ علم نفسیات (psychology) کی روشنی میں توہم پرستی کے اسباب اور عوامل اور طریقہ علاج پر مزید بحث و تحقیق کے کام کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے اور علم و تحقیق کے میدان میں نئی راہیں تلاش کی جاسکتی ہیں۔

۷. اسلامی تعلیمات کی حدود میں رہ کر تعلیمِ نسواں کو زیادہ سے زیادہ رواج دیا جاسکتا ہے۔ خواتین مردوں کے مقابلے میں رسومات کو زیادہ پابندی سے ادا کرتی ہیں اور اس کی ادائیگی میں کسی قبیل کے نقصان کی پرواہ نہیں کرتیں۔ پس خواتین کی اسلامی تعلیم و تربیت سے معاشرے میں توہماتی رسوم ختم ہو سکیں۔

۸. وسائلِ دولت کی تقسیم کا متوازن طریق کار وضع کیا جائے اور حکومت ایسے تمام ذرائع پر پابندی عائد کرے جو عوامی بہبود کے لئے ضرر رساں ہوں یا وہ ذرائع جو معاشرے میں شرکیہ رسومات کو فروغ دینے کا سبب بنتے ہوں۔

۹. سوشل میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے سے معاشرے میں توہم پرستی سے بچاؤ کی فعال سرگرمیاں، اور اس سے متعلق معلومات عوام تک پہنچانے کے مزید ذرائع پر تحقیقی، تجزیاتی اور ناقدانہ طرز پر اس موضوع کو وسعت دی جاسکتی ہے۔

۱۰. دینی اداروں اور صحیح اسلامی فکر رکھنے والے تمام ذرائع ابلاغ خصوصا انٹرنیٹ پر اپنی خدمات کو درست معلومات کے ساتھ پیش کرنے کی استعداد بہم پہنچا سکتے ہیں۔ یوں انٹرنیٹ پر پروگرام نشر کرنے سے نشریاتی دائرہ کار اور حلقہ فکر میں اضافہ ممکن ہو سکے گا۔

۱۱. گلوبلائزیشن کے عالمی تناظر میں مسلم ممالک کے سماجی، سیاسی اور معاشی مسائل میں اشترک نظر آتا ہے۔ اور ان مسائل میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے ایسے میں عالمِ اسلام کے لیے لازم ہے کہ وہ اسلامی ممالک کی تنظیم (O.I.C) کو ایک مضبوط اور فعال ادارہ بنائیں، اور اس معاشرتی و انسانی مسئلہ کے حل کے لیے او۔ آئی۔ سی کی زیرِ نگرانی علمائے اسلام کا ایک گرینڈ الائنس "عالمی مجلسِ شوری" کی حیثیت میں تشکیل دیا جائے جس کی تجاویز کی روشنی میں توہم پرستی کی اجتماعی سطح پر روک تھام ممکن ہو سکے۔

فہرست آیات

نمبر شمار	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱.	ٱلَّذِينَ يُؤۡمِنُونَ بِٱلۡغَيۡبِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَمِمَّا رَزَقۡنَٰهُمۡ يُنفِقُونَ...	البقرۃ	۳-۵	۱۹۵
۲.	يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱعۡبُدُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِي خَلَقَكُمۡ وَٱلَّذِينَ مِن...	″	۲۱	۲۱۳
۳.	فَإِمَّا يَأۡتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدٗى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوۡفٌ...	″	۳۸	۲۶۴
۴.	وَإِيَّٰيَ فَٱرۡهَبُونِ	″	۴۰	۲۸۴
۵.	وَإِذۡ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوۡمِهِۦٓ إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُكُمۡ أَن تَذۡبَحُواْ...	″	۶۷	۱۱۴
۶.	وَلَقَدۡ عَلِمُواْ لَمَنِ ٱشۡتَرَىٰهُ مَا لَهُۥ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ مِنۡ خَلَٰقٖۚ...	″	۱۰۲-۱۰۳	۱۸۶
۷.	وَقَالُواْ لَن يَدۡخُلَ ٱلۡجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا...	″	۱۱۱	۱۱۱
۸.	بَلَىٰۚ مَنۡ أَسۡلَمَ وَجۡهَهُۥ لِلَّهِ وَهُوَ مُحۡسِنٞ فَلَهُۥٓ أَجۡرُهُۥ...	″	۱۱۲	۲۳۷
۹.	إِنَّ فِي خَلۡقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ وَٱخۡتِلَٰفِ ٱلَّيۡلِ...	″	۱۶۴	۲۶۶
۱۰.	يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُواْ مِمَّا فِي ٱلۡأَرۡضِ حَلَٰلٗا طَيِّبٗا...	″	۱۶۸	۳۷
۱۱.	وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ٱتَّبِعُواْ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ قَالُواْ بَلۡ نَتَّبِعُ...	″	۱۷۰	۲۲۳
۱۲.	وَمِنۡهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَآ ءَاتِنَا فِي ٱلدُّنۡيَا حَسَنَةٗ...	″	۲۰۱	۳۶
۱۳.	وَيَسۡـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَۖ قُلِ ٱلۡعَفۡوَۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ...	″	۲۱۹	۴۳
۱۴.	وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ إِنَّ ءَايَةَ مُلۡكِهِۦٓ...	″	۲۴۸	۱۲۱
۱۵.	لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِۖ...	″	۲۵۶	۴۰
۱۶.	يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تُبۡطِلُواْ صَدَقَٰتِكُم بِٱلۡمَنِّ...	″	۲۶۴	۳۰

۱۷.	ٱلشَّيۡطَٰنُ يَعِدُكُمُ ٱلۡفَقۡرَ وَيَأۡمُرُكُم بِٱلۡفَحۡشَآءِۖ...	؍	۲۶۸	۲۴۸
۱۸.	يُؤۡتِي ٱلۡحِكۡمَةَ مَن يَشَآءُۚ وَمَن يُؤۡتَ ٱلۡحِكۡمَةَ...	؍	۲۶۹	۳۳
۱۹.	وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْۚ...	؍	۲۷۵	۳۸
۲۰.	إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلۡإِسۡلَٰمُۗ...	آل عمران	۱۹	IX
۲۱.	وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيَّ مِنَ ٱلتَّوۡرَىٰةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم...	؍	۵۰	۱۲۹
۲۲.	كُلُّ ٱلطَّعَامِ كَانَ حِلّٗا لِّبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ...		۹۳	۱۲۳
۲۳.	يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ...	؍	۱۰۲	۲۱۲
۲۴.	وَٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتَ ٱللَّهِ عَلَيۡكُمۡ إِذۡ كُنتُمۡ أَعۡدَآءٗ فَأَلَّفَ...	؍	۱۰۳	۳۱
۲۵.	وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٞ يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ...	؍	۱۰۴	۲۷۱
۲۶.	إِذۡ تُصۡعِدُونَ وَلَا تَلۡوُۥنَ عَلَىٰٓ أَحَدٖ...	؍	۱۵۳	۲۸۹
۲۷.	وَشَاوِرۡهُمۡ فِي ٱلۡأَمۡرِ...	؍	۱۵۹	۳۹
۲۸.	يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفۡسٖ وَٰحِدَةٖ...	النساء	۱	۲۱۳
۲۹.	وَلَا تَتَمَنَّوۡاْ مَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بِهِۦ بَعۡضَكُمۡ عَلَىٰ بَعۡضٖۚ...	؍	۳۲	۲۷۸
۳۰.	وَإِذَا حَكَمۡتُم بَيۡنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحۡكُمُواْ بِٱلۡعَدۡلِۚ	؍	۵۸	۴۱
۳۱.	وَمَن يَفۡعَلۡ ذَٰلِكَ ٱبۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ ٱللَّهِ فَسَوۡفَ نُؤۡتِيهِ...	؍	۱۱۴	۳۱
۳۲.	إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغۡفِرُ أَن يُشۡرَكَ بِهِۦ وَيَغۡفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ...	؍	۱۱۶	XI
۳۳.	وَلَقَدۡ وَصَّيۡنَا ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ مِن قَبۡلِكُمۡ...	؍	۱۳۱	۲۱۱
۳۴.	مُّذَبۡذَبِينَ بَيۡنَ ذَٰلِكَ لَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ...	؍	۱۴۳	۲۳۶

٣٥.	ٱعۡدِلُواْ هُوَ أَقۡرَبُ لِلتَّقۡوَىٰ...	المائدۃ	٨	٤١
٣٦.	وَقَالَتِ ٱلۡيَهُودُ وَٱلنَّصَٰرَىٰ نَحۡنُ أَبۡنَٰٓؤُاْ ٱللَّهِ وَأَحِبَّٰٓؤُهُۥۚ...		١٨	١١٠
٣٧.	وَٱتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَأَ ٱبۡنَيۡ ءَادَمَ بِٱلۡحَقِّ إِذۡ قَرَّبَا قُرۡبَانٗا...	؍	٢٧- ٣٠	٢١٠
٣٨.	مَّا ٱلۡمَسِيحُ ٱبۡنُ مَرۡيَمَ إِلَّا رَسُولٞ قَدۡ خَلَتۡ مِن قَبۡلِهِ ٱلرُّسُلُ...		٧٥	١٣٠
٣٩.	وَكُلُواْ مِمَّا رَزَقَكُمُ ٱللَّهُ حَلَٰلٗا طَيِّبٗاۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ...	؍	٨٨	٣٧
٤٠.	مَا جَعَلَ ٱللَّهُ مِنۢ بَحِيرَةٖ وَلَا سَآئِبَةٖ وَلَا وَصِيلَةٖ وَلَا حَامٖ...	؍	١٠٣- ١٠٤	٢٢٣
٤١.	وَجَعَلُواْ لِلَّهِ شُرَكَآءَ ٱلۡجِنَّ وَخَلَقَهُمۡۖ وَخَرَقُواْ لَهُۥ...	الأنعام	١٠٠	١٥٤
٤٢.	وَٱلۡبَلَدُ ٱلطَّيِّبُ يَخۡرُجُ نَبَاتُهُۥ بِإِذۡنِ رَبِّهِۦۖ وَٱلَّذِي خَبُثَ...	الأعراف	٥٨	٣٠٢،٢٦٥
٤٣.	فَلَا يَأۡمَنُ مَكۡرَ ٱللَّهِ إِلَّا ٱلۡقَوۡمُ ٱلۡخَٰسِرُونَ	؍	٩٩	٢٨٤
٤٤.	فَإِذَا جَآءَتۡهُمُ ٱلۡحَسَنَةُ قَالُواْ لَنَا هَٰذِهِۦۖ وَإِن تُصِبۡهُمۡ...	؍	١٣١	٥٤
٤٥.	وَجَٰوَزۡنَا بِبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ٱلۡبَحۡرَ فَأَتَوۡاْ عَلَىٰ قَوۡمٖ...	؍	١٣٨	١١٣
٤٦.	وَٱتَّخَذَ قَوۡمُ مُوسَىٰ مِنۢ بَعۡدِهِۦ مِنۡ حُلِيِّهِمۡ عِجۡلٗا...	؍	١٤٨	١١٣
٤٧.	إِنَّ ٱلَّذِينَ ٱتَّقَوۡاْ إِذَا مَسَّهُمۡ طَٰٓئِفٞ مِّنَ ٱلشَّيۡطَٰنِ...	؍	٢٠١	٢٨٢
٤٨.	وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّمَآ أَمۡوَٰلُكُمۡ وَأَوۡلَٰدُكُمۡ فِتۡنَةٞ...	الأنفال	٢٨	٢٤٤
٤٩.	قُل لَّن يُصِيبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَنَا هُوَ مَوۡلَىٰنَاۚ...	التوبة	٥١	٢٤٢
٥٠.	ٱلتَّٰٓئِبُونَ ٱلۡعَٰبِدُونَ ٱلۡحَٰمِدُونَ ٱلسَّٰٓئِحُونَ...	؍	١١٢	٢٧١
٥١.	يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَكُونُواْ مَعَ ٱلصَّٰدِقِينَ	؍	١١٩	٣٠٢
٥٢.	فَإِن تَوَلَّوۡاْ فَقُلۡ حَسۡبِيَ ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَۖ عَلَيۡهِ...	؍	١٢٩	١٩٠

۵۳.	وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ...	یونس	۱۸	۱۴۷
۵۴.	هُوَ ٱلَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى ٱلْفُلْكِ...	"	۲۲-۲۳	۲۰۹
۵۵.	أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ	"	۶۲	۲۳۷
۵۶.	يَٰقَوْمِ إِن كُنتُمْ ءَامَنتُم بِٱللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوٓاْ	"	۸۴	۱۹۸
۵۷.	إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ	یوسف	۲	۲۶۲
۵۸.	إِنِ ٱلْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ...	"	۴۰	۳۹
۵۹.	إِنَّهُۥ لَا يَاْيْـَٔسُ مِن رَّوْحِ ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْقَوْمُ ٱلْكَٰفِرُونَ	"	۸۷	۲۸۴
۶۰.	لَقَدْ كَانَ فِى قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ ۗ مَا كَانَ...	"	۱۱۱	۲۶۳
۶۱.	إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنفُسِهِمْ...	الرعد	۱۱	۳۰۴
۶۲.	ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ ٱللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ ٱللَّهِ...	"	۲۸	۲۱۶
۶۳.	وَنَزَعْنَا مَا فِى صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَٰنًا عَلَىٰ سُرُرٍ...	الحجر	۴۷	۲۷۸
۶۴.	إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ ٱلْمُخْلَصِينَ	"	۴۰	۲۰۲
۶۵.	إِنَّ عِبَادِى لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَٰنٌ إِلَّا مَنِ ٱتَّبَعَكَ...	"	۴۲	۲۰۲
۶۶.	وَعَلَٰمَٰتٍ ۚ وَبِٱلنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ	النحل	۱۶	۱۸۲
۶۷.	فَسْـَٔلُوٓاْ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ	"	۴۳	۲۲۴
۶۸.	إِنَّهُۥ لَيْسَ لَهُۥ سُلْطَٰنٌ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ...	"	۹۹	۲۰۱
۶۹.	وَضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ ءَامِنَةً مُّطْمَئِنَّةً...	"	۱۱۲	۲۰۸
۷۰.	ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ...	"	۱۲۵	۲۷۱

۷۱.	وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ...	بنی اسرائیل	۷۰	۴۲
۷۲.	وَنُنَزِّلُ مِنَ ٱلْقُرْءَانِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ...	″	۸۲	۲۷۷
۷۳.	ذَٰلِكَ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ ٱلْحَقِّ ٱلَّذِى فِيهِ يَمْتَرُونَ...	مریم	۳۴-۳۵	۱۳۱
۷۴.	إِنَّمَآ إِلَٰهُكُمُ ٱللَّهُ ٱلَّذِى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ ...	طه	۹۸	۱۹۰
۷۵.	وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِى فَإِنَّ لَهُۥ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُۥ...	″	۱۲۴	۲۱۷
۷۶.	خُلِقَ ٱلْإِنسَٰنُ مِنْ عَجَلٍ...	الانبیاء	۳۷	۲۳۳
۷۷.	يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا...	المؤمنون	۵۱-۵۲	۲۱۱
۷۸.	وَٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِهِۦٓ ءَالِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْـًٔا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ...	الفرقان	۳	۱۹۵
۷۹.	قَالُوا۟ بَلْ وَجَدْنَآ ءَابَآءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ	الشعراء	۷۴	۲۲۵
۸۰.	قَالُوا۟ ٱطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَن مَّعَكَ قَالَ طَٰٓئِرُكُمْ عِندَ ٱللَّهِ...	النمل	۴۷	۵۴
۸۱.	قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ٱلْغَيْبَ إِلَّا ٱللَّهُ...	″	۶۵	۱۸۲
۸۲.	فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ ٱللَّهِ ٱلَّتِى فَطَرَ ٱلنَّاسَ ...	الروم	۳۰	۲۵۲
۸۳.	يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ ٱتَّقِ ٱللَّهَ وَلَا تُطِعِ ٱلْكَٰفِرِينَ وَٱلْمُنَٰفِقِينَ...	الاحزاب	۱	۲۱۲
۸۴.	لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ...	″	۲۱	۲۶۴
۸۵.	وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ...	الفاطر	۱۸	۳۱
۸۶.	قَالُوا۟ طَٰٓئِرُكُم مَّعَكُمْ أَئِن ذُكِّرْتُم بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ ...	یٰسین	۱۹	۵۲
۸۷.	وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِۦٓ أَلَا تَتَّقُونَ...	الصافات	۱۲۳-۱۳۲	۱۱۸
۸۸.	وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ نَزْغٌ فَٱسْتَعِذْ بِٱللَّهِ ...	فصلت	۳۶	۲۸۴

نمبر	آیت	سورۃ	آیت نمبر	صفحہ
۸۹.	فَمَآ أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَٰعُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَمَا عِندَ ٱللَّهِ خَيْرٌ...	الشوریٰ	۳۶	۱۹۹
۹۰.	وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ...	"	۳۸	۳۹
۹۱.	وَكَذَٰلِكَ مَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ...	الزخرف	۲۳	۲۴۹
۹۲.	إِنَّ ٱلَّذِينَ قَالُواْ رَبُّنَا ٱللَّهُ ثُمَّ ٱسْتَقَٰمُواْ فَلَا خَوْفٌ ...	الاحقاف	۱۳	۲۳۷
۹۳.	يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱجْتَنِبُواْ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ...	الحجرات	۱۲	۲۷۹
۹۴.	يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا...	"	۱۳	۴۱
۹۵.	وَفِيٓ أَمْوَٰلِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَٱلْمَحْرُومِ	الذاریات	۱۹	۴۳
۹۶.	وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ	"	۵۶	۲۶۴
۹۷.	مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي ٱلْأَرْضِ وَلَا فِيٓ أَنفُسِكُمْ...	الحدید	۲۲-۲۳	۱۹۶
۹۸.	وَرَهْبَانِيَّةً ٱبْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَٰهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ٱبْتِغَآءَ...	"	۲۷	۱۴۱
۹۹.	يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَءَامِنُواْ بِرَسُولِهِۦ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ...	"	۲۸	۲۰۷
۱۰۰.	إِنَّمَا ٱلنَّجْوَىٰ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ لِيَحْزُنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَلَيْسَ...	المجادلۃ	۱۰	۲۰۰
۱۰۱.	يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ...	الحشر	۱۸	۲۱۲
۱۰۲.	مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ وَمَن يُؤْمِنۢ بِٱللَّهِ...	التغابن	۱۱	۲۴۲
۱۰۳.	يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا...	التحریم	۶	۲۴۳
۱۰۴.	وَلَقَدْ زَيَّنَّا ٱلسَّمَآءَ ٱلدُّنْيَا بِمَصَٰبِيحَ وَجَعَلْنَٰهَا رُجُومًا لِّلشَّيَٰطِينِ...	الملک	۵	۱۸۲
۱۰۵.	قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَٱتَّبَعُواْ مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُۥ وَوَلَدُهُۥٓ...	نوح	۲۱-۲۳	۱۱۵
۱۰۶.	سَيَذَّكَّرُ مَن يَخْشَىٰ وَيَتَجَنَّبُهَا ٱلْأَشْقَى	الأعلیٰ	۱۰،۱۱	۲۱۰

۱۰۷.	فَأَمَّا ٱلۡإِنسَٰنُ إِذَا مَا ٱبۡتَلَىٰهُ رَبُّهُۥ فَأَكۡرَمَهُۥ وَنَعَّمَهُۥ...	الفجر	۱۵-۱۶	۲۳۴
۱۰۸.	فَأَلۡهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقۡوَىٰهَا قَدۡ أَفۡلَحَ مَن زَكَّىٰهَا وَقَدۡ خَابَ ...	الشمس	۸-۱۰	۲۵۱
۱۰۹.	لَقَدۡ خَلَقۡنَا ٱلۡإِنسَٰنَ فِيٓ أَحۡسَنِ تَقۡوِيمٖ	التين	۴	۴۲
۱۱۰.	وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ...	البينة	۵	۳۶

فہرست احادیث

نمبر شمار	حدیث کا متن	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
۱.	اتَّقِ اللهَ حَيْثُمَا كُنْتَ أَوْ أَيْنَمَا كُنْتَ	مسند احمد	۲۱۴
۲.	اتقِ الله لا تأتي يوم القيامة ببعيرٍ تحملهُ له رُغاء...	الترغیب الترهیب	۲۱۵
۳.	اتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ، وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ، وَصُومُوا شَهْرَكُم...	سنن الترمذی	۲۱۴
۴.	إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَقُلْ: اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي...	صحیح بخاری	۲۰۵
۵.	إِذَا عَلَا مَاؤُهَا مَاءَ الرَّجُلِ، أَشْبَهَ الْوَلَدُ أَخْوَالَهُ...	صحیح مسلم	۲۴۰
۶.	اسْأَلُوا اللَّهَ العَفْوَ وَالعَافِيَةَ، فَإِنَّ أَحَدًا لَمْ يُعْطَ بَعْدَ ...	سنن الترمذی	۲۳۱
۷.	اسْتَرْقُوا لَهَا، فَإِنَّ بِهَا النَّظْرَةَ	صحیح بخاری	۱۷۴
۸.	أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ، فَلَمَّا هَلَكُوا...	صحیح بخاری	۱۱۶
۹.	أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ...	صحیح مسلم	۱۸۳
۱۰.	أَلاَ أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ، وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ...	سنن الترمذی	۲۲۱
۱۱.	أَلاَ تَسْتَنْصِرُ لَنَا، أَلاَ تَدْعُو اللَّهَ لَنَا؟...	صحیح بخاری	۲۸۸
۱۲.	أَلاَ وَإِنَّ فِي الجَسَدِ مُضْغَةً: إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ...	صحیح بخاری	۲۱۹
۱۳.	أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ...	صحیح مسلم	۲۷۳
۱۴.	إِنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ لَمْ يَعْلَمُوهَا وَعَلِمْتُمُوهَا ...	صحیح بخاری	۱۹۴
۱۵.	إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ، فَعَلَيْكُمْ ...	سنن الترمذی	۲۶۸
۱۶.	إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ	صحیح بخاری	۲۸۱
۱۷.	إِنَّ اللَّهَ أَمَرَ يَحْيَى بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ...	سنن الترمذی	۲۱۸
۱۸.	أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلَقْحَةٍ عِنْدَهُ...	موطاامام مالک	۶۳
۱۹.	أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهُ...	سنن الترمذی	۵۹
۲۰.	أَنَّ النِّكَاحَ فِي الجَاهِلِيَّةِ كَانَ عَلَى أَرْبَعَةِ أَنْحَاءٍ...	صحیح بخاری	۱۶۹
۲۱.	إِنَّ الْوَلَدَ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ	سنن ابن ماجہ	۲۴۵
۲۲.	إِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ...	صحیح مسلم	۲۱۸
۲۳.	إِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ، فَفِي المَرْأَةِ، وَالفَرَسِ...	صحیح بخاری	۱۶۸

۲۴.	إِنَّ لِلْوُضُوءِ شَيْطَانًا، يُقَالُ لَهُ: الوَلَهَانُ...	سنن الترمذی	۲۹۱
۲۵.	إِنْ يَكُنْ مِنَ الشُّؤْمِ شَيْءٌ حَقٌّ، فَفِي الْفَرَسِ...	صحیح مسلم	۱۶۸
۲۶.	انْظُرُوا إِلَى مَنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ، وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ...	صحیح مسلم	۲۸۹
۲۷.	إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ	صحیح بخاری	۳۵
۲۸.	إِنَّمَا الشُّؤْمُ فِي ثَلاَثَةٍ: فِي الفَرَسِ، وَالمرْأَةِ، وَالدَّارِ	صحیح بخاری	۱۶۷
۲۹.	إِنَّمَا الطِّيَرَةُ فِي الْمَرْأَةِ، وَالدَّابَّةِ، وَالدَّارِ	مسند احمد	۱۶۷
۳۰.	إِنَّمَا الطِّيَرَةُ مَا أَمْضَاكَ، أَوْ رَدَّكَ	مسند احمد	۶۲
۳۱.	أَنَّهُ غَزَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ...	صحیح بخاری	۲۰۳
۳۲.	أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللهِ فِي سِرِّ أَمْرِكَ وَعَلَانِيَتِهِ	مسند احمد	۲۱۴
۳۳.	أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللهِ، وَالتَّكْبِيرِ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ	مسند احمد	۲۱۵
۳۴.	أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ...	سنن ابی داود	۲۱۳
۳۵.	إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحَدِيثِ	صحیح بخاری	۲۸۰
۳۶.	بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ...	سنن الترمذی	۲۷۲
۳۷.	تِلْكَ السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ بِالقُرْآنِ	صحیح بخاری	۲۲۲
۳۸.	تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْجِنِّ يَخْطَفُهَا الْجِنِّي...	صحیح مسلم	۱۸۴
۳۹.	التَّوَكُّلُ جِمَاعُ الْإِيمَانِ	شعب الإيمان	۱۹۸
۴۰.	حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الوَكِيلُ، قَالَهَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ...	صحیح بخاری	۲۰۴
۴۱.	خَلَقَ هَذِهِ النُّجُومَ لِثَلاَثٍ: جَعَلَهَا زِينَةً لِلسَّمَاءِ...	صحیح بخاری	۱۸۲
۴۲.	خَيْرُ الدَّوَاءِ الْقُرْآنُ	سنن ابن ماجہ	۲۲۲
۴۳.	خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي	سنن الترمذی	۲۴۳
۴۴.	الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ	سنن ابی داود	۲۹۲
۴۵.	الرُّؤْيَا مِنَ اللهِ، وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ	صحیح مسلم	۲۸۲
۴۶.	سَلِ اللَّهَ، العَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ	سنن الترمذی	۲۳۱
۴۷.	الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، ثَلَاثًا	سنن ابی داود	۶۸
۴۸.	الطِّيَرَةُ مِنَ الشِّرْكِ	سنن الترمذی	X

۴۹.	عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَأْبُ الصَّالِحِينَ قَبْلَكُم...	سنن الترمذی	۲۱۸
۵۰.	الْعِيَافَةُ، وَالطِّيَرَةُ، وَالطَّرْقُ مِنَ الْجِبْتِ	مسند احمد	۷۰
۵۱.	العَيْنُ حَقٌّ وَنَهَى عَنِ الوَشْمِ	صحیح بخاری	۱۷۴
۵۲.	فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِفَقُلْنَ وَبِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ...	صحیح بخاری	۲۴۴
۵۳.	كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَرَبَهُ أَمْرٌ...	سنن الترمذی	۲۳۲
۵۴.	كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُو مِنَ اللَّيْلِ...	صحیح بخاری	۲۰۵
۵۵.	كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الِاسْتِخَارَةَ...	صحیح بخاری	۱۷۸
۵۶.	كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ	صحیح بخاری	۲۵۱
۵۷.	كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالإِمَامُ رَاعٍ...	صحیح بخاری	۳۲
۵۸.	كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ	صحیح بخاری	۳۵
۵۹.	كَيْفَ أَنْتَ إِذَا بَقِيتَ فِي حُثَالَةٍ مِنَ النَّاسِ؟...	مسند احمد	۲۱۴
۶۰.	لاَ تَبَاغَضُوا، وَلاَ تَحَاسَدُوا، وَلاَ تَدَابَرُوا...	صحیح بخاری	۲۸۰
۶۱.	لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ مَقَابِرَ، إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ...	صحیح مسلم	۲۲۲
۶۲.	لَا تُخِيفُوا أَنْفُسَكُمْ بَعْدَ أَمْنِهَا ...	مسند احمد	۲۴۹
۶۳.	لاَ تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ القِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ...	سنن الترمذی	۳۷
۶۴.	لاَ طِيَرَةَ، وَخَيْرُهَا الفَأْلُ» قَالُوا: وَمَا الفَأْلُ...	صحیح بخاری	۱۷۴
۶۵.	لاَ عَدْوَى وَلاَ طِيَرَةَ، وَلاَ هَامَةَ وَلاَ صَفَرَ	صحیح بخاری	۶۷
۶۶.	لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ، وَيُعْجِبُنِي الفَأْلُ الصَّالِحُ...	صحیح بخاری	۵۹
۶۷.	لَا عَقْرَ فِي الْإِسْلَامِ	سنن أبي داود	۱۶۲
۶۸.	لاَ يَرُدُّ القَضَاءَ إِلاَّ الدُّعَاءُ، وَلاَ يَزِيدُ فِي العُمْرِ إِلاَّ البِرُّ	سنن الترمذی	۲۶۷
۶۹.	لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا...	صحیح مسلم	۲۸۶
۷۰.	لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا حَفَّتْهُمُ...	صحیح مسلم	۲۲۰
۷۱.	لاَ يَنْبَغِي هَذَا لِلْمُتَّقِينَ	صحیح بخاری	۳۵
۷۲.	لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ...	صحیح بخاری	۲۴۵
۷۳.	لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ	صحیح بخاری	۴۴

نمبر	متن	ماخذ	صفحہ
۷۴.	لست بخب ولا يخدعني الخب (قول عمر رضی اللہ عنہ)	إعلام الموقعين	۲۸۰
۷۵.	لَعَنَ اللَّهُ اليَهُودَ وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ...	صحیح بخاری	۱۱۶
۷۶.	اللهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالتُّقَى، وَالْعَفَافَ وَالْغِنَى	صحیح مسلم	۲۱۵
۷۷.	اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ، وَالْكَسَلِ، وَالْجُبْنِ	صحیح مسلم	۲۱۵
۷۸.	اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الهَمِّ وَالحَزَنِ	صحیح بخاری	۲۳۲
۷۹.	اللهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ، وَلَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ...	مسند احمد	۶۹
۸۰.	لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ، أَوْ تَكَهَّنَ...	مسند البزار	۶۹
۸۱.	مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَأْوِي إِلَى فِرَاشِهِ، فَيَقْرَأُ...	سنن الکبری للنسائی	۲۱۹
۸۲.	مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ...	صحیح بخاری	۲۵۲
۸۳.	مَثَلُ الجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ، كَحَامِلِ المِسْكِ ...	صحیح بخاری	۲۹۲
۸۴.	مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لاَ يَذْكُرُ رَبَّهُ...	صحیح بخاری	۲۲۰
۸۵.	المرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ	صحیح بخاری	۳۰۳
۸۶.	مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِي سِرْبِهِ مُعَافًى فِي جَسَدِهِ ...	سنن الترمذی	۲۳۰
۸۷.	مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ...	صحیح مسلم	۲۷۲
۸۸.	مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللَّهُ لَهُ...	سنن الترمذی	۲۶۹
۸۹.	مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ، فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ...	مسند احمد	۲۹۸
۹۰.	مَنْ مَاتَ وَهْوَ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ نِدًّا دَخَلَ النَّارَ	صحیح بخاری	۲۰۴
۹۱.	الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ، خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللهِ...	صحیح مسلم	۲۳۴
۹۲.	وَأَصْدَقُ الطِّيَرِ الْفَأْلُ	مسند احمد	۶۳
۹۳.	وَأَعِدُّوا لِلْبَلَاءِ الدُّعَاءَ	السنن الکبری للبیہقی	۲۶۷
۹۴.	وَاللَّهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللَّهُ بِهُدَاكَ رَجُلًا وَاحِدًا...	سنن ابی داود	۲۷۲
۹۵.	وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ...	صحیح مسلم	۲۵۳
۹۶.	وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ	صحیح مسلم	۱۶۸
۹۷.	وَمَا مِنَّا إِلَّا وَلَكِنَّ اللَّهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ	سنن ابی داود	۷۴
۹۸.	وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ أَقْوَى النَّاسِ فَلْيَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ	المستدرک علی الصحیحین	۲۰۰

۲۳۹	سنن النسائی	وَهَذَا عَسَى أَنْ يَكُونَ نَزَعَهُ عِرْقٌ	۹۹۔
۲۹۰	سنن ابن ماجہ	يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّمَا أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ...	۱۰۰۔
۲۸۱	مسند احمد	يَأْتِي الشَّيْطَانُ الْإِنْسَانَ فَيَقُولُ...	۱۰۱۔
۲۰۳	صحیح مسلم	يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَاب...	۱۰۲۔
۲۱۷	صحیح مسلم	يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ ثَلَاثَ...	۱۰۳۔
۲۱۸	صحیح بخاری	يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا...	۱۰۴۔
۲۰۶	صحیح بخاری	يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ...	۱۰۵۔

فہرست اشعار

نمبر شمار	اشعار		صفحہ نمبر
۱)	عباراتنا شتی و حسنك واحد	وكل إلیٰ ذاك الجمال يشير	۷
۲)	أكلت حنيفة ربها	زمن التقحم المجاعة	۱۴۸
۳)	وساربنا يغوث مراد فنا	جزينا هم قبل الصباح	۱۵۹
۴)	ابنی زوّدنی إذا فارقتنی	فی القبر راحلة برحل فاتر	۱۶۱
۵)	لو كنتَ يا ذاالخلص الموتورا	مثلی وكان شيخك المقبورا	۱۵۱
۶)	زعم الغداف أن رحلتنا غداً	وبذاك خبرنا الغراب الأسود	۱۶۰
۷)	ذَرِينی للغِنی أسعَ فإننی	رأيتُ الناسَ شرُهم الفقير	۱۶۴
۸)	تلك عرسی غضبی تريد زبالی	ألبين تريد أم الرلال	۱۶۴
۹)	متی تبعثوها تبعثوها ذميمة	وتضّر إذا ضريتموها فتضرم	۱۶۵
۱۰)	تھے بے گناہ جرأت پابوس تھی ضرور	کیا کرتے وہم خجلت جلاد آگیا	۴۶

فہرست شخصیات

نمبر شمار	نام شخصیت	صفحہ نمبر
۱.	ابن الأثیر، مجد الدین المبارک بن محمد الجزری (۵۴۴ھ-۶۰۶ھ)	۵۱و۵۸
۲.	ابن القیم، الجوزیۃ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر الدمشقی (۶۹۱ھ-۷۵۱ھ)	۴۹و۶۱،۶۴،۶۵،۶۶،۷۲،۲۲۰،۲۵۸
۳.	ابن تیمیہ، تقي الدین أبو العباس أحمد بن عبد الحلیم (۶۲۱ھ-۷۲۸ھ)	۱۹۳
۴.	ابن حجر، احمد بن علی بن محمد ابن حجر عسقلانی (۷۷۳ھ-۸۵۲ھ)	۵۰،۵۱،۵۳،۶۰،۶۳
۵.	ابن خلدون، ابو زید عبد الرحمن بن محمد ابن خلدون (۱۳۳۲ء-۱۴۰۶ء)	۱۱،۱۲،۱۳،۱۶،۱۷،۲۴
۶.	ابن صالح العثیمین، أبو عبد اللہ محمد بن صالح بن العثیمین (۱۹۲۹ء-۲۰۰۱ء)	۵۶،۶۲،۶۹
۷.	ابن عاشور، محمد الطاہر (۱۲۹۶ھ-۱۳۹۳ھ)	۵۵
۸.	ابن عبد البر، أبو عمر یوسف بن عبد اللہ القرطبی (۳۶۸ھ-۴۶۳ھ)	۶۴
۹.	ابن کثیر، ابو الفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر (۷۰۱ھ-۷۷۴ھ)	۲۱۲،۲۹۰
۱۰.	ابو العباس، احمد بن محمد بن عبد اللہ الریسونی (۱۸۵۷ء-۱۹۲۵ء)	۴۰
۱۱.	أبو القاسم، صاعد بن أحمد الأندلسي القرطبی (۴۱۹ھ-۴۶۲ھ)	۱۴۷
۱۲.	ابو حیان، محمد بن یوسف بن علی الاندلسی (۶۵۴ھ-۷۴۵ھ)	۲۱۲
۱۳.	أبو ھلال، الحسن بن عبد اللہ اللغوی العسکری (۹۲۰ء-۱۰۰۵ء)	۱۶۶
۱۴.	ابو الکلام، محی الدین احمد آزاد (۱۹۵۸ء)	۱۱۳
۱۵.	أحمد بن جاب اللہ شَلَبي (۱۹۱۵ء-۲۰۰۰ء)	۸۸
۱۶.	احمد حسین دیدات (۱۹۱۸ء-۲۰۰۵ء)	۱۱۰،۱۱۶
۱۷.	ارسطو۳۸۴ق م	۴
۱۸.	اصلاحی، مولانا امین احسن اصلاحی (۱۹۹۷ء)	۲۷۰
۱۹.	افلاطون۴۲۸ق م	۲۳
۲۰.	امرؤ القیس بن حجر الکندی (۵۴۵ھ)	۱۵۱
۲۱.	الآلوسی، محمود بن عبد اللہ بن شھاب الدین شکري (۱۸۵۶ء-۱۹۲۴ء)	۱۵۰
۲۲.	تقی عثمانی بن مفتی محمد شفیع	۳۰۰

۲۳.	تھانوی، اشرف علی بن عبد الحق (۱۸۶۳ء–۱۹۴۳ء)	۱۷۶
۲۴.	جاحظ، ابو عثمان عمر بن بحر بن محبوب کنانی بصری (۱۶۰ھ-۲۵۵ھ)	۱۴۹
۲۵.	جمال مجدی حسنین	۶
۲۶.	جہانگیر، سلیم، نور الدین (۱۵۶۹ء–۱۶۲۷ء)	۱۷۳، ۱۸۰
۲۷.	الجوینی، أبو المعالی، عبد الملک بن عبد اللہ (۴۱۹ھ–۴۷۸ھ)	۲۴
۲۸.	الحارث بن الحارث الأشعريّ الشاميّ رضی اللہ عنہ	۲۱۸
۲۹.	حمید الدین فراہی (۱۸۶۳ء–۱۹۳۰ء)	۳۳
۳۰.	الزمخشری، جار اللہ ابو القاسم محمود بن عمر (۴۶۷ھ-۵۳۸ھ)	۵۲
۳۱.	زهير بن أبي سُلمى ربيعة بن رياح المُزني (۵۳۰ء–۶۲۷ء)	۱۶۴
۳۲.	زید بن أرقم بن زید النعمان أنصاری خزرجی رضی اللہ عنہ (۶۸ ہجری)	۲۱۵
۳۳.	زید بن خالد الجهني المدني، أبو عبد الرحمن رضی اللہ عنہ (۷۸ھ)	۱۸۲
۳۴.	سہارنپوری، خلیل احمد بن شاہ مجید علی (۱۲۲۹ھ تا ۱۳۴۶ھ)	۶۸
۳۵.	سید احمد دہلوی، مولوی (۱۸۴۶-۱۹۱۸ء)	۴۶
۳۶.	سید اقبال امروہوی	۴۷، ۴۸
۳۷.	سید قطب إبراهيم حسين الشاذلي شهيد (۱۹۰۶ء-۱۹۶۶ء)	۱۹۷
۳۸.	السیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، جلال الدین (۸۴۹ھ-۱۴۴۵ء)	۱۹۲
۳۹.	سیوہاروی، مولانا حفظ الرحمن (۱۹۶۲ء)	۱۱۸، ۲۴۰، ۲۷۶، ۲۸۴، ۳۰۳
۴۰.	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم (۱۷۶۲ء)	۲۸۲
۴۱.	شداد بن اوس بن ثابت بن المنذر (۵۸ھ)	۲۱۹
۴۲.	شفیع عثمانی، مفتی (۱۸۹۷ء-۱۹۷۶ء)	۲۰۰
۴۳.	شہرستانی، محمد بن عبد الکریم (۴۷۹ھ-۵۴۸ھ)	۱۲۷
۴۴.	طارق بن شہاب بن عبد شمس البجلی الأحمسی رضی اللہ عنہ (۸۳ھ)	۲۷۱
۴۵.	الطیبی، شرف الدین الحسین بن محمد بن عبد اللہ (۷۴۳ھ)	۷۴
۴۶.	عبادة بن الصامت بن قيس الخزرج الأنصاري رضی اللہ عنہ (۳۴ ہجری)	۲۱۴
۴۷.	عبد الحق حقانی، بن سیف الدین دہلوی بخاری (۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ)	۱۸۱

۲۸۶	عبد الرحمن بن ناصر بن عبد اللہ آل سعدی (۱۳۰۷ھ-۱۳۷۶ھ)	۴۸.
۲۳۰	عبید اللہ بن محصن الأنصاری الخطمی المدنی رضی اللہ عنہ	۴۹.
۱۵۹	عبید بن الابرص بن عوف الاسدی رضی اللہ عنہ	۵۰.
۱۶۴	عروۃ بن الورد العبسي، عروۃ الصعالیک (۶۰۷ء)	۵۱.
۳۴	عقبہ بن عامر بن عبس جہنی أبو حماد رضی اللہ عنہ (۵۸ھ)	۵۲.
۱۶۲	علي عبد المعطي البطل (۱۳۶۰ھ-۱۴۱۸ھ)	۵۳.
۲۳۰	علی قاری، ملا، علی بن محمد سلطان (۱۰۱۴ھ)	۵۴.
۳۶	علی میاں، ابو الحسن، ندوی (۱۹۱۴ء-۱۹۹۹ء)	۵۵.
۱۵۸	عمر بن عبد العزیز بن مروان بن الحکم الاموی (۱۰۱ھ)	۵۶.
۶۹	عمران بن حصین بن عبید بن خلف، ابو نجید رضی اللہ عنہ (۵۲ھ)	۵۷.
۲۲۹	الغزالی، أبو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالي الطوسي (۴۵۰ھ-۵۰۵ھ)	۵۸.
۲۴	الفارابی، أبو نصر محمد بن محمد بن طرخان بن أوزلغ (۲۶۰ھ-۳۳۹ھ)	۵۹.
۳	الفیروز آبادي، مجد الدین أبو طاهر محمد بن یعقوب (۷۲۹ھ-۸۱۷ھ)	۶۰.
۷۱	القرافی، شهاب الدین أبو العباس أحمد بن إدریس (۶۲۶ھ-۶۸۴ھ)	۶۱.
۲۲۳،۱۴۵،۶۰	القرطبی، محمد بن احمد الانصاری، ابو عبد اللہ (۶۷۱ھ)	۶۲.
۱۵۷	القلقشندي، أبو العباس شهاب الدین أحمد بن علی (۷۶۵ھ-۸۲۱ھ)	۶۳.
۲۴	الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد حبیب (۳۶۴-۴۵۰ھ)	۶۴.
۲۶۸	مبارکپوری، مولانا عبد الرحمٰن (۱۹۳۵ء)	۶۵.
۱۵۲	محمد بن عبد اللہ الأزرقی (۲۵۰ھ)	۶۶.
۱۹۸	محمد بن کعب القرظي (۴۰ھ-۱۰۸ھ)	۶۷.
۱۳۶	محمد مجدي مرجان الشماس مصری	۶۸.
۷۰	المناوي، محمد عبد الرؤوف بن تاج العارفین القاهری (۹۵۲ھ-۱۰۳۱ھ)	۶۹.
۲۷۲،۲۵۹،۲۰۵،۲۰۴،۱۳۶	مودودی، سید ابو الاعلیٰ (۱۹۷۹ء)	۷۰.
۳۰	ندوی، مولانا سید سلیمان (۱۸۸۴ء-۱۹۵۳ء)	۷۱.
۱۸۳،۶۱،۵۱،۵۰	النووی، یحیٰ بن شرف الشافعی (۶۳۱ھ-۶۷۶ھ)	۷۲.

۷۳.	Adam Smith، آدم سمتھ (۱۷۲۳ء)	۲۰
۷۴.	Auguste Comte، اگسٹ کومٹ (۱۷۹۸ء-۱۸۵۷ء)	۱۳،۱۴
۷۵.	Durkheim Emile، ڈیوڈ ایمیل ڈرکہم (۱۷۹۱ء-۱۸۵۸ء)	۱۵
۷۶.	Edward Titchener (۱۸۶۷ء-۱۹۲۷ء)	۲۲۹
۷۷.	Hobbes، تھامس (۱۵۸۸ء-۱۶۷۹ء)	۵
۷۸.	Jhon Broadus Watson، جان واٹسن (۱۸۷۸ء-۱۹۵۸ء)	۲۲۹
۷۹.	John Dewey، جان ڈیوی (۱۸۵۹ء)	۲۲۹
۸۰.	John Locke، جان لاک (۱۶۳۲-۱۷۰۴ء)	۲۴
۸۱.	Karl Marx، کارل مارکس (۱۸۱۸ء-۱۸۸۳ء)	۱۴
۸۲.	Lionel Robbins، لیونیل روبنز (۱۸۹۸ء-۱۹۸۴ء)	۱۹
۸۳.	Ludwig Gumplowicz، لودویک گومپلاویچ (۱۸۳۸ء-۱۹۰۹ء)	۱۲
۸۴.	Niecalo d Bermardo Machivelli، میکاویلی (۱۴۶۷-۱۵۲۷ء)	۲۴
۸۵.	Robert Maciver، رابرٹ میکسور (۱۸۸۲ء-۱۹۷۰ء)	۵
۸۶.	St. Augustines، سینٹ اگسٹائن (۳۵۴ء-۴۳۰ء)	۲۴
۸۷.	Wilhelm Wundt (۱۸۳۲ء-۱۹۲۰ء)	۲۲۹
۸۸.	William James، ولیم جیمز (۱۸۴۲-۱۹۱۰ء)	۲۲۹

فہرست مصادر ومراجع

عربی کتب

۱. القرآن الكريم

۲. ابن تيمية حياته وعصره آراؤه وفقهه، لمحمد بن أحمد أبو زهرة، الطبعة دار الفكر العربي القاهرة،۱۹۹۱ء

۳. ابن ماجه، سنن ابن ماجه، محمد بن يزيد القزويني، تحقيق:محمد فؤاد عبد الباقي، دار إحياء الكتب العربية

۴. أبوداود، سنن أبي داود، سليمان بن الأشعث، تحقيق:محمد محيي الدين، المكتبة العصرية بيروت، طبعة ۲۰۰۹ء

۵. أخبار مكة وما جاء فيها من الأثار، محمد بن عبد الله الأزرقي (۲۵۰ھ)،المحقق: رشدي الصالح ملحس، دار الأندلس

۶. الأدب المفرد، محمد بن إسماعيل البخاری، (ت:محمد فؤاد عبد الباقي)، دار البشائر الإسلامية،بيروت الثالثة، ۱۴۰۹ھ

۷. اديان الهند الكبرى، احمد شلبی، مكتبة النهضة المصرية، طبعة الاولى

۸. الأديان الو ضعية، مناهج جامعة المدينة العالمية، جامعة المدينة العالمية

۹. الأساطير وعلم الاجناس، قيس النورى، دارعلياء للطباعة والنشر، طبعة ۲۰۰۶ء

۱۰. أسد الغابة، عز الدين ابن الأثير، أبو الحسن علي بن أبي الكرم الجزري، (ت:۶۳۰ھ)، دار الفكر بيروت، ۱۴۰۹ھ

۱۱. الأسس الإسلامية فی فكر ابن خلدون، مصطفى الشكعته، الدار لامعرية، القاهرة، طبعة ۱۴۰۶ھ

۱۲. الإصابة في تمييز الصحابة، أبو الفضل أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (المتوفى: ۸۵۲ھ)، دار الكتب العلمية، بيروت،الأولى ۱۴۱۵ ھ

۱۳. إعلام الموقعين عن رب العالمين، ابن قيم الجوزية، تحقيق: محمد عبد السلام إبراهيم، دار الكتب العلمية، الأولى، ۱۴۱۱ھ،

۱۴. اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم الحنبلي الدمشقي المشهور باسم ابن تيمية (المتوفى:۷۲۸ھ)، دار عالم الكتب، بيروت، لبنان، السابعة، ۱۴۱۹ھ

۱۵. انساب العرب القدماء، جرجی زيدان، دارالهيئة المصرية، طبعة ۱۹۷۰ء

۱۶. الأوائل، ابو هلال العسكری، دارالبشير طنطا، طبعة ۱۴۰۸ھ

۱۷. البحر المحيط، أبو حيان الأندلسی، تحقيق الشيخ عادل احمد، دارالكتب العلمية بيروت، الاولی، ۱۴۱۳ھ

۱۸. البخاری، صحيح البخاری،محمد بن اسماعيل البخاری، (محمد زهير بن ناصر الناصر)، دار طوق النجاة، طبع ۱۴۲۲ھ

۱۹. البدأ والتاريخ، المطهر بن طاهر المقدسی، مكتبة اثقافة الدنيية، بورسعيد، طبعة ۲۰۱۰ء

۲۰. البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، محمد بن علي الشوكاني، دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان، ۱۴۱۸ھ

۲۱. بذل المجهود فی حل أبي داود، خليل احمد سهارنفوری، دار الكتب العلمية، بيروت

۲۲. البغداديون أخبارهم ومجالسهم، إبراهيم عبد الغني البغدادي، مطبعة الرابطة بغداد، ۱۹۸۵ء

۲۳. بلوغ الأرب في معرفة أحوال العرب، محمود شكري البغدادی، دارالكتاب المصری، طبعة ۱۹۹۶ء

۲۴. تاج العروس من جواهر القاموس، محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، الزَّبيدي (المتوفى: ۱۲۰۵ھ)، دار الهداية

۲۵. تاريخ الأدب العربي العصر الجاهلي، أحمد شوقي عبد السلام ضيف الشهير بشوقي ضيف دار المعارف

۲۶. تاريخ الإسلام وَوَفيات المشاهير وَالأعلام،للذهبي، دار الغرب الإسلامي، الأولى، ۲۰۰۳ء

۲۷. تاريخ الأمم والملوک، محمد بن جرير الطبرى، بيت الأفكار الدولية، طبعة ۱۹۸۹ء

۲۸. تاريخ الخلفاء، جلال الدين السيوطي (المتوفى: ۹۱۱ھ)، مكتبة نزار مصطفى الباز، الأولى: ۱٤۲۵ھ

۲۹. تاريخ العرب قبل الاسلام، السيد عبدالعزيز سالم، مؤسسة شباب الجامعة، الاسكندرية

۳۰. تاريخ العرب قبل الاسلام، جواد على، دار بيروت لبنان، طبعة ۲۰۰۲ء

۳۱. تاريخ دمشق،أبو القاسم علي بن الحسن، ابن عساكر، (ت: ۵۷۱ھ)، دار الفكر للطباعة والنشر، ۱٤۱۵ھ

۳۲. التحرير والتنوير، محمد الطاهر بن عاشور، الدار التونسية للنشر تونس،طبعة ۱۹۸٤ء

۳۳. تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذى، محمد عبد الرحمن المباركفورى (ت: ۱۳۵۳ھ)، دار الفكر بيروت، ۲۰۰۸ء

۳۴. الترغيب والترهيب من الحديث الشريف، الحافظ المنذرى، تحقيق الشيخ مصطفى محمد عمارة، مكتبة مصطفى البابي الحلبي مصر، الثالثة، ۱۳۸۸ھ

۳۵. الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عيسى، سنن الترمذی، بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامي بيروت، ۱۹۹۸ء

۳۶. التفاؤل والتشاؤم لدى طالبات الارشادى النفسی، هند سیلم شمالی، الجامعة الاسلامية غزه، ۲۰۰۷ء،

۳۷. تفسير الطبرى، محمد بن جرير الطبرى، مؤسسة الرسالة، تحقيق عبدالله بن عبدالمحسن التركى، طبعة ۲۰۰۱ء

۳۸. تفسير القاسمى، شيخ جمال الدين القاسمى، تحقيق: فؤاد عبداالباقى، دارالفكر بيروت، طبعة ثالثة، ۱۳۹۸ھ

۳۹. تفسير القرآن العظيم، إسماعيل بن عمر بن كثير (المتوفى: ۷۷٤ھ)، دار طيبة للنشر والتوزيع، الثانية ۱٤۲۰ھ

۴۰. تقريب التهذيب، أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد حجر العسقلاني، سوريا،الطبعة الأولى، ۱٤۰٦ھ

۴۱. التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد، يوسف بن عبد الله بن عبد البر القرطبي (المتوفى: ٤٦۳ھ)، وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية، المغرب، عام النشر: ۱۳۸۷ھ

۴۲. تهذيب التهذيب، أبو الفضل أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (المتوفى:۸۵۲ھ)،طبع دائرة المعارف النظامية، الهند ، الأولى، ۱۳۲٦ھ

۴۳. تهذيب الكمال في أسماء الرجال، يوسف بن عبد الرحمن، أبو الحجاج،المزي (المتوفى:۷٤۲ھ) مؤسسة الرسالة، بيروت، الأولى،۱٤۰۰ھ

۴۴. جامع البيان في تأويل القرآن، محمد بن جرير، أبو جعفر الطبري (المتوفى: ۳۱۰ھ)، المحقق: أحمد محمد شاكر، مؤسسة الرسالة،الطبعة الأولى، ۱٤۲۰ھ

۴۵. الجامع لأحكام القرآن، تفسير القرطبي، أبو عبد الله شمس الدين القرطبي، تحقيق: أحمد البردوني، دار الكتب المصرية القاهرة، طبع ۱۹٦٤ء

۴۶. الجواهر والدرر في ترجمة شيخ الإسلام ابن حجر، شمس الدين محمد بن عبد الرحمن السخاوي، دار ابن حزم للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان،الطبعة الأولى، ۱٤۱۹ھ

۴۷. حجة الله البالغة، شاه ولی الله دهلوی، تحقیق السید السابق، دارالجیل طبع الاولی ۲۰۰۵ء

۴۸. حضارة الهند، غوستاف لوبون، ترجمة عادل زعتیر، مطبعة عیسی البابی الحلبی، طبعة ۲۰۰۳ء

۴۹. حق الرضاعة للغیر وتطبیقاته فی المحاکم الشرعیة، عامر ابو الخیل، الجامعة الاسلامیة غزة، ۲۰۰۷ء

۵۰. الحیاة العربیة فی الشعر الجاهلي، احمد الحوفی، دارنهضة مصر، طبعة ۱۹۴۷ء

۵۱. الحیوان، جاحظ، تحقیق عبدالسلام هارون، ناشر مصطفی الحلبی، طبعة ۱۹۶۵ء

۵۲. دراسات اجتماعیة، جمال مجدی حسنین، دارالمعرفة، طبعة ۱۹۸۶ء

۵۳. دراسات فی الیهودیة والمسیحیة وأدیان الهند، ضیاءالرحمن الاعظی، مکتبة الرشید، طبعة ۲۰۰۳ء

۵۴. دیوان الشاعر، جمعه طاهر بن عاشور، الناشر فوشیه للتوزیع، ۱۹۹۶ء

۵۵. دیوان عبید بن الأبرص، دارصادر بیروت، ۱۹۷۶ء

۵۶. دیوان عروة بن الورد، دارصادر بیروت، طبعة ۱۹۹۸ء

۵۷. روح الدین الإسلامي، عفیف عبد الفتاح طباره، دار العلم للملایین بیروت،۱۹۹۳ء

۵۸. الروض الأنف في شرح السیرة النبویة، أبو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله السهیلي (۵۸۱ھ)، دار إحیاء التراث العربي، بیروت، الأولی، ۱۴۱۲ھ

۵۹. زاد المعاد في هدي خیر العباد، محمد بن أبي بکر ابن قیم الجوزیة (المتوفی:۷۵۱ھ)، مؤسسة الرسالة، بیروت، طبع السابعة والعشرون ۱۴۱۵ھ

۶۰. سر إسلام رواد الفکر الحر في أوربا وعلماء الدین المسیحي الأجلاء، محمد عبد العظیم علي،دار المنارة

۶۱. السنن الکبری للبیهقی، أحمد بن الحسین أبو بکر البیهقی (المتوفی:۴۵۸ھ)، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۲۴ھ

۶۲. سیر أعلام النبلاء، شمس الدین محمد بن أحمد الذهبي (المتوفی:۷۴۸ھ)، المحقق: بإشراف الشیخ شعیب الأرناؤوط، طبع مؤسسة الرسالة، الثالثة ۱۴۰۵ھ

۶۳. السیرة النبویة لابن هشام، عبد الملك بن هشام (المتوفی:۲۱۳ھ)، شرکة مکتبة ومطبعة مصطفی البابي الحلبي وأولاده بمصر، الثانیة، ۱۳۷۵ھ

۶۴. الشخصیات الأسطوریة فی العهد القدیم، جمیل خرطبیل، مکتبة اثعب

۶۵. شعب الإیمان، أحمد بن الحسین، أبو بکر البیهقي (المتوفی:۴۵۸ھ) مکتبة الرشد للنشر والتوزیع بالریاض بالتعاون مع الدار السلفیة ببومباي بالهند، الأولی، ۱۴۲۳ ھ

۶۶. الشعر الجاهلی، محمد النویهي، الدارالقومیة للطباعة والنشر، طبعة، ۱۹۹۸ء

۶۷. الشعور بالذنب، عبد الخالق جاب الله، مکتبة العبیکان، طبع ۲۰۰۶ء

۶۸. صبح الأعشی، أبو العباس أحمد القلقشندي، دارالکتب المصریة، طبعة ۱۴۳۰ھ

۶۹. الصحاح تاج اللغة وصحاح العربیة، إسماعیل بن حماد الفارابي(المتوفی:۳۹۳ھ) تحقیق:أحمد عبد الغفور، دار العلم للملایین، بیروت، الرابعة ۱۴۰۷ھ

۷۰. صفحات من حیاة علامة القصیم العلامة عبد الرحمن بن ناصر السعدي، د/عبدالله بن محمد،دار ابن الجوزی

۷۱. الصورة في الشعر العربي حتى آخر القرن الثاني الهجري، د/علي البطل، دار الأندلس، الثانية ١٤٠١ھ

۷۲. الصياغة الاسلاميه لعلم الإجتماع، د/منصور زويد المطيرى، طبعة ١٤١٣ھ

۷۳. طبقات الأمم، ابو القاسم صاعد الأندلسى(٤٦٢ھ)، دارالمعارف مصر، تحقيق حسين مؤنس، طبعة ١٩٩٣ء

۷۴. الطبقات الكبرى، أبو عبد الله محمد بن سعد (المتوفى: ٢٣٠ھ)، دار صادر، بيروت، الأولى، ١٩٦٨ء

۷۵. عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات، زكريا بن محمد القزوينى، (٦٨٢ھ)، بيروت لبنان، طبع الاولى ١٤٢١ھ

۷۶. العقائد الوثنية في الديانة النصرانية، محمد طاهر التنير، دار الشواف الرياض

۷۷. علم الاجتماع الخلدونى، حسن الساعاتى، دارالنهضة العربية، بيروت، طبعة ١٩٧٤ء

۷۸. علم الاجتماع الريفى على احمد فؤاد، دارالنهضة العربية، طبعة ١٩٨١ء

۷۹. علم الاجتماع السياسى، د/موريس، ترجمة سليم حداد المؤسسة الجامعية للدراسات والنشر، طبعة ٢٠٠١ء

۸۰. علم الاجتماع، فراس عباس البياتى، دار غيراء للنشر، طبعة ٢٠٠١ء

۸۱. علم الاجتماع، مفهومات موضوعات دراسات، غريب عبدالسميع غريب، مؤسسة شباب الجامعة، طبعة ٢٠١٢ء

۸۲. علم النفس المعاصر فى ضوء الاسلام، محمد محمود محمد، دارالشروق، طبع ٢٠١٤ء

۸۳. العمدة فى محاسن الشعر وآدابه، ابن رشيق القيروانى، تحقيق: احمد محمد عزوز، دارالحبيل، ١٩٨١ء

۸۴. الفائق فى غريب الحديث والاثر، ابو القاسم جار الله زمخشرى، دارالمعرفة بيروت، طبعة ١٩٧١ء

۸۵. فتح البارى شرح صحيح البخارى، ابن حجر العسقلانى، تحقيق: فؤاد عبدالباقى، دارالمعرفة بيروت، طبعة ١٩٨٦ء

۸۶. فتح المجيد شرح كتاب التوحيد، عبد الرحمن التميمي، مطبعة السنة المحمدية، القاهرة، طبعة ١٩٥٧ء

۸۷. الفروق- أنوار البروق في أنواء الفروق، أحمد بن إدريس بالقرافي، عالم الكتب، بدون طبعة

۸۸. فى الفقه السياسى، محمد أمزيان، مطبع النجاح الجديدة، المغرب، طبعة ٢٠٠١ء

۸۹. في ظلال القرآن، سيد قطب إبراهيم حسين الشاربي، دار الشروق، بيروت، السابعة عشر، ١٤١٢ ھ

۹۰. فيض القدير شرح الجامع الصغير، عبد الرؤوف بن تاج العارفين المناوي القاهرى (المتوفى:١٠٣١ھ)، المكتبة التجارية الكبرى، مصر، الأولى، ١٣٥٦ھ

۹۱. القاموس المحيط، أبو طاهر مجد الدين الفيروز آبادى، مكتب تحقيق التراث في مؤسسة الرسالة، بيروت، ١٤٢٦ھ

۹۲. القول المفيد على كتاب التوحيد، محمد بن صالح العثيمين، دار ابن الجوزى، المملكة العربية السعودية، ثانية ١٤٢٤ھ

۹۳. الكاشف عن حقائق السنن، شرف الدين الحسين بن عبد الله الطيبي (٧٤٣ھ)، مكتبة نزار مصطفى الباز، ١٤١٧ھ

۹۴. كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، مصطفى بن عبد الله المشهور باسم حاجي خليفة (المتوفى:١٠٦٧ھ)، مكتبة المثنى، بغداد، ١٩٤١ء

۹۵. كتاب الأصنام، هشام بن محمد الكلبى، دارلكتب المصرية، طبعة ١٩٩٥ء

۹۶. كتاب الروح، ابن قيم الجوزية، مجمع الفقه الاسلامى جدة، ١٩٩٨ء

۹۷. لسان العرب، محمد بن مكرم ابن منظور الإفريقى (المتوفى:٧١١ھ)، دار صادر، بيروت، الثالثة،١٤١٤ھ

۹۸. لسان الميزان، أحمد بن علي بن حجر العسقلاني، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت، لبنان، الثانية، ۱۳۹۰ھ

۹۹. ماذا تعرف عن المسيحية، مركز الراية للنشر والإعلام، طبعة ثالثة ۲۰۰۱ء

۱۰۰. المختصر في أخبار البشر، أبو الفداء عماد الدين إسماعيل بن علي، المطبعة الحسينية المصرية

۱۰۱. المدخل إلى علم الاجتماع، د/محمد الجوهرى، دارالعلم للملايين بيروت، طبعة ۲۰۰۷ء

۱۰۲. مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، علي بن محمد، الملا الهروي القاري (المتوفى:۱۰۱٤ھ)، دار الفكر، بيروت، لبنان،الطبعة الأولى، ۱٤۲۲ھ

۱۰۳. المستدرك على الصحيحين، أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله النيسابوري (المتوفى:٤۰٥ھ)، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ۱٤۱۱ ھ

۱۰۴. مسلم، صحيح مسلم، مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري، (محمد فؤاد عبد الباقي)، دار إحياء التراث العربي بيروت

۱۰۵. مسند احمد، احمد بن حنبل، تحقيق: شعيب الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة، طبع ۱٤۲۱ ھ

۱۰۶. البحر الزخار، المشهور بمسند البزار؛ أحمد بن عمرو البزار (ت: ۲۹۲ھ)، مكتبة العلوم و الحكم، المدينة المنورة، الأولى

۱۰۷. المسيح إنسان أم إله، دارالنهضة العربية، ۱۹۷٥ء

۱۰۸. مشكلة الغلو فى الدين فى العصر الحاضر، عبد الرحمن بن معلا اللويحق، مؤسسة الرسالة، طبع۲۰۱۰ء

۱۰۹. معالم السنن، شرح سنن أبي داود، أبو سليمان حمد بن محمد الخطابي، المطبعة العلمية، حلب، الأولى ۱۳٥۱ھ

۱۱۰. معالم في الطريق، سيد قطب، دار الشروق الطبعة السادسة ۱۹۷۹ء

۱۱۱. المعتقدات الدينية لدى الشعوب، جفري بارندر، ترجمة امام عبدالفتاح، سلسلة عالم المعرفة، طبعة۱۹۹۰ء

۱۱۲. معجم البلدان، ياقوت بن عبد الله الحموى، دارصادر، طبعة ۱۹۹۳ء

۱۱۳. معجم المفسرين «من صدر الإسلام وحتى العصر الحاضر»، عادل نويهض، مؤسسة نويهض الثقافية للتأليف والترجمة والنشر، بيروت، لبنان، الثالثة، ۱٤۰۹ھ

۱۱۴. معجم المؤلفين، عمر بن رضا الدمشق (المتوفى:۱٤۰۸ھ)، مكتبة المثنى، دار إحياء التراث العربي بيروت

۱۱۵. المعجم الوسيط، مجمع اللغة العربية بالقاهرة، ابراهيم مصطفى، احمد الزيات النجار، دارالدعوه، ۲۰۰٤ء

۱۱۶. معلقة زهير بن ابى سلمى، شرح المعلقات العشر، تحقيق احمد بن امين، اشيقطى، مكتبة النهضة بغداد

۱۱۷. مفاتيح الغيب، التفسير الكبير، أبو عبد الله محمد بن عمر الرازي (المتوفى:٦۰٦ھ)، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الثالثة۱٤۲۰ھ

۱۱۸. المفاهيم الأساسية فى علم الإجتماع، د/خليل احمد خليل، دارالحمامة بيروت، طبعة ۱۹۸٤ء

۱۱۹. مفتاح دار السعادة و منشور ولاية العلم والاراداة، ابن قيم الجوزية، دارالكتب العلمية بيروت، ۱۹۹۷ء

۱۲۰. مقارنة الاديان، احمد شلبى، مكتبة النهضة المصرية طبعة ۱۹۷۸ء

۱۲۱. مقاصد المقاصد: الغايات العلمية والعملية لمقاصد الشرعية، أحمد الريسونى، الشبكة العربية للأبحاث والنشر، بيروت،۲۰۱۳ء

۱۲۲. مقدمة ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد بن خلدون، دارالفكر العربى، طبع ۱۹۹٦ء

۱۲۳. ملامح اسطورية فی الشعر الجاهلي، محمود شكيب انصارى، مجلة آفاق الحضارة الاسلامية، العدد:۲۵، ۱۳۸۹ھ

۱۲۴. الملل والنحل، محمد بن عبد الكريم، الشهرستانی، (المتوفی:۵٤۸ھ)، مؤسسة الحلبي، ۱۹۹۲ء

۱۲۵. المنجد في اللغة، علي بن الحسن الأزدي، (أحمد مختار عمر، ضاحي عبد الباقي، عالم الكتب، القاهرة، الثانية، ۱۹۸۸ء

۱۲۶. المنهاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج، يحيى بن شرف النووي (ت:٦٧٦ھ) داراحياء التراث العربى بيروت، ۱۳۹۲ھ

۱۲۷. موسوعة الطب النفسى، عبد المنعم الحنفى، مكتبة مربولى، طبع ۲۰۰۱ء

۱۲۸. الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة، دار الندوة العالمية، الطبعة الرابعة، ۱٤۲۰ھ

۱۲۹. موسوعة ميثولوجيا وأساطير الشعوب القديمة، حسن نعمة، مكتبة جرير، الدوحة قطر، طبعة ۲۰۰۵ء

۱۳۰. موسوعة وحدة الدين والفلسفة والعلم، مركز الدراسات الدينية بغداد طبعة الأولى

۱۳۱. موطأ امام مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني، مالك بن أنس المدني (المتوفى: ۱۷۹ھ)،تحقيق: عبد الوهاب عبد اللطيف، المكتبة العلمية،طبع الثانية

۱۳۲. النسائى، السنن الصغرى، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب،تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة، مكتبة المطبوعات الإسلامية حلب، الثانية، ۱٤۰٦ھ

۱۳۳. النسائى، السنن الكبرى، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب (المتوفى:۳۰۳ھ)، مؤسسة الرسالة بيروت،الأولى،۱٤۲۱ھ

۱۳۴. النظام السياسى الإسلامى، نعمان السامرائى، مكتبة القاهرة، طبعة ۱٤۲۱ھ

۱۳۵. نظريات علم الاجتماع، جميل حمداوى، مكتبة المثقف، طبعة ۲۰۱۵ء

۱۳۶. النمو الانسانى، الطفولية والمراهقة، محمد عبد السميع رزق، دارالفكر، طبع ۲۰۱۰ء

۱۳۷. النهاية فى غريب الحديث والأثر، ابو السعادات ابن الاثير، تحقيق:احمد الزاوى، المكتبة العلمية بيروت، ۱۹۷۹ء

۱۳۸. نهاية لأدب فی فنون الأدب، احمد بن عبدالوهاب النويرى، دارالكتب والوثائق القومية القاهرة، طبعة ۱٤۲۳ھ

۱۳۹. الهندوسية: المنشأ والجذور و العقائد الروحية، صبرى المقدسى، مقال موقع الحوار المتمدن، تاريخ: ۳/۵/۲۰۱۳

۱۴۰. والايمان والصحة النفسية، دروس التربية الاسلامية، سيد عبد الحميد مرسى، دار الحامد عمان، ۲۰۰۳ء

۱۴۱. الوسائل المفيدة للحياة السعيدة، عبد الرحمن آل سعدي، الجامعة الإسلامية، المدينة المنورة، الثانية، ۱٤۰۹ھ

۱۴۲. الوطن العربى والمجتمع المدنى، حامد خليل، مركز الدراسات و البحوث الاستراتيجبية،جامعة دمشق، طبعة ۲۰۰۰ء

۱۴۳. وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان، أبوالعباس شمس الدين أحمد بن محمدابن خلكان البرمكي(المتوفى:٦٨١ھ)،المحقق: إحسان عباس، دار صادر، بيروت

اُردو کتب

۱. ابلاغ عامہ اور دور جدید، نفیس الدین، کراچی ڈیسنٹ پریس، ۱۹۸۶ء

۲. ابوالکلام آزاد: سوانح وافکار، شورش کاشمیری، مطبوعات چٹان لاہور

۳. احیاء علوم الدین، امام غزالی، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور (س ن)

۴. اخلاق اور فلسفہ اخلاق، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۱۹۷۶ء

۵. اردو انسائیکلوپیڈیا، سید سبط حسن، فیروز سنز لمیٹڈ، ۱۹۶۲ء

۶. اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۶۲ء

۷. اردو شاعری کا تہذیبی اور فکری پسِ منظر، ڈاکٹر محمد حسن، اردو اکادمی دہلی، ۱۹۸۹ء

۸. اسلام اور تعمیر شخصیت، پروفیسر عبد الرشید، ادارہ ثقافت اسلام (س ن)

۹. اسلام اور مذاہب عالم، محمد مظہر الدین صدیقی، ادارہ ثقافت اسلامیۃ لاہور، طبع ۲۰۱۴ء

۱۰. اسلام کا عمرانی نظام، پروفیسر چوہدری غلام رسول چیمہ، علم و عرفان پبلیشرز لاہور، ۲۰۰۴ء

۱۱. اسلام کا نظریہ اخلاق، محمد مظہر صدیقی، مطبوعات ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۵۱ء

۱۲. اسلام کا نظریہ تاریخ، محمد مظہر الدین صدیقی، مکتبہ جمال لاہور، ۲۰۰۹ء

۱۳. اشرف السوانح، مولانا عزیز الحسن، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۱۴۲۷ھ

۱۴. اصول معاشیات، رضیہ نظامی، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، طبع ۱۹۸۰ء

۱۵. اکابر علماءِ دیوبند، حافظ محمد اکبر شاہ، ادارہ اسلامیات کراچی

۱۶. انسانی سماج، خالدہ ناہید، اردو اکاڈمی دہلی رجسٹرڈ، راج کمل پرکاشن لمیٹڈ، ۱۹۸۴ء

۱۷. بائیبل سے قرآن تک، مولانا تقی عثمانی، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۲۰۱۰ء

۱۸. بہشتی زیور، مولانا اشرف علی تھانوی، دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۲ء

۱۹. بھگوت گیتا، مترجم منیر بخش عالم، PDF

۲۰. بی بی سی اردو ڈاٹ کام، ظفر سید، اسلام آباد، ۳ نومبر ۲۰۱۷ء

۲۱. پاجا سراغ زندگی، ابوالحسن ندوی، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۷۰ء

۲۲. پرانے چراغ، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مکتبہ فردوس لکھنو، ۲۰۱۰ء

۲۳. تاریخ دعوت و عزیمت، ابوالحسن علی ندوی، مجلس نشریات اسلام کراچی

۲۴. تالمود، مترجم: سٹیفن بشیر، ناشر مکتبہ عناویم پاکستان، ۲۰۱۰ء

۲۵. ترجمان القرآن، مولانا ابوالکلام آزاد، اسلامی اکیڈمی لاہور (س ن)
۲۶. تزک جہانگیری، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۱ء
۲۷. تفسیر معالم العرفان، صوفی عبد الحمید سواتی، ناشر مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ، طبع ۲۰۰۸ء
۲۸. تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، طبع ۲۰۰۰ء
۲۹. تقابل ادیان و مذاہب، پروفیسر میاں منظور احمد، علمی بک ہاؤس، ۲۰۰۴ء
۳۰. توہم پرستی کے معاشرے پر اثرات، عائشہ صدیقہ، ایکسپریس نیوز، جمعہ ۱۵ ستمبر ۲۰۱۷ء
۳۱. حجۃ اللہ البالغہ (اردو ترجمہ)، مترجم مولانا عبد الرحیم، پبلشرز قومی کتب خانہ لاہور (س ن)
۳۲. حقیقت دین، امین احسن اصلاحی، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۱۹۷۳ء
۳۳. حکمت قرآن، علامہ حمید الدین فراہی، مترجم خالد مسعود، دائرہ حمیدیہ اعظم گڑھ (س ن)
۳۴. دنیا کے بڑے مذہب، عماد الحسن فاروقی، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ۱۹۹۰ء
۳۵. روس انقلاب سے رد انقلاب تک، ٹیڈ گرانٹ، ترجمہ ابو فراز، جدوجہد پبلیکیشنز، طبع ۱۹۹۹ء
۳۶. سماج اور تاریخ، مرتضیٰ مطہری، ترجمہ سید موسیٰ رضوری، شفاء پبلیکیشنز، طبع ۲۰۰۱ء
۳۷. سماج کا ارتقاء کلیم اللہ، سنگم پبلیشرز لاہور، ۱۹۹۵ء
۳۸. سنت کی آئینی حیثیت، ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، گیارہویں اشاعت، ۱۹۸۷ء
۳۹. سیرت سرور عالم، ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۹۹ء
۴۰. سیرت النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، مکتبہ اسلامیہ لاہور، ۲۰۱۲ء
۴۱. شہاب ثاقب، تحفہ ہند پریس دہلی، ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ
۴۲. عقائد الاسلام، عبد الحق حقانی، ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور، طبع ۱۹۸۸ء
۴۳. فرہنگ آصفیہ، مرتب مولوی سید احمد دہلوی، مکتبہ اُردو سائنس بورڈ، اپر مال لاہور، طبع ۲۰۱۰ء
۴۴. فرہنگِ عامرہ، محمد عبد اللہ خان خویشگی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، طبع ۲۰۰۴ء
۴۵. فلسفہ مغرب کی تاریخ، برٹرینڈ رسل، (مترجم: پروفیسر محمد بشیر)، پورب اکادمی ۲۰۱۰ء اسلام آباد
۴۶. الفوز العظیم، شرح الفوز الکبیر، خورشید انور قاسمی، قدیمی کتب خانہ کراچی (س ن)
۴۷. فیروز اللغات اردو، مرتب مولوی فیروز الدین، مکتبہ فیروز سنز طبع ۲۰۱۰ء
۴۸. قرآن سے انٹرویو، ایم رفیق چوہدری، مکتبہ دار الھدیٰ کراچی، طبع: ۲۰۰۳ء
۴۹. قرآن کا قانون عروج وزوال، ابوالکلام آزاد، مکتبہ جمال اردو بازار لاہور، ۱۹۸۴ء

۵۰. القرآن وعلم النفس، محمد عثمان نجاتی، ناشران وتاجران کتب، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، ۱۹۹۷ء
۵۱. قصص القرآن، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۲ء
۵۲. کتاب الفقہ، عبدالرحمٰن الجزیری، مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب، طبع ۱۹۷۴ء
۵۳. کتاب الہند، ابوریحان البیرونی، بک ٹاک لاہور، ۲۰۱۱ء
۵۴. کتاب مقدس بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، ۱۹۹۷ء
۵۵. کیا تمام مذاہب یکساں ہیں، برکت اللہ مسیح، کرسچن نالج سوسائٹی لاہور، ۱۹۴۱ء
۵۶. گوتم بدھ راج محل سے جنگل تک، کرشن کمار، ترجمہ: پرکاش دیو، نگارشات پبلشرز، ۲۰۰۷ء
۵۷. ماہنامہ البلاغ، مفتی تقی عثمانی، شمارہ نمبر ۱۰۷، ۱۹۸۰ء
۵۸. محاضرات القرآن، ڈاکٹر سید وقار رضوی، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۹۹ء
۵۹. مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، لیوس مور، المطبعۃ العربیۃ لاہور، ۲۰۰۳ء
۶۰. مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، پروفیسر غلام رسول چیمہ، چوہدری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز، ۲۰۱۲ء
۶۱. مصباح اللغات، ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ بلیاوی، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، طبع ۱۹۹۹ء
۶۲. معارف القرآن، مفتی شفیع، ادارۃ المعارف کراچی، طبع ۲۰۰۵ء
۶۳. مکالمہ بین المذاہب، مولانا ولی خان المظفر، مکتبہ فاروقیہ کراچی، ۲۰۰۷ء
۶۴. منو، منو شاستر، مترجم ارشد رازی، نگارشات پبلشرز لاہور، ۲۰۰۳ء
۶۵. المودودی، نعیم صدیقی، الفیصل ناشران اردو بازار لاہور، ۱۹۹۸ء
۶۶. مولانا سید ابوالحسن ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو، سفیر اختر، IRI,IIUI اسلام آباد ۲۰۰۲ء
۶۷. نبی رحمت ﷺ، ابوالحسن علی ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی (س ن)
۶۸. نفسیات کا انسائیکلوپیڈیا، سید اقبال امروہوی، نگارشات پبلشرز، مزنگ روڈ لاہور، ۲۰۰۶ء
۶۹. نفسیات کے معمار، سید اقبال امروہوی، تخلیق کار پبلشرز دہلی (س ن)
۷۰. نفسیات، مسز شہربانو، اعتصام پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۸ء
۷۱. نفسیات، ناعمہ حسن، اعتصامہ پبلشرز اردو بازار لاہور (س ن)
۷۲. نفسیات کی بنیادیں، بورنگ لانگ فلڈ ولڈ، (مترجم: ہلال احمد زبیری)، کراچی یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۹ء
۷۳. نواب درگاہ قلی خان، مرقع دہلی، عبدالحمید یزدانی، ایلفا براؤ ویک سیلرز لاہور ۱۹۸۸ء

۷۴. ھندو دھرم اور اسلام کا تقابلی مطالعہ، حافظ محمد شارق، قرطاس پبلشرز کراچی، ۲۰۱۱ء

۷۵. ہندوستان کا شاندار ماضی، اے ایل باشم، ترقی اردو بیورو نئی دہلی، ۱۹۸۲ء

۷۶. ہندوستانی تہذیب بوستان خیال کے تناظر میں، ڈاکٹر ابن کنول، مصنف دہلی ۱۹۸۸ء

۷۷. ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، ڈاکٹر محمد عمر، پاک اکیڈمی کراچی ۱۹۹۲ء

۷۸. یادرفتگاں، سید سلیمان ندوی، مجلس نشریات اسلام کراچی (س ن)

۷۹. یہودیت عیسائیت اور اسلام، شیخ احمد دیدات، ترجمہ: مصباح اکرم، عبداللہ اکیڈمی لاہور، ۲۰۱۰ء

انگریزی کتب

1.	A Survey of Buddism, Sangharakshita, Beglore, 1957
2.	An Essay On The Nature And Significance Of Economic Science, by Lionel Robbins, Macmillan and co, limited, London, 1937
3.	Auguste Comte And Positivism, by Mill, john Stuart, second edition, London 1866
4.	Auguste Comte, by Gould, Frederick James, London : Watts, 1920
5.	ENCYCLOPEDIA OF Religion and Ethics, by Hastings, James, Selbie, John A., Gray, Louis H. Newyork, Charles Scribner's Sons
6.	ENCYCLOPEDIA OF the History of Science
7.	ENCYCLOPEDIA OF Britannica Concise, © 2006 BY ENCYCLOPÆDIA BRITANNICA, INC.
8.	ENCYCLOPEDIA OF BUDDHISM, Printed in the United States of America.
9.	ENCYCLOPEDIA OF ANTHROPOLOGY, Sage Publications Ltd. London
10.	ENCYCLOPEDIA OF Hinduism, Copyright © 2007 by Constance A. Jones and James D. Ryan
11.	ENCYCLOPEDIA OF World Religions, Britannica 2006, Paul Arney
12.	Hindutva, by Vinayak Damodar Savarkar, s.s.savarkar sadan, Bomby, fithedition,1969
13.	INDIA OF MY DREAMS, M.K. Gandhi, navajivan publishing house, Ahmed Abad, 1947
14.	Leviathan by Thomas Hobbes, England, 1668
15.	Levy, Marion J. The Structure of Society. New Haven, Conn.: Yale University Press,1952
16.	Oxford Dictionary of National Biography
17.	The Budda’s Ancient Path, Piyadassi Thera, London, 1964
18.	The Buddha And Five After-Centuries, by Sukumar Dutt, Luzac & company limited, 1957
19.	THE DISCOVERY OF INDIA, by JAWAHARLAL NEHRU, oxford university press, Dehli,sixth, 1994
20.	The elements of social science, by Robert MacIver, London, Methuen & co. ltd
21.	The Heart Of The Buddhas Teaching, by Thich Nath Hanh Broadway Books, New York,1998
22.	The Hindu Quest for the Perfection of Man, Organ Troy Wilson, Wipf & Stock Publishers, 1998